مولا علیؑ کی شہادت کی چودہ سو سالہ یادگار

برجِ شرف

ساقیانِ کربلا و نجف

مدح اور رثاء

برِصغیر کے شعراء کا منتخب کلام

ڈاکٹر سید تقی عابدی

مولا علیؑ کی شہادت کی چودہ سو سالہ یادگار

برجِ شرف

ساقیانِ

کربلا و نجف

مدح اور رثاء

برصغیر کے شعراء کا منتخب کلام

ڈاکٹر سید تقی عابدی

۲۰۲۰ء

نام کتاب : برج شرف

مصنف و مؤلف : ڈاکٹر سید تقی عابدی

ناشر : سید محمد علی انجم رضوی

: اظہار سنز ۱۹۔اُردو بازار، لاہور

: موبائل نمبر: ۰۳۰۰_۴۱۰۶۳۵۷

: ای میل: izharsons_2004@hotmail.com

طابع : سید اظہار الحسن رضوی

مطبع : اظہار سنز پرنٹرز۔لاہور

قانونی مشیر : ذیشان احمد ملک (ایڈووکیٹ) ۰۳۳۳_۹۵۳۳۳۹۶

قیمت : -/۱۲۰۰ روپے

BURJ-E-SHARF

By : Dr. Syed Taqi Abedi

ملنے کا پتہ

مقدمہ

جب شہنشاہِ صفوی کے دربار کے ملک الشعرا ملا محتشم کاشی نے شہنشاہ اوران کی ملکہ نور کی مدح میں دو قصیدے پیش کیے تو انصاف پسند شہنشاہ نے دونوں قصیدے یہ کہہ کر واپس کردیے کہ محتشم تم نے ہم پر زیادتی کی ہے ہم اس تعریف اور تمجید کے قابل نہیں، ہاں تم اگر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مدح و ثنا کروگے اور اس میں جتنے بھی الفاظ سجاؤگے وہ ان کے مقام و مرتبت کو پہنچ نہ پائیں گے اور مزید تمھیں دنیا اور عقبیٰ میں نوازا جائے گا چناں چہ انھوں نے حضرت علیؑ کی شان میں جو مدحت کے اشعار لکھے آج چار صدیاں گزرنے کے بعد بھی شاہکار مانے جاتے ہیں۔ شاید اسی لیے نجم آفندی اور ان سے فیض یاب ہونے والے ممتاز شاعر صباؔ اکبرآبادی نے سچ کہا ہے۔

شاعر ہوں جن کا نجم وہ ہیں وجہِ کائنات
ممکن ہے تا ابد مرا نام و نشاں رہے
ہم عاشقانِ آلِ محمدؐ ہیں اے صباؔ
باقی رہیں گے نام ہمارے فنا کے بعد

فردوسیؔ شاہنامہ میں کہتا ہے میں نے اپنے موئے قلم سے رستم کو رستم داستاں بنایا ورنہ وہ توستان کے علاقے کا ایک نیم وحشی شخص تھا اس کے برخلاف میر انیس کو جنھیں محمدؐ آلِ محمدؐ جیسی برگزیدہ ہستیوں کی سیرت نگاری کی مرقع کشی کرنی پڑی اس میں اپنی عاجز بیانی کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہِ شاہاں
حسانؔ و فرزدقؔ ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائلؔ و سحباںؔ
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہاں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

آج کے مصروف گلوبل ولیج میں سوشیل میڈیا نے بچّے سے بڈھے اور عامی سے عالم تک کو اپنے نظارے میں محصور کرلیا ہے، انگلی کی جنبش اور نظر کی حرکت سے چند لمحوں میں بڑی حد تک وہ سب مل جاتا ہے جس کے لیے پہلے کافی جدوجہد کرنی پڑتی تھی چناں چہ ہر گھڑی جدید ٹکنالوجی کے صفحے پر اشعار نمودار ہوتے رہتے ہیں جن میں ایک اچھی تعداد اُن شعروں کی بھی ہے جو انسانی اسلامی اور عقیدتی قدروں کے حامل ہوتے ہیں ہمیں احساس تھا کہ ان موضوعات پر عمدہ اشعار موجود ہیں لیکن حُسنِ یوسف کی طرح کتابوں میں بند پڑے ہیں ہماری یہ کوشش حُسنِ یوسف کو اُردو دنیا کے تمام بازاروں میں متعارف کرنے کی لگن سمجھی جائے۔

مشاعروں، محفلوں، مجلسوں، عروسوں، میلوں اور جلوسوں میں شاہکار معجز بیاں شعر سینوں کو گرما کر قبروں میں دفن اور فضاؤں میں بکھر جاتے ہیں لیکن جب یہ انمول موتی سلکِ تحریر میں پروئے جاتے ہیں تو ہمیشہ کے لیے سخن کے گلو بند بن کر چمکتے رہتے ہیں اسی لیے ہم نے سچّے موتیوں کی طرح چھوٹے بڑے سب کو بغیر کسی امتیاز اور تقسیم بندی کے محبت کے رشتے میں جوڑ دیا ہے۔

اس انتخاب میں تقریباً تین ہزار اشعار شامل ہیں جو کئی سو شاعروں کا نمونہ کلام ہے اور چھ سات صدی کے محیط پر بکھرا ہوا ہے لیکن تمام شاعروں کا تعلق صرف برصغیر سے ہے جن میں برصغیر کے فارسی شاعر بھی نظر آتے ہیں۔ یہاں بعض شاعروں کے درجنوں اور

بعض کے ایک دو شعر اس لیے بھی پیش کیے گئے ہیں کہ ایک ہی مجموعے میں ہم ایسے اشعار کا انتخاب کر رہے ہیں جو آج کے دور کی ضرورت اور معنویت کا حاصل ہو، چناں چہ بلا تفریقِ مذہب و ملت اشعار کی جمع آوری کی گئی ہے۔

اس انتخاب کے لیے ہم نے اپنی پسندیدہ اشعار کی بیاضوں سے بھی استفادہ کیا ہے، یہ سچ ہے پردیس میں دیس کی سہولتیں کہاں شاید اس انتخاب کے بعد ہمیں دوسرے مجموعے کے مواد کی فراہمی میں آسانیاں میسّر ہوں۔ ہم نے صدہا اشعار نعت اور دیگر اہلِ بیتؑ کی منقبتوں کے الگ کردیے ہیں جو اس انتخاب کے فوری بعد دیگر عناوین کے ساتھ شائع ہوں گے۔ علامہ اقبال اور پنجتنؑ پاک، اقبال اور عشقِ رسولؐ کے علاوہ مرثیوں میں نعت کے اشعار جو مقدار میں بہت زیادہ ہیں ساقیانِ کربلا اور نجف کے ساغروں میں بھرے نہیں گئے۔ اِس انتخاب میں کوئی خاص تقسیم بندی اس لیے بھی نہیں کی گئی کہ اولاً ان قدروں کو خانوں میں پوری طرح سے جدا جدا نہیں رکھا جاسکتا، دوسرے ہمارا منشایہ بھی ہے کہ اس گلشن کی پوری سیر اس جذبے سے کی جائے کہ خوب سے خوب تر کہاں ہے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے دلوں کو جوڑنے اور وصل کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں۔ چناں چہ اس میں کوئی بھی شعر ایسا نہیں جو نفرت اور تفرقہ کا سامان مہیا کرے۔ اس انتخاب میں صحت کے ساتھ شعر کو شاعر کے نام سے جوڑا گیا اور جہاں شک تھا مزید تحقیق کے لیے آیندہ پر چھوڑ دیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس جمع آوری میں شعر کے نقل کرنے میں اغلاط رہ گئی ہوں، کتابت کے علاوہ شاعر کے نام میں بھی اشتباہ کی گنجائش ہے۔ شاید بعض شاہکار اشعار اس میں شامل ہونے سے رہ گئے ہوں، ہماری گزارش ہے کہ ان نکات سے ہمیں مطلع کریں تاکہ ہم ان تمام مسایل کو قارئینِ محترم کی ہدایات کی روشنی میں حل کرسکیں۔

برصغیر کی تہذیب جس میں علمی، ادبی، مذہبی اور عقیدتی قدریں شامل ہیں شاعری کی فضا میں نمو پاتی ہیں۔ اسی لیے یہاں کثرت سے محافل اور مجالس منعقد ہوتے ہیں جس سے عوام اور خواص مستفید ہوتے ہیں۔ جہاں تک برصغیر کی منقبتی محافل اور عزاداری کا

تعلق ہے اُس کا اساسی اور احساسی پہلو شعر و شاعری ہی ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی ترویج اور تشہیر کے لیے شعری خزینوں کے منہ کھولے جائیں۔ نعت، مرثیہ، منقبت اور سلام وغیرہ فکر مطمئینہ اور ادب عالیہ کا جزو لازم ہیں، یہی اصناف سماجی اور ثقافتی طور پر آج کے پر آشوب دور کے درد کا درمان بھی ہیں جو دریائے خیر بن کر اُردو کی آبیاری کر رہی ہیں۔ یہی وقت ہے کہ ہم اپنی بنجر زمینوں کو سیراب کرلیں۔ یہ مجموعۂ انتخاب اسی فکر کا نتیجہ ہے کہ اگر اس ثرین دریا کا پورا پانی سینچا نہ جاسکے تو کم از کم اپنے ساغر میں اتنا تو کھینچا جائے کہ پیاس کسی حد تک بجھ سکے۔ آخیر میں یہی کہوں گا کہ اس نیک شگون کے لیے میں تہہ دل سے جناب ڈاکٹر حیدر رضا ضابطہ اور ولایت فاؤنڈیشن کے سرپرست کا مشکور ہوں کہ ان کی کوششوں کی وجہ سے اس سنگ گراں کو یک و تنہا اُٹھا کر محراب عشق میں سجا سکا۔

بندۂ شاہِ نجف
سیّد تقی عابدی
(ٹورنٹو)

رو میں ہے رخشِ عمر

نام : سید تقی حسن عابدی

ادبی نام : تقی عابدی

تخلص : تقی

والد کا نام : سید سبط نبی عابدی (مرحوم)

والدہ کا نام : سنجیدہ بیگم (مرحومہ)

تاریخ پیدائش : یکم مارچ 1952ء

مقام پیدائش : دہلی [انڈیا]

تعلیم : ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ـــــ ایم ایس (برطانیہ)

: ایف سی اے پی (امریکہ) ـــــ ایف آر سی پی (کنیڈا)

پیشہ : طبابت

ذوق : شاعری، ادبی تحقیق و تنقید

شریکِ حیات : گیتی

اولاد : دو بیٹیاں (معصوما اور روما)

دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

تصانیف : (62)شہید (1982)، جوشِ مودّت، گلشنِ رویا، اقبالؔ کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاءؔ رموزِ شاعری، اظہارِ حق، مجتہدِ نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر، سلکِ سلام دبیرؔ، تجزیہ یادگارِ انیسؔ، ابواب المصائب، ذکر دُرباران، عروسِ سخن، مصحف فارسی دبیرؔ، مثنویاتِ دبیرؔ، کائناتِ نجمؔ، روپ کنوار کماری، دُربارِ رسالت عکّرِ مطمئنہ، خوشۂ انجم، دُرِ دریائے نجف، تاثیر ماتم، نجمی مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تغزل، حوانجم، تعشقؔ لکھنوی، ادبی معجزہ، غالبؔ دیوان نعت و منقبت، چوں مرگ آید، رباعیاتِ دبیرؔ، سیدِ سخن، دیوانِ غالبؔ فارسی، فیضؔ فہمی، مطالعہ دبیر کی روایت، اردو کی دو شاہکار نظمیں، رباعیاتِ رشید لکھنوی، رباعیاتِ انیسؔ، فیضؔ شناسی، حالیؔ فہمی، مسدس حالیؔ، کلیاتِ حالیؔ، بچوں کے حالیؔ، کلام و سلام انیسؔ، کلیاتِ سعید شہیدیؔ، تروینی، ۔

زیرِ تالیف : رباعیاتِ حالیؔ، حالیؔ کی نعتیہ شاعری، حالیؔ کی نظمیں، قطعات حالیؔ، حالیؔ کے قصیدے اور حالیؔ کے شخصی مرثیے، تجزیہ شکوہ جواب شکوہ، فانیؔ لافانی، تجزیہ رباعیاتِ فراقؔ گورکھپوری، اقبالؔ کے چار مصرے، رباعیات بیدلؔ، باقیاتِ فیضؔ

حضرت علیؑ کی شہادت کی چودہ سو سالہ یادگار کے موقع پر ہم یہاں چند اشعار تبرک کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ جو برصغیر کے سلاطین، صوفیا، علما کے علاوہ مسلم اور غیر مسلم شعرا نے فارسی اور اُردو میں لکھے ہیں۔ ابن ملجم ملعون کی زہر میں بجھی تلوار سے مولا علیؑ ۱۹ رمضان کو فجر کی نماز ادا کرتے ہوئے سجدے میں زخمی ہوئے اور ۲۱ رمضان چالیس ہجری میں وفات فرما گئے۔

بُرید ابنِ ملجم چوں فرقِ علیؑ
عیاں گشت تاریخِ فوتِ علیؑ

علیؑ کا عین یعنی سر کاٹنے سے جو ل ی بچ جاتے ہیں اُس سے (ل ی)
40=10+30 چالیس ہجری تاریخ نکلتی ہے۔

برصغیر میں منقبتی اشعار سب سے زیادہ شعر حضرت علیؑ کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان مقدس ہستیوں کی تعریف وثنا محدود الفاظ میں نہیں کی جا سکتی اس کے لیے عرفان، عقیدہ، الفت اور حوصلہ چاہیے۔ مرحوم سعید شہیدی کہتے ہیں۔

مدح کرنے چلا ہے علیؑ کی حوصلہ دیکھیے آدمی کا

سعیدؔ شہیدی کے والد مرحوم شہیدؔ یار جنگ جو میر انیسؔ کے نواسے پیارے صاحب رشیدؔ کے شاگرد تھے کہتے ہیں۔

الہام ہو اگر تو علیؑ کی ثنا کروں
یہ سخت مرحلہ ہے الٰہی میں کیا کروں

شہنشاہ بابر کے بیٹا شہنشاہ ہمایوں نے کہا تھا۔

مائیم زجاں بندۂ اولادِ علیؑ
ہستیم ہمیشہ شاد بیادِ علیؑ
چوں سرِ ولایت زعلیؑ ظاہر شد
کردیم ہمیشہ وردِ خود ناد علیؑ

(یعنی ہم اپنی جان سے علیؑ کی اولاد کے غلام ہیں اور علیؑ کی یاد میں ہمیشہ مگن رہتے ہیں کیونکہ ولایت کا سلسلہ حضرت علیؑ سے جڑا ہے اس لیے ہم نے ہمیشہ نادِ علی کا وظیفہ کیا ہے۔)

محمد قلی قطب شاہ (اُردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر)

دنیا و دیں کا حق سنگار یا علیؑ توں
سب اولیا کے من کا اسرار یا علیؑ توں

سلطان عبداللہ قطب شاہ : نبیؐ صدقے اے عبداللہ دم علیؑ کا
مرے دم سوں ہمدم ہو رہیا ہے سارا

شاہ عالم ثانی : مشکل کشائے خلق ترا نام پاک ہے
تو نے کیا ہے قلعۂ خیبر کا باب فتح
میں بندہ خاکی تجھ سے یہ کرتا ہوں التماس
کر میرے مشکلات کو یا بوترابؑ فتح

آصف جاہ اوّل : علیؑ کے حکم سے پھرتے ہیں دن رات
ستارے چرخ مہر و ماہ واللہ
علیؑ سے پاتے ہیں نورِ ہدایت
ہر اک بے دیں ہر اک گمراہ واللہ

شاہ ظفرؔ : زورِ بازوئے مصطفیٰؐ ہے علیؑ
صفدرِ عرصۂ وفا ہے علیؑ
میری کشتی کا ناخدا ہے علیؑ
میرا ہادی و رہنما ہے علیؑ

واجد علی شاہ : سزاوار تاجِ نبیؐ ہے علیؑ
علیؑ ہے علیؑ ہے علیؑ ہے علیؑ
وہ ہے وارثِ علمِ خیر البشرؐ
وہ ہے بادشاہِ قضا و قدر

محبوب علی پاشا : علیؑ نبیؐ سے نبیؐ ہیں علیؑ سے یہ حق ہے
ہم اس حدیث کو اُم الکتاب سمجھے ہیں
جہاں میں کہتے ہیں اکسیر جس کو اے آصفؔ
ہم اس کو خاکِ درِ بوترابؑ سمجھے ہیں

میر عثمان علی خان : علیؑ کی معنوی پیغمبری سمجھا تو میں سمجھا
وفورِ عشق کی وارفتگی سمجھا تو میں سمجھا
مٹا کر آپ کو عثمانؔ یہی کہتا ہے ہر اک سے
کوئی بابِ نجف کی بندگی سمجھا تو میں سمجھا

امیر خسروؔ : شہرِ دل آباد شد از رحمتِ پروردگار
کاندریں شہری است حیدرؑ برگزیدہ شہریار

(یعنی اللہ کی رحمت سے میرا دل آباد ہوا اور اس دل کے شہر کا شہریار حیدرؑ ہے)

فیضی : بر گردنِ ما طوقِ وبالِ ابدی باد

گر سلسلۂ شیرِ خدا را نشاسیم

فیضی نشود خاتمۂ ما بہ ہدایت

تا ختم امامانِ ہدیٰ را نشاسیم

(یعنی ہماری گردن میں بدبختی کا طوق ہمیشہ پڑا رہے اگر ہم حضرت علیؑ کے سلسلے کو نہ پہچانیں، فیضی ہدایت مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ آخری امام ہدیٰ کو پہچانیں)۔

نظام الدین اولیاء : امامِ حق کسی باشد کہ باشد ہمسرِ احمدؐ

چنیں رفعت کہ می بینی بجز حیدرؑ کجا باشد

(یعنی امام حق وہ ہوگا جو شریک محمدؐ ہے اور ایسی ترقی اور سعادت کسی کو بجز حیدرؑ میسّر نہیں)

خواجہ بندہ نواز : اے حیدرؑ شہسوار وقتِ مدداست

وائے صاحبِ ذوالفقار وقتِ مدداست

کاری عجب فتادہ مشکل مارا

اے والدِ ہفت و چار وقتِ مدداست

شاہ باز قلندر : حیدریم قلندرم مستم

بندۂ مرتضیٰ علیؑ ہستم

غواصی : بحقِ نبیؐ و بحقِ علیؑ

ہمیشہ مجھے خوش رکھو یا علیؑ

ولیؔ : ہے دستگیر مجھے یاعلیؑ ولی اللہ

ہے فقر فخر مجھے، مجھ کو فقر سوں نہیں ننگ

بختیارؔ کاکی : چوں روزِ حشر ہر کس امامی طلب کند

مارا بجز علیؑ ولی نیست مقتدا

(قیامت کے روز ہر شخص اپنا امام ڈھونڈے گا ہمارا امام سوائے علیؑ ولی کے کوئی دوسرا نہیں)

خواجہؔ اجمیری : بہ گرداب بلا افتادہ ام یا مصطفیؐ دستی

بہ بحرِ عالم گرفتارم علیؑ مرتضیؑ دستی

زاحوالِ شب معراج دانستم ید اللہی

چرا دستم نہ گیری یاعلیؑ بہر خدا دستی

(یعنی میں بلاؤں میں گھرا ہوں یا مصطفیؐ ہاتھ دیجیے، میں مشکلات کے سمندر میں گرا ہوں علیؑ مرتضیؑ ہاتھ دیجیے معراج کے حال سے جانتا ہوں اے یداللہ میرا ہاتھ کیوں نہیں پکڑتے اللہ کے واسطے سے)

سراجؔ اورنگ آبادی : ہوں سخت بے کسی میں گرفتار یاعلیؑ

تیرے بغیر کون ہے اب یار یاعلیؑ

میر تقی میرؔ : عقل ہے تو مرا کہا کر تو

محوِ یادِ علیؑ رہا کر تو

ایک طرح سے یوں بھی رہا کر تو

اشک رخسار پر بہا کر تو

یاعلیؑ یاعلیؑ کہا کر تو

سوداؔ : جن کا مولاؔ ہے علیؑ باغِ جہاں میں سوداؔ
وہ نہیں دل میں کسی طرح کا غم رکھتے ہیں

مصحفیؔ : اللہ رے تیری شان کہ بایں ہمہ شوکت
پیدا نہ کیا پھر بھی قدرت نے علیؑ سا

انشاؔ : محشر کی تشنگی سے کیا خوف سید انشاؔ
کوثر کا جام دے گا تجھ کو امامؑ تیرا

ناسخؔ : علیؑ تھا عالمِ علمِ لدنی
علیؑ تھا کاشفِ سرِ سلونی
محمدؐ شہرِ علمِ کبریا تھا
تو اس کا در علیؑ بے ریا تھا

نظیرؔ اکبرآبادی : علیؑ کو مصطفیٰؐ نے جی کہا ہے
علیؑ کو جسمک جسمی کہا ہے
علیؑ کو لحمک لحمی کہا ہے
علیؑ کو روحک روحی کہا ہے

انیسؔ : دنیا سے اٹھالے کے میں نامِ حیدرؑ
جنت کو چلا بہرِ سلامِ حیدرؑ

عصیاں ہوئے سدِ راہ تو رضواں نے کہا
آنے دو اسے ہے یہ غلامِ حیدرؓ

دبیرؔ : محروم کسی کو نہ سخی نے رکھا
نے مال نہ زر حق کے ولیؓ نے رکھا
کیا زہد ہے کیا فیض کہ رغبت سے کبھی
روزے کے سوا کچھ نہ علیؓ نے رکھا

داغؔ دہلوی : داغ کیا خوف صرصرِ عصیاں
خاک پائے ابوترابؓ ہوں میں

غالبؔ : غالبؔ نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللہ الہیم و ہم اسد اللہیم

اقبالؔ : ہمیشہ وردِ زباں ہے علیؓ کا نام اقبالؔ
کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے

اقبالؔ : مرتضیٰؓ کز تیغ او حق روشن است
بوترابؓ از فتحِ اقلیم تن است

(علیؓ کو مرتضیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی تلوار سے حق روشن ہوا اور انھیں بوترابؓ اس لیے کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے بدن پر فتح حاصل کرلی تھی یعنی نفسِ امارہ کو ختم کردیا تھا)

حضرت علیؓ کے نام کے حروف سے کئی شاعروں نے نئے نئے مضمون تراشے ہیں۔

ع سے عین عبادت کا سر انجام ہوا
ل وہ لام کہ جس لام پر اسلام ہوا
ی سے یاور ہوئے مشکل میں ہر اک بندہ کی
صدقے اس نام کے کیا خوب علیؑ نام ہوا

حیدر علی آتش : آتش غلامِ ساقیٔ کوثر ہوں چاہیے
فردوس کا کھلا ہوا دروازہ پاؤں میں

نجم آفندی : میں تولا سے عبادت کا بھرم رکھتا ہوں
دردِ دل سوزِ جگر دیدۂ نم رکھتا ہوں
دل کی قوت کے لیے ذکرِ خدا سے پہلے
یاعلیؑ کہہ کے مصلے پہ قدم رکھتا ہوں

سعید شہیدی : فرشتوں کیسا سوال و جواب تربت میں
اب آگئے ہو تو بیٹھو علیؑ کی بات کرو

کامل شطاری : حُبِّ علی نتیجہ ہے حسنِ آگہی کا
مولاؑ پہ جان دینا مقصد ہے زندگی کا

حضرت علیؑ کی مدحت میں غیر مسلم شعرا نے جو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے اُس کے لیے کئی مجموعے ضروری ہیں ہم یہاں صرف چند شاعروں کا کلام پیش کریں گے۔

دلورام کوثری : نبیؐ خم کو جھکاتے ہیں علیؑ ساغر کو بھرتے ہیں
ہمارے واسطے کس شان سے پیمانہ آتا ہے

راجہ بلوان سنگھ : جبرئیلؑ کا اللہ نے استاد کیا
اور احمدؐ مختار کا داماد کیا
جب ان کو وصی کیا تو اللہ نے خود
اکملت لکم دینکم ارشاد کیا

روپ کماری : وہ پلا جس کو محمدؐ سے پیمبرؐ نے پیا
وہ پلا دے جسے خود ساقیِ کوثر نے پیا
وہی بادہ جسے شبیرؑ و شبرؑ نے پیا
وہ پلا دے جسے سلماں و ابازر نے پیا
جس کو محبوب شہِؐ جن و بشر رکھتے تھے
جس پہ جبریل بھی للچائی نظر رکھتے تھے

ماتھر لکھنوی : علیؑ کا روضہ اگر دیکھتے ہیں ہم ماتھرؔ
ہمارے ہاتھ بھی اٹھ جاتے ہیں دعا کے لیے

ورما لکھنوی : زباں پر کلمۂ توحید دل میں بغضِ حیدرؑ ہے
بقول احمدؐ مرسل منافق کا نشاں یہ ہے

مخمور لکھنوی : وفا کی راہ چلتے ہیں وفا کی روشنی والے
کلامِ حق بھی پڑھ لیتے ہیں آیاتِ جلی والے
مسلماں تو نہیں ہیں ہم، مگر اتنا سمجھتے ہیں
درِ جنّت سے واپس آ نہیں سکتے علیؑ والے

دھرمیندر ناتھ : میں ہوں ایک بندۂ احقر مگر یہ ناز ہے مجھ کو
عقیدت ہے محمدؐ سے علیؑ سے آلِ حیدرؑ سے
مری فکر و نظر کو مل رہی ہے روشنی پیہم
مدینے سے نجف سے کربلا کی خاکِ اطہر سے

اوج یعقوبی : کیا ایک رات کو شبِ ضربت کا دیجے نام
مولاؑ کا قتل ہوتا رہا زندگی تمام
حیدرؑ کے دشمنوں میں ہوس کے اسیر تھے
جاہل نہیں تھے لکھے پڑھے بے ضمیر تھے

شاداں دہلوی : کبھی علیؑ کے فضایل سے انحراف نہ کر
یہ انحراف شعورِ بشر کی ذلت ہے

سعید شہیدی : جہادِ زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا
زباں پر بے تکلف یا علیؑ تیرا ہی نام آیا

مہدی علی شہیدؔ : پروانۂ جمالِ نبیؐ مرتضٰی علیؑ
آئینۂ جلالِ نبیؐ مرتضٰی علیؑ
اس کی رضا، رضائے محمدؐ کا نام ہے
اس کی ولا، ولائے محمدؐ کا نام ہے

قمر جلالوی : مرتضٰی کو خانہ زادِ ربِّ اکبر دیکھ کر
بیاہ دی بیٹی پیمبرؐ نے بڑا گھر دیکھ کر

جوش ملیح آبادی : لے وہ نجف کی سمت سے آنے لگی صدا
اے جوشؔ نکتہ سنج مری انجمن میں آ
آ اور جھوم جھوم کے نغماتِ نو سنا
ساقی مرا سلامِ ادب لے کہ میں چلا
مولائے کائناتؑ اور آواز دے مجھے
اے جبریلؑ قوت پرواز دے مجھے

اطہر حسنین (تضمین غالبؔ کے شعر پر)

دیوار کعبہ پر جو نمایاں ہے یاعلیؑ
گویا ترے ظہور کا اعلاں ہے یاعلیؑ
''خوانا نہیں ہے خطِ رقم اضطرار کا
یہ کس پیامِ شوق کا عنواں ہے یاعلیؑ''

شاہ خاموش : شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لافتیٰ اِلا علیؑ لاسیف اِلا ذوالفقار

نعمت اللہ ولی : لافتیٰ اِلا علیؑ لاسیف اِلا ذوالفقار
این سخن را از سرِ صدق و صفا باید زدن

شاہ خاموش : ہر بلای پیش آید این بخوان ہفتاد بار
لافتیٰ اِلا علیؑ لاسیف اِلا ذوالفقار

مائی جائسی : لافتیٰ اِلا علیؑ لاسیف اِلا ذوالفقار
قدسیانِ عرش کے وردِ زباں ہونے کو ہے

مائی جائسی : لافتیٰ اِلا علیؑ لاسیف اِلا ذوالفقار
اس صدا سے عرصۂ جنگاہ کب گونجا نہیں

بزم آفندی : زبانِ تیغ سے کیوں نہ کٹیں عدوائے بزمؔ
کہ ہم ثنائے شہِؑ ذوالفقار کرتے ہیں

شاہ باز قلندرؒ : اے شہسوار لافتیٰ وی تاجدار ہل اتی
فرماں روائے قل کفا شاہنشہِ عزّ وعلا

غالبؒ : برشِ تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا
قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

روپ کنوار : ہے لقب تراشۂ لافتیٰ تو ہے زورِ بازوے مصطفیٰؐ
تو ولی و سرور اتقیا تو ہے وصیِ احمد مجتبیٰؐ

شہیدؒ : ع = میدان جنگ میں یہ شہِ لافتیٰ بھی ہے
ع = خیبر شکن یہی ہے شہِ لافتیٰ یہی

شہیدؒ هزاروں کے گلے کاٹے علیؑ کی تیغ نے لیکن
ابھی بچّے کی تربت کھودنے کا کام باقی ہے

شہیدؒ : الہام ہو اگر تو علیؑ کی ثنا کروں
یہ سخت مرحلہ ہے الٰہی میں کیا کروں
یہ فخرِ انبیا و رسلؑ ہے امامؑ ہے
بعد از کلامِ پاک اسی کا کلام ہے
تطہیر میں شریک ہے شاہد ہے انّما
نازل ہوئی ہے اس کی سخاوت میں ہل اتی

شہید : اس کی ولا نہیں ہے تو مٹی خراب ہے
قولِ رسولؐ پاک سے یہ بوترابؑ ہے

شہید : بے فایدہ ہیں زحمتیں اس کے بجھانے میں
نورِ علیؑ چمکتا رہے گا زمانے میں

شہید : مری زباں پہ علیؑ ہی علیؑ کا نعرہ ہے
اب اس کے بعد لحد میں سوال کیا ہوگا

شہید : دوشِ احمدؐ پر علیؑ قرآن پر قرآن ہے
اس سے آگے بڑھ کے اب موقع نہیں تفسیر کا

شہید : علیؑ کا ماننا واجب علیؑ کا جاننا مشکل
یہی مطلب حدیثوں میں یہی مضمون قرآں میں

شہید : بسترِ ختمِ رسالتؐ دے رہا ہے یہ صدا
جو کبھی سویا نہ ہو وہ سونے والا چاہیے

شہید : ہے کھلی بات کوئی راز نہیں
بے ولائے علیؑ نماز نہیں

شہیدؔ : علیؑ کا سر ہوا زخمی کٹا سر ابنِ زہراؑ کا
وہ آغازِ عبادت میں یہ انجامِ عبادت میں

باسطؔ : علیؑ اور نمک کے عدد ہیں برابر
بغیرِ علیؑ دینِ احمدؐ ہے پھیکا

شہیدؔ : مہر ہے فاطمہؑ زہرا کا نمک اور پانی
جتنے دنیا میں ہیں، ہیں ان کے نمک خواروں میں

شہیدؔ : ہے وقتِ نزع نہ تشریف لائیں گے کیوں کر
علیؑ نے وعدہ کیا ہے نہ آئیں گے کیوں کر

شہیدؔ : یا علیؑ منتظر ہوں مدت سے
خواب میں بھی نظر نہیں آتے

شہیدؔ : علیؑ خواب میں میرے آئے ہوئے تھے
میں سویا ہوا سو ہوں بیدار ہو کے

شہیدؔ : ہو جاتی ہے زیارتِ شبیرؑ اے شہیدؔ
اٹھ جاتا ہے نگاہوں سے پردا کبھی کبھی

شہیدؔ : آتے ہیں میرے خواب میں مولاؑ کبھی کبھی
میں دیکھتا ہوں طور کا جلوہ کبھی کبھی

شہیدؔ : فرشتے میرا بنالیں گے کیا لحد میں شہیدؔ
نہ دوں گا گر انھیں کوئی جواب کیا ہوگا

شہیدؔ : ابوترابؑ کے دشمن کا دشمنِ جاں ہو
میں اس کو خاک میں اک دن ملا کے چھوڑوں گا

شہیدؔ : میں جو بے ہوش کبھی ہوتا ہوں شہؑ کے غم میں
اپنے دامن سے علیؑ مجھ کو ہوا دیتے ہیں

شہیدؔ : زبانِ تیغ سے دن رات کام لیتا ہوں
علیؑ کے دشمنوں سے انتقام لیتا ہوں

شہیدؔ : پڑھ رہا ہوں مرثیہ میں، روتے ہیں منکر نکیر
کیا سوال اب وہ کریں ہے حشر برپا قبر میں

شہیدؔ : برابر شعر میرے قلب کا آئینہ ہوتا ہے
مرے ہر شعر پر ابنِ علیؑ خود صاد کرتے ہیں

شہیدؔ : یا بوترابؑ قبر میں تشریف لائیے
کب تک پھنسا رہوں میں سوال و جواب میں

شہیدؔ : میں علیؑ کا مدح خواں ہوں ذاکرِ شبیرؑ بھی
ہاں میرے اشعار میں ہے زور بھی تاثیر بھی

شہیدؔ : نصیری ہوں نہ غالی ہوں علیؑ کا ہوں میں دیوانہ
خدا کیوں کر کہوں میں جانتا کیا ہوں خدا کیا ہے

کشن پرشادؔ : اسلام کے بدن کی رگِ جاں ہے بوترابؑ
فکر و نظر کے ملک کا سلطاں ہے بوترابؑ

انیسؔ : ایمانِ دشمنانِ علیؑ ناقبول ہے
روزے ہوں یا نماز ہو یہ سب فضول ہے

مومنؔ : زمانہ مہدیؑ موعود گر پائے مومنؔ
تو سب سے پہلے کہیو سلام حضرتؑ کو

نامعلوم : نہ سجدۂ درِ جاناں سے سر اٹھاؤں گا
یہ وہ نماز ہے جس کا کوئی سلام نہیں

حسن رضا بریلوی : اہلِ بیتِ پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنت اللہ علیکم دشمنانِ اہلِ بیتؑ

مشکور حسین یادؔ : جو دل میں حُبِ محمدؐ کا یارہ رکھتے ہیں
وہی علیؑ سے تعلق زیادہ رکھتے ہیں

ماہر لکھنوی : کونین دیئے عقدہ کشائی دے دی
اپنی ہی طرح جلوہ نمائی دے دی
لوگوں نے خلافت سے پس و پیش کیا
معبود نے حیدرؑ کو خدائی دے دی

قطب الدین بختیار کاکی: آن شاہِ بوترابؑ اسد اللہ بوالحسنؑ
عالی علیؑ ولی خداوند کبریا

بختیار کاکی : شاہِ مرداں شہؑ علیؑ صفدر
ہمدم و ہمزبانِ پیغمبرؐ
مصطفیٰؐ شہرِ علم لم یزلی است
در آن شہر را کلید علیؑ است
دست او دستِ قدرتِ حق بود
درِ خیبر ازاں سبب بکشود

ہر سرِ مو اگر زباں سازم
نتواں وصفِ او بیاں سازم

مہادیو پرساد عاصیؔ: چھپا ہی نہیں کوئی بشر میری نظر میں
سودا ہے نصیری کے خدا کا مرے سر میں
دامن پہ ترے اشکوں کے دھبے نہیں عاصیؔ
تحریر ہے رحمت کی چھپی دامنِ تر میں

راجہ بلوان سنگھ : زمانہ برسرِ جنگ است یا علیؑ مددی
کمک بغیر تو تنگ است یا علیؑ مددی

راجہ بلوان سنگھ : ہے رسولؐ و علیؑ و حسنؑ حسینؑ و بتولؑ
صلے میں نظم کے سرکار سے ہو خلد حصول
چشیدہ ام ز ازل شربت ولائے حسینؑ
نوشتہ است بلوحِ دلم ثنائے حسینؑ
بس است حبّ حسینؑ و حسنؑ بسینہ من
ہمیں زمرّد و لعل است در خزینۂ من

شاداںؔ دہلوی : یہی اساسِ شریعت یہی حقیقتِ دیں
کہ داستاں ہے یقیں زیبِ داستاں ہیں علیؑ
ہمیں مصائبِ دوراں سے کیا غرض شاداںؔ
سکونِ دل ہیں محمدؐ قرارِ جاں ہیں علیؑ

شاداںؔ دہلوی : حیاتِ خضر و مسیحا ملے تو کچھ کہیے
علیؑ کی مدح کو کافی نہیں یہ عمرِ قلیل
زبورِ آلِ محمدؐ صحیفۂ سجادؑ
متاعِ نہجِ بلاغت شعور کی انجیل
مگر جو نادِ علیؑ ہے ولا کا قرآں ہے
وہ اس کی شانِ نزول اور شوکتِ تنزیل

شاداںؔ دہلوی : علیؑ کی دسترس میں ہیں طنابیں بزمِ امکاں کی
نہ جانے کون سی منزل ہے یہ توفیقِ انساں کی
علیؑ اک معجزہ ہیں اب بھی سیلابِ فضائل کا
ہر آئینہ شہادت دے رہا ہے چشمِ حیراں کی
ہمیں کیا اس سے مطلب کون کب ایمان لایا ہے
علیؑ ہیں کلِّ ایماں بس یہی ہے بات ایماں کی

شاداںؔ دہلوی : اسی اعجاز پر تو سرنگوں ہے چرخِ مینائی
کہ اک مولا کا بندہ اور سب بندوں کا مولائی

شاداںؔ دہلوی : وہ فصلِ حُبِّ علیؑ جو لگائی میثم نے
ہم اہلِ شوق اسی کا لگان دیتے ہیں

شاداںؔ دہلوی : علیؑ کو یہ نہ کہو اور علیؑ کو وہ نہ کہو
کب ایسی باتوں پہ ہم لوگ دھیان دیتے ہیں

شاداںؔ دہلوی : گھر ہوا میداں ہوا مسجد ہوئی منبر ہوا
کون اے جانِ ابوطالبؑ ترا ہمسر ہوا

شہیدؔ : دل سے ہے دل کو راہ کسی کا نہیں ہے دخل
کوئی علیؑ کے اور مرے درمیاں نہیں

شہیدؔ : آیا ہوں بزمِ دہر میں کس آن بان سے
عشقِ علیؑ کو زیست کا عنوان کئے ہوئے

شہیدؔ : دیکھو فرشتو مستِ ولائے علیؑ ہیں یہ
ان کو نہ چھیڑنا کبھی یہ ہیں پیے ہوئے

شہیدؔ : علیؑ کا عشق بھی ہے اور غمِ حسینؑ بھی ہے
خدا کے فضل سے ہم دل میں کیا نہیں رکھتے

شہیدؔ : غیراز علیؑ ہر ایک کو دنیا کی فکر تھی
تھا کون جو اُٹھاتا جنازہ رسولؐ کا

شہیدؔ : کبھی فرشِ رسالتؐ پر کبھی دوشِ محمدؐ پر
وصی ایسا کہیں دیکھا نہ ایسا جانشیں دیکھا

شہیدؔ : خود مٹ گئے مٹانے کا جن کو خیال تھا
نامِ علیؑ جہاں سے مٹایا نہ جائے گا
سمجھو علیؑ کے نام کے معنی مقرر وں
رتبہ علیؑ کا تم سے گھٹایا نہ جائے گا

شہیدؔ : عالم کی عبادت کا سر جھک گیا سجدے میں
اللہ رے گراں قدری مولاؑ تری ضربت کی

شہیدؔ : بے حُبِ علیؑ کچھ اُسے حاصل نہیں ہوتا
ایمان کسی شخص کا کامل نہیں ہوتا
جس دل میں محبت ہی نہیں آلِ نبیؐ کی
وہ شخص کبھی کاملِ ایماں نہیں ہوتا

شہیدؔ : نامِ علیؑ سبب ہے قیام و صلوٰۃ کا
یہ کون کہہ رہا ہے یہ جزو اذاں بھی ہے

غالبؔ : بزم ترا شمع و گل خستگیٔ بوترابؑ
ساز ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

بابو جنسی پرشاد : بابو کا ہے دل حُبِ علیؑ سے آباد
ہے دوستیٔ علیؑ سے ہر دم دل شاد
اس دوستیٔ علیؑ کے گن لو اعداد
ہے ہم عدد اس سے بابو جنسی پرشاد

دبیرؔ : امدادِ علیؑ گاہ خفی گاہ جلی است
برمن ز ازل عین عنایاتِ ولی است
چو مادہ دفع شد بگفتم تاریخ
٥٠
چشم بدور عین اعجاز علیؑ ست
١٣٤١ ہجری ١٣٩١ ہجری

حکیم کسائی مروزی : مدحت کن و بستائی کسی را کہ پیمبرؐ
بستود و ثنا کرد و بدو داد ہمہ کار
آن کیست بدین حال و کہ بود ست و کہ باشد
جز شیرِ خداوند جہاں حیدرؑ کرّار
آن کیست بدین حال و کہ بود ست و کہ باشد
پیغمبرما مرکز و حیدرؑ خطِ پرکار
علمِ ہمہ عالم بہ علیؑ داد پیمبرؐ
چوں ابرِ بہاری کہ دہد سیل بہ گلزار

فیضی : جز سجدۂ خاکِ درِ سجاد ندانیم
سجادۂ اصحاب ریا را نہ شناسیم

نظام الدین اولیاء : امامت را کسے شاید کہ شاہِ اولیاء باشد
بہ زہد و عصمت و دانش مثالِ انبیاء باشد
امامِ دین کسے باشد کہ درشرعِ نبیؐ اکثر
بہر مشکل کہ مے بینی ترا مشکل کشا باشد
امام دیں کسے باشد کے بے امر خدا ہرگز
نہ کردہ ہیچ کارے اُو کہ ایں کارِ خدا باشد
امامِ حق کسے باشد کہ آں در جملۂ قرآن
بہ ہر آیت کہ مے بینی کہ در وصفش ثنا باشد
امامِ حق کسے باشد کہ آن در طینتِ عالم
پیمبرؐ را بہم بودہ ولایت رابنا باشد
امامِ حق کسے باشد کہ در وقتِ ولادت او
بود در کعبہ و کعبہ زکفشش در صفا باشد
امامِ حق کسے باشد کہ یزداں بست عقدِ او
بود خیرالنساء زوجہ و خسرش مصطفےٰؐ باشد
امامِ حق کسے باشد کہ با ابناو با زہرا
نبی را نفسک نفسی بزیریک عبا باشد
امامِ حق کسے باشد کہ باشد ہمسرِ احمدؐ
چنیں رفعت کہ می بینی بجز حیدرؑ کجا باشد
زمثلِ مصطفےٰؐ مارا دریں رہ رہبری باشد
کہ باشد نصِ قرآن آں علیؑ مرتضٰی باشد

وصیت کرد امت را محمدؐ در غدیرِ خم
علیؑ ابن ابی طالب خلافت را روا باشد
نظام الدینؒ چہ ساں گوید کہ من ہم بندۂ شاہم
ولیکن قنبرِ او را کمینہ یک گدا باشد

نظام الدین اولیاء :

آں مہتر دو عالم و ایں بہتر دو کون
آں سرورِ رسالتؐ وایں صفدرؑ دغا
آں ختمِ انبیاست کزویافت زیب وفر
ہم مُلک او بنوت و ہم تختِ اصطفا
آن شاہِ اولیاست کہ از قدرِ احترام
ذاتش مشرف است بہ تشریفِ انما
آن مظہرِ فتوت و ایں مجمعِ کرم
آں مطلعِ کرامت و ایں منبعِ سخا
آں عارفِ حقیقت وایں ہادیٔ طریق
آں حاکمِ شریعت و ایں داعیٔ ولا
آں آسمانِ رفعت وایں آفتابِ دیں
آں صاحبِ لعمرک وایں نصِ ہل اتیٰ
آں شاہِ من عرف شدہ سلطانِ لوکشف
ایں ماہ و یا وسیں شدہ خورشید طا دہا
آں پیشوائے امت وایں رہنمائے خلق
آں قاطعِ ضلالت و ایں دافعِ بلا

آں بحرِ رستگاری و ایں کشتیٔ نجات
آں جرم را شفاعت و ایں رنج را شفا
آں کعبۂ شفاعت و ایں قبلۂ مراد
طجائے عالم لدنی و ایں عالمِ لقا
محکوم آں دو حکم قضا آمد از قدر
مامورِ ایں دو امرِ قدر آمد از قضا
آں راست چرخ تابع و اجرام زیرِ حکم
ایں راست صدرِ منزل و عرش است متکا
ایں ہر دو شاہ گوہر دریائے رحمت اند
با گوہرِ نفیس میامیز کہربا
دانی حدیثِ لحمک لحمی ز بہر چیست
ایں ہر دو تن یکیست کیے را مبیں دوتا

شورش : جلالِ پنجۂ مرحب فگن کی آزمائش ہے
کمالِ قوتِ خیبر شکن کی آزمائش ہے

شورش : تسخیرِ کائنات کی تفسیر دل فریب
خیبر شکن کی ضربت مشکل کشا میں دیکھ

شورش : ہم مسلماں ہیں محمدؐ کے گھرانے والے
پرچمِ حیدرِؓ کرارؓ اٹھانے والے

میرن شورش : سزد بدست یداللہ خاتمِ کونین
حسنؑ نگینِ زمرد نگینِ لعل حسینؑ

بدایت : السلام اے صاحبِ محراب و منبر السلام
السلام اے صاحبِ سلمان و قنبر السلام
السلام ای اینکہ حق گفتہ ثنا اندر قرآن
کشتیِ بحرنجا گفتہ پیمبرؐ السلام

گمنام : خورشیدِ فلک عکس دُر تاجِ علیؑ ہے
کرسی سے فزوں پایۂ معراجِ علیؑ ہے
مریم سے سوا رتبۂ ازواجِ علیؑ ہے
خالق کے سوا جو ہے وہ محتاجِ علیؑ ہے
یہ قاسمِ رزقِ ملک و جن و بشر ہیں
اللہ کے ہاتھوں کے بھی دست نگر ہیں

نجم آفندی : وہ شیخ کعبہ ساکنِ یثرب سہی مگر
مجرم ہے جو نہ اجرِ رسالت ادا کرے
مسلم رہے گا کتنی نمازیں قضا سہی
کافر ہے جو نمازِ مودّت قضا کرے

نجم آفندی : علیؑ کہنا زباں سے کس قدر آسان ہے لیکن
دلِ انساں تصور کر نہیں سکتا جلالت کا

نجم آفندی	:	مولا کو جانتے ہیں پہچانتے نہیں ہیں آنکھوں کا دوش کیا ہے ذہنوں کی مفلسی ہے

نجم آفندی	:	عام منبر سے جدا ہے میثمؑ منبر کی شان دار پر ہوتی ہے تفسیرِ ولائے بوترابؑ

غواصیؔ	:	بحقِ نبیؐ و بحقِ علیؑ ہمیشہ مجھے خوش رکھو یا علیؑ

نعمتؔ حیدرآبادی	:	عمر بھر حق کی عبادت گر کرے انساں تو کیا حُبِ حیدرؑ گر نہ ہو جنت میں جاسکتا نہیں بے ولائے مصطفیؐ و اہل بیتِ مصطفیؐ خلد میں واللہ نعمت کوئی جاسکتا نہیں

دلورام کوثریؔ	:	میدان ذوالفقارِ دو دم اور علیؑ کا ہاتھ منبر پہ مصطفیؐ کی زباں اور بیانِ علم کیوں کر نہ آسمان سے اونچی ہو شانِ علم حیدرؑ پھریرا اور نبیؐ ہے بیانِ علم

قمر جلالوی	:	مرحب کا قتل بھی کوئی خیبر میں قتل تھا پھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اتار کے

فاطمہ حسن : جب شریعت بھی ہو اور طریقت بھی ہو
قلب روشن ہو چشمِ بصیرت بھی ہو
کچھ عقیدت بھی ہو اور اطاعت بھی ہو
تو صدا دل سے ہر دم یہی آئے گی
جس کے مولاؐ نبیؐ اس کے مولا علیؑ
میرے مولا علیؑ میرے مولا علیؑ

انشاؔ : ہفت دوزخ کو بجھا ڈالے غرض ہے وہ شئے
آتشِ دوستئ حیدرؑ کرارؑ کی آنچ

انشاؔ : یا شاہِ نجف نام اشارے میں ترا لوں
ہو جائے دمِ نزع زباں میری اگر بند

انشاؔ : انشاؔ کا دل بنایا مہرِ علیؑ سے حق نے
لازم ہے اس کو کہنا سیّد علیؑ کی مسجد

شاداںؔ : پرتو نصیریت کا ولائے علیؑ میں ہے
پر حوصلہ کسی میں نہیں ہے کسی میں ہے

شاداںؔ : جو نصیری لگاتار کہتے رہے
ہم کبھی کہہ نہ پائے کبھی کہہ دیا

شاداںؔ : اک مسلماں تھا جسے مولاؑ نے سلماں کردیا
ایک بے زر حُبِ حیدرؑ میں ابوذر ہوگیا
تا ابد باقی ہے اس دنیا میں اولادِ رسولؐ
جس کو دنیا نے کہا ابتر وہ کوثر ہوگیا

شاداںؔ : نصیری فکر کو اہلِ خرد کیا کہہ کے ٹالیں گے
کوئی انسان اب تک اُس بلندی پر نہیں ملتا

شاداںؔ : نصیریوں کی خطا کیا علیؑ کے بارے میں
یہ ہم نے اپنی بھی حالت کبھی کبھی پائی

شاداںؔ : کوئی نصیری کسی مجتہد سے کہتا تھا
تری خرد مری دیوانگی عبادت ہے

شاداںؔ : پھول کاغذ کے سجالیتے ہیں گلدانوں میں
کتنے آگے ہیں مودّت میں نصیری ہم سے

شاداںؔ : عقل کی کم مائیگی کا ہم کو اندازہ ہوا
اے نصیری تیرا اندازِ تولا دیکھ کر

شاداںؔ : نصیریوں کا ہے دعویٰ کہ خلد اور نجات
کہیں خرد کہیں دیوانہ پن سے ملتی ہے

شہیدؔ : نبیؐ کو صاحب تاج و سریر کہتے ہیں
علیؑ کو اپنے نبیؐ کا وزیر کہتے ہیں
علیؑ کو نفسِ خدائے قدیر کہتے ہیں
شہیدؔ ہم تو جناب امیر کہتے ہیں
تڑپ رہا ہے دلِ بے قرار کہنے دو
علیؑ کو کہتے ہیں پروردگار کہنے دو

شادانؔ : شراب حب حیدرؑ اصل میں ام المحاسن ہے
یہ کر دیتی ہے صیقل عقلِ انسانی کے جوہر کو

شادانؔ : علیؑ ہیں میرے مرقد میں فرشتو پوچھتے کیا ہو
اگر چاہو تو شامل تم بھی ہو جاؤ عبادت میں

شہیدؔ : سرِّ صمدی را نہ تو دانی و نہ من
ایں رازِ خفی را نہ تو دانی و نہ من
بسیار درایں راہ دو یدیم ای دوست
حقا کہ علیؑ را نہ تو دانی و نہ من

شہیدؔ : سجدے ٹپک رہے ہیں جبینِ نیاز میں
ذکرِ علیؑ بھی کم نہیں حق کی نماز سے

شہیدؔ : میرا علیؑ نبیؐ کا وصی حق کا ہے ولی
اس نام سے ہر ایک کے دل کی کھلی کلی
یہ نام وہ ہر ایک نبیؐ کی بلا ٹلی
قرآن جس کی مدح میں اک آیت جلی
ہے قولِ شمسؔ دل کو منور کرے علیؑ
بے جبرئیل کارِ پیمبرؐ کرے علیؑ

شہیدؔ
ایمان کیا ہے اس کی محبت کا نام ہے
اسلام کیا ہے اس کی شجاعت کا نام ہے
معراج کیا ہے اس کی فضیلت کا نام ہے
توحید کیا ہے اس کی عبادت کا نام ہے
میں ان کے دشمنوں سے نہ ہاروں گا اے شہیدؔ
مدحِ علیؑ پہ سب کو ابھاروں گا اے شہیدؔ
ذکرِ علیؑ میں عمر گزاروں گا اے شہیدؔ
مرتے ہوئے علیؑ کو پکاروں گا اے شہیدؔ
عیدِ غدیر میں لبِ کوثر سناؤں گا
جنت میں جا کے جشن یہ گھر گھر مناؤں گا

حکیم آشفتہ : لبِ قدرت نے جنبش دی کہ تم کو خود فنی آئی
علیؑ والو ذرا کعبہ کی دیواروں سے تو پوچھو
نصیری خاک سمجھا یہ تو دیوانہ خدا سمجھا
حقیقت کو علیؑ کی ہم نمک خواروں سے تو پوچھو

ساحر لکھنوی : یہ وہ شراب ہے صہبائے الفتِ حیدرؑ
لیئے جو بیٹھا ہے رضوان بابِ جنّت پر
کیئے ہیں اس سے فرشتوں نے اپنے دامن تر
یہ مجھ سے کہتا ہے واعظ کہ اس سے توبہ کر
مئے ولائے علیؑ سے عدو کرے توبہ
میں اس شراب سے توبہ کروں ارے توبہ

محسن نقوی : ترا لباسِ شریعت ولا کے دھاگے سے
اگر سلا ہی نہیں ہے تو پھر صلہ ہی نہیں
عجب مرض ہے بغضِ علیؑ ولی جس میں
کوئی دوا بھی نہیں اور کوئی شفا بھی نہیں
بغیر عشقِ علیؑ تُو نے اس زمانے میں
طویل عمر گزاری ہے اور جیا بھی نہیں
علیؑ ولی کے عدو اور کیا سزا ہو تری
نماز پڑھ بھی رہا ہے ہوئی ادا بھی نہیں

نامعلوم : ہمیں ملا ہے مکمل غدیر سے اسلام
ہم ہی وہ ہیں جو مکمل اذان دیتے ہیں

نامعلوم : ہے اب بھی وقت کرلے ولائے علیؑ قبول
شاید ترا یہ سانس کہیں آخری نہ ہو

دبیرؔ : حیدرؑ کو غنیؑ سب کو غرض مند کہوں
بے حد ہیں شرف ان کے بھی تا چند کہوں
ہے شیرِ خدا میں بخدا شانِ خدا
اس بندہ کو سو بار خداوند کہوں

دبیرؔ : مذہب میں مرے رشکِ خفی شرکِ جلی ہے
واللہ یہ ولولۂ حُبِ علیؑ ہے

دبیرؔ : سرمہ ہے نجف کا یہ سخن گرد نہیں ہے
آمد کے مضامین میں آورد نہیں ہے

غالبؔ : شرط است کہ بہرضبط و آداب و رسوم
خیزد بعد از نبیؐ امامِ معصوم
ز اجماع چہ گوئی بہ علیؑ بازگرای
مہ جای نشینِ مہر باشد، نہ نجوم

رندؔ لکھنوی : عزیز رکھتے نبیؐ اس کو بھی اخی کی طرح
اکھاڑتا درِ خیبر کو جو علیؑ کی طرح

میر حسنؔ : میں دوست دارِ پنجتنؑ اور اہلِ بیتؑ ہوں
بندہ ہوں جاں نثار ہوں بارہ امامؑ کا

انیسؔ : یاعلیؑ زور طبیعت کو روانی دیجے
دمِ اوصافِ وغا سیفِ زبانی دیجے
دستِ مداح میں تیغِ صفہانی دیجے
دفترِ رزم کو خوں ریز رسالہ کردوں
آپ حامی ہوں تو فوجیں تہ وبالا کردوں

انیسؔ : پیری تو آچکی ہے مگر مہلت اے اجل
کرلوں طواف قبرِ جناب امیرؑ کا

نظیؔر عابدی : کرے سلونی کا دعویٰ یہ کس میں ہمت ہے
یہ حوصلہ تو فقط بوترابؑ رکھتے ہیں

دبیرؔ : کیا کیا نہ علیؑ نامور سے پایا
نسخہ ایماں کا خاکِ در سے پایا
وہ بندۂ حق شیرؑ خدا ہے بخدا
بندوں نے خدا کو جس کے گھر سے پایا

دبیرؔ : قربانِ علیؑ نام خدا کا یہ ہے
لو ترجمہ عین ولام ویا کا یہ ہے
کیا اسم مبارک کا معمّا ہوا حل
سر علم کا دل حلم و حیا کا یہ ہے

دبیرؔ : محروم کسی کو نہ سخی نے رکھا
نے مال نہ زر حق کے ولی نے رکھا
کیا زہد ہے کیا فیض کہ رغبت سے کبھی
روز کے سوا کچھ نہ علیؑ نے رکھا

انیسؔ : اعلیٰ رتبے میں ہر بشر سے پایا
افضل انھیں خضرِ راہبر سے پایا
یہ در جو نہ ملتا تو بھٹکتے پھرتے
جنّت کا پتہ علیؑ کے گھر سے پایا

انیسؔ : حیدرؑ سا امام حق کی رحمت سے ملا
کیا کیا نہ شرف ان کی اطاعت سے ملا
عالم میں ہوا قبلۂ اوّل بھی وہی
کعبے کو شرف جس کی ولادت سے ملا

جوشؔ : ضعف کا احساس اور مومن کو یہ کیا خلفشار
لافتیٰ اِلّا علیؑ لاسیف اِلّا ذُوالفقار

للنؔ صاحب : ہاتھ میں لاٹھی نہیں اور لب پہ ہے ترے پکار
لافتیٰ اِلّا علیؑ لاسیف اِلّا ذُوالفقار

عینیؔ شاہ نظامی : امامِ دو جہان و قبلۂ دیں کعبہ ایماں
بہ کعبہ ہم شبیہہ آمد، بقرآں ہمصفیر آمد
علیؑ ابن ابی طالب کہ ہارونِ محمدؐ بود
مشیر آمد، ظہیر آمد، نذیر آمد وزیر آمد
علیؑ را جانشین خود پیمبرؐ منتخب کردہ
نویدے ایں چنیں از جانب خمِ غدیر آمد
علیؑ را اہلِ خیبر دیدہ می گفتند از مرحب
ہمیں اینک شہِ خیبر کشا و قلعہ گیر آمد
بصد شادی و عشرت باہزاراں خرمی عینیؔ
پس عیدالضحیٰ، عید دگر عیدِ غدیر آمد

نیازؔ : پیمبرؐ بر سر منبر نشست و خواند مولائش
کہ تا مولائیش را باشد اندر خلق برہانے
نیازؔ اندر قیامت بے سروساماں نخواہی شد
کہ از حُب و تولائے علیؑ داری تو سامانے

بوعلی قلندر : حیدریم قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علیؑ ہستم
من بہ غیر از علیؑ ندانستم
ھواللہ ھوالعلی ہستم

حضرت جلال الدین محمود تھانیوی:

علی شاہِ حیدرؓ اماماً کبیرا
زبعدِ نبی شُد بشیرا نذیرا
زمین آسمان عرش و کرسی بہ حکمش
علی وان علیٰ کلّ شیئ قدیرا
علی مرتضیٰؓ ابن عمِ رسولؐ است
چو موسیٰ اخی گفت ہاروں وزیرا
زتو ہست و بودہ مہ و مہر و کوکب
توئی در دو عالم سراجاً منیرا
بہ فضلت کرم کن علی شاہ حیدرؓ
بایں خاکسارِ جلال فقیرا

پیامؔ اعظمی : ہر زخم لافتیٰ کا نیا شاہکار ہے
ہر داغ روکشِ اسدِ کردگار ہے
اے ذوالفقار تیری ضرورت نہیں ہے اب
اک اک ادا حسینؑ کی خود ذوالفقار ہے

صباؔ اکبرآبادی : سیفِ علیؑ ہے کیسی روانی کا ساتھ ہے
روکے گا کون اس کو جوانی کا ہاتھ ہے
ٹکڑے اُڑا دیں ضرب لگا کر پہاڑ کے
چٹکی سے پھینک دیں درِ خیبر اکھاڑ کے

سردار نقوی : لوہا کسی کو تیغ کا کب مانتی ہے یہ
کیا کثرتِ سپاہ کو گردانتی ہے یہ
ٹھیرے کہاں، کہاں پہ چلے جانتی ہے یہ
تیغِ علیؑ ہے نسل کو پہچانتی ہے یہ
پیشِ نظر عمل بھی عمل کا مآل بھی
نوکِ زباں حدیث بھی علمِ رجال بھی

شمیم کرہانی : قنبر نوازنہ، حامیٔ آزادیٔ غلام
اسمِ ہمنشی کی عدو، مخلصِ عوام
دُنیا کو دے رہی تھی نیا مجلسی نظام
پہنچا رہی تھی دہر میں توحید کا پیام
تبلیغِ حق میں مائلِ صد انہماک تھی
تیغِ علی مفسرِ قرآن پاک تھی

شمیم کرہانی : سلطانِ دہر ہوں کو فقیرانِ فاقہ مست
تھے عدل کی نگاہ میں یکساں بلند پست
کرتی تھی انقلابِ تمدّن کا بندوبست
رُجعت پسند ذہن کو دیتی تھی وہ شکست
جمہور کی رفیق، عدو سامراج کی
ناظم معاشرت کی، مدبّر سماج کی

شاداںؔ دہلوی : بھیجتی ہے، امن کا پیغام تیری ذوالفقار
خط لیے پھرتے ہیں اپنے پر پہ جبریلِ امیں

آلِ رضا : جب صبر کے نیام سے نکلی تھی ذوالفقار
شیرِ خدا کی یاد دلاتی تھی بار بار
تلوار کی وہ کاٹ کہ بجلی ہو جیسے دھار
ہلتا تھا زور شور سے میدان کارزار
دکھلا رہا تھا باغ شجاعت کھلا ہوا
آہنگ تیغ و راکب و مرکب ملا ہوا

عارفؔ : یہی ہے تیغ دوسر آسماں سے آئی ہوئی
نبی بنائی ہوئی اور سجی سجائی ہوئی
خدا کی بھیجی ہوئی مصطفیٰؐ کی پائی ہوئی
علیؑ سے صفدر و غازی کی آزمائی ہوئی
بسر رفاقت حیدرؑ میں اس نے راتیں کیں
نڈر تھی ایسی کہ شیرِ خدا سے باتیں کیں

انیسؔ : حسینؑ کہتے تھے اک ذوالفقار کافی ہے
نبرد میں نہ زرہ چاہیے نہ ڈھال مجھے

انیسؔ : اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

پیام اعظمی : سوچتا ہوں جب نصیری اس کو کہتے ہیں خدا
وہ خدا کتنا بڑا ہے جس کا بندہ ہے علیؑ

نجم آفندی : اے نجم سوال آئے اگر لطف و کرم کا
مولاؑ کی زباں پر کبھی لا ہو نہیں سکتا

نجم آفندی : حاجی ہو کوئی حافظِ قرآں ہو کوئی نجم
کچھ بھی نہیں علیؑ سے محبت اگر نہیں

نجم آفندی : اجل جب چاہے منہ پر مُہر کر دے
علیؑ کا نام دل پر لکھ گیا ہے

نجم آفندی : اے نجم جبیں ہوتی ہے چوکھٹ پہ نجف کی
میں مدح کے عالم میں فلک پر نہیں ہوتا

نجم آفندی : نجم اُڑ اُڑ کر ہماری خاک کے ذرّے ہمیں
یا نجف لے جائیں گے یا کربلا لے جائیں گے

نجم آفندی : اک طرف ارضِ نجف اک سمت ارضِ کربلا
نجم لہریں لے رہا ہے کیا مقدر دیکھئے

نجم آفندی : اے نجم منقبت ہو اس وقت بھی زباں پر
جب نزع کی ہو ساعت عالم روا روی کا

قمر جلالوی : جب بھی اٹھے گا نبیؐ کی جانشینی کا سوال
فیصلہ ہوگا شبِ ہجرت کا بستر دیکھ کر

ضاحکؔ : علی عالی ولی کے اوپر درود واجب سلام سنت
نبیؐ کے عاشق وصی کے اوپر درود واجب سلام سنت

انیسؔ : کہتے ہیں جسے عرش وہ ہے منزلِ حیدرؑ
خلوت گہ خلاق جہاں ہے دلِ حیدرؑ
ہر حال میں ہے قدرتِ حق شاملِ حیدرؑ
ہے نورِ خدا روشنیٔ محفلِ حیدرؑ
وہ صحبتِ خالق ہے چراغ رہ دیں ہے
پروانہ اسی شمع کا جبریلِ امیں ہے

چنداؔ بائی ماہ لقا : نہ چنداؔ کو طمع جنت کی نہ خوفِ جہنم ہے
رکھے ہے دو جہاں میں حیدرؑ کرارؑ سے مطلب

پیام اعظمی : انسانیت کی قوتِ پرواز ہے علیؑ
ہر دور کے ضمیر کی آواز ہے علیؑ
محراب میں علیؑ ہیں تو منبر پہ ہیں علیؑ
کعبہ گواہ دوشِ پیمبرؐ پہ ہیں علیؑ

ہجرت کی شب رسولؐ کے بستر پہ ہیں علیؑ
جنت علیؑ کی ملک ہے کوثر پہ ہیں علیؑ
ہر جا علیؑ ملیں گے نہ دامن بچائیے
بچنا علیؑ سے ہے تو جہنم میں جائیے

مشیر لکھنوی : تو اپنے ایک جام پہ نازاں ہے ساقیا
چودہ پلانے والے ہیں پروا ہے مجھ کو کیا
جتلائے دیتا ہوں تجھے میخانوں کا پتا
بطحا و کاظمین و خراسان و کربلا
خورشید مدعا میرا برج شرف میں ہے
اِک کربلا میں اِک مرا ساقی نجف میں ہے

جعفر اوجؔ : حساب بیّنہ سے بے تکلف یہ نمایاں
علیؑ کے ایک سو دس ہیں مطابق اس کے ایماں ہے
علی اور **لا الٰہ الّا ہو** گنتی میں یکساں ہیں
نظر جن کی بحق ہے ورد ان کا بعد قرآن ہے
کفٰی ہے ہم عدد اس نام کا یہ غور کی جا ہے
کفٰی باللہ کا فی جزو کل کو حفظ مولا ہے
نزولِ قل کفٰی سے شیر حق کی شان پیدا ہے
نگینِ آفتاب و ماہ پر یہ نقش زیبا ہے

عقیل : جی بھر کے خدا چاہے تو دیکھیں گے علیؑ کو
بہتر نہیں تربت سے ہمیں کوئی مکاں اور

نفیسؔ : ذاکر ہوں اس ولی کا جو عالم کی جان ہے
ذکر اس میں اس کا ہے جو خدا کی زبان ہے

نفیسؔ : نہ غنی کی مجھے حاجت نہ کسی شاہ کی ہے
میری جاگیر ولایت اسد اللہ کی ہے

سکندر بیگم فضاؔ : شب ہجرت بھلا کیا کوئی سوتا فرشِ احمد پر
کہاں سے سینے میں دل لے کے آتا شاہِ مرداںؑ کا

برجیسؔ امروہوی : جو کردگار کی مرضی وہی رضائے علیؑ
خدا کی حمد ہے نامِ خدا ثنائے علیؑ
علیؑ کی مدح نہیں یہ خدا کی طاعت ہے
بشر کے واسطے ذکرِ علیؑ عبادت ہے
نبیؐ کی طرح ہر اک سے شرف میں افضل ہیں
جو وہ ہیں ختمِ رُسل یہ امامِ اوّل ہیں
وہ شمعِ دیں ہیں تو روشن ضمیر ہیں حیدرؑ
نبیؐ ہیں شاہِ دوعالم وزیر ہیں حیدرؑ
رسولؐ خاتمِ دوراں ہیں اور نگیں حیدرؑ
رسولؐ پاک ہیں یٰسیں تو ہیں مبیں حیدرؑ

شمیم امروہوی : اعجاز رسولوں کے ہیں خالق کے ولی ہیں
جو عین ہے عیسیٰ میں وہی عین علیؑ ہیں
ابرار ہیں جرار ہیں عالم ہیں سخی ہیں
اللہ کا تو ہاتھ ہیں بازوے نبیؐ ہیں

سردار نقوی : کعبے کہے ولادتِ اطہر کا واقعہ
آغوشِ مہد کلۂ اژدر کا واقعہ
میری زباں پہ ہے درِ خیبر کا واقعہ
روح الامیں عناو ذرا پَر کا واقعہ
جبریل کچھ بیاں کریں کچھ ہم رقم کریں
ممدوح جب ہے ایک تو مدحت بہم کریں

صادقین : جب بھی یہ قلم نادِ علیؑ لکھتا ہے
پھر حرف جو لکھتا ہے جلی لکھتا ہے

صادقین : یہ وہ ہے قلم جس سے علیؑ لکھتا ہوں
اور اُن کو محمدؐ کا ولی لکھتا ہوں
سچائی کی ہر بات کو لکھنے کا یہ شوق
قرآن کی آیات کو لکھنے کا یہ شوق
اللہ کے اُس ولی سے ورثے میں ملا
مجھ کو حضرت علیؑ سے ورثے میں ملا

جوشؔ : مولائے کائنات اور آواز دے مجھے
اے جبرئیلؑ قوتِ پرواز دے مجھے

جوشؔ : کیا اُسے خوف، ہو جو شیرِ خدا
کیا ڈرے، ہو جو قاتل عنتر
خوف کیا اس کے دل کو توڑ سکے
جس نے توڑا ہو قلعۂ خیبر
اس کے سینے میں کیا ہراس آئے
جس کو کہتے ہیں نفسِ پیغمبرؐ

جوشؔ : محرابِ آب و رنگ میں تیری زبان کا
ایک ایک حرف لولو و مرجاں ہے یا علیؑ
تیری ہر ایک سانس تری ہر نگاہ میں
گنجِ حدیث و دولتِ قرآن ہے یا علیؑ
بندے کو تیرے عشق نے بخشی ہے وہ نگاہ
کونین زیر جنبشِ مژگاں ہے یا علیؑ

اوجؔ : خدا کی عین عظمت عین سے اوّل نمایاں ہے
یہ عاشق کی عبادت اور عبودیت کا عنواں ہے
ولم یولد کا پیدا لام ویا سے راز پنہاں ہے
حروف نام سے ہمنام کا اپنے ثنا خواں ہے
علیؑ کا نام بھی نام خدا کیا راحتِ جاں ہے
عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

قزلباش سعید : یا علیؑ ورنہ بھٹک جاتا میں اوروں کی طرح
بس تری ذات ہے جو سمت نما لگتی ہے

صبا اکبر آبادی : مختلف شکل میں مل جاتی ہے اس کی تصویر
کہیں مسجد میں اک انداز سے اس کی تعمیر
کہیں میدانِ وغا میں سرِ مرکب تکبیر
کہیں ناقے کا کجاوہ ہے سرِ خم غدیر
جب کبھی جانب کعبے سے ہوا آتی ہے
آج تک خطبۂ آخر کی صدا آتی ہے

سلیس لکھنوی : ہاں ساقیا پلا دے مئے مشک بو مجھے
اک عمر سے ہے بادہ پرستی کی خو مجھے
وہ مست ہوں کہ اب نہیں کچھ آرزو مجھے
میخانۂ نجف کی ہے یاں جستجو مجھے
ہر دم زباں پہ نام ہے پہلے امامؑ کا
طالب ہوں ایک بادۂ کوثر کے جام کا

کرار حسین : علیؑ کے نام کو دریائے زندگی کہیے
جو زندگی ہے اسے دشتِ تشنگی کہیے
اگر عبادت حق زندگی کا مقصد ہے
تو پھر علیؑ کی عبادت کو زندگی کہیے

قمر جلالوی : بیان کرنی پڑے گی خمِ غدیر کی بات
چھپائیں کیسے کہ ہے مجمعِ کثیر کی بات

قدیم لکھنوی : تیرا ممنون ہوں جب تک کہ جیوں گا ساقی
بارہواں جام کھڑے ہو کے پیوں گا ساقی

قدیم لکھنوی : غیر کیوں اس کو پئیں اُن کے یہ کس کام کی ہے
باقی جو خم میں بچی ہے وہ مرے نام کی ہے

نفیس لکھنوی : امین و جامع فرقان و حافظ تنزیل
مطاعِ انس و جن و جبریل و میکایل
نصیریوں کے خدا بندۂ خدائے جلیل
مٹا رہے ہو شرف اُس کے اے گروہِ ذلیل
جلال و قدر جنابِ امیرؑ بھول گئے
یہ غدر ہے کہ حدیثِ غدیر بھول گئے

فائز لکھنوی : خدا سے جس نے جو مانگا علیؑ کے ہاتھ سے پایا
بتاؤ منکرو اب معنیٔ دستِ خدا سمجھے
ہزار افسوس باندھے جائیں اُن کے ہاتھ رسی سے
دمِ مشکل جنھیں سارا جہاں مشکل کشا سمجھے

ذکی لکھنوی : رونقِ کن فیکوں نیّرِ دیں بابِ علوم
حاکمِ کلِّ جہاں حکمِ خدا کے محکوم
ان کے خادم ہیں ملایک یہ ہیں کل کے مخدوم
انتہا ہے کہ ہیں سب رازِ الٰہی معلوم
جز نبیؐ افضلِ کل عالمِ ایجاد ہوئے
یہ بزرگی تھی کہ جبریل کے استاد ہوئے

عقیل عباس جعفری: ہوگیا اس سے مکمل دینِ حق
دینِ حق پر ہے یہ احسانِ غدیر
وہ قلندر بن گیا ہے یا ولی
ہوگیا جس کو بھی عرفانِ غدیر
روزِ محشر ہے مرا ایماں عقیل
سرخ رو ہوں گے غلامانِ غدیر

اقبال حیدر : وہ انتہا ہو کہ ہو قل کُلی کہ سورۂ دہر
علیؑ کی مدح کتابِ خدا میں شامل ہے

انیسؔ : فقروں کا ذوالفقار کے مطلب ادا نہ ہو
کٹ جائے ساری عمر تو اس کی ثنا نہ ہو

انیسؔ : گھونگھٹ ہٹا تو برق سی چمکی لڑائی میں
نقدِ حیات لینے لگی رونمائی میں

انیسؔ : زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اُسے کہنا
معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا
اس اوج میں وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
سیب چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل میں

انیسؔ : بے وجہ نہ منھ لال تھا اس عربدہ جو کا
بیڑہ وہ اٹھائے ہوئے تھی خونِ عدو کا

انیسؔ : اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

ثروتؔ رضوی : علیؑ کا نام لینے سے مقدر جاگ جاتا ہے
مودّت کا فرشتہ دل کے اندر جاگ جاتا ہے
غدیرِ خم کا سن کے نام اکثر میری آنکھوں میں
نزولِ آیۂ بلّغ کا منظر جاگ جاتا ہے

سوداؔ : کاغذ و خامہ و تحریر و مرکب سوداؔ
ہو کے کہتے ہیں بیک اہلِ کرم چاروں ایک
شاہِ مرداںؑ جو نہ ہوتی تری خلقت منظور
ہوتے عنصر نہ کبھی مل کے بہم چاروں ایک

سیّدہ نور جہاں : عقیدتوں کا بھی چہرہ سجا غدیر کے دن
بتا رہا ہے یہ اتمتِ نعمتی کا نزول

ناسخ : رات دن نورِ خدا کو و نجف سے ہے عیاں
مجکو ناسخ جبلِ طور سے کچھ کام نہیں

مذاق : مرتضیٰؑ و بوترابؑ و بوالحسنؑ بوالاولیاءؑ
بوالائمہؑ سیّدوالاعلیٰؑ مشکلؑ کشا

انیس : وہ شاہؑ کہ شاہوں سے لیا باجِ نبیؐ
اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبیؐ
فرماتے ہیں میں تن ہوں علیؑ سر میرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبیؐ

محشر : محشر نہیں ہے عرصۂ عالم میں بالیقین
غیراز علیؑ جوان بجز ذوالفقار تیغ

انشاء : فضلِ حیدرؑ سے جہاں میں ہوں میں وہ روئیں تن
کہ کبھی کھینچ کے گر تیغ بھی دشمن مارے
تو مجھے کچھ نہ ہو معلوم مگر اتنا ہو
چھڑی پھولوں کی جیسے کہ کوئی سمدھن مارے

میر حسن : نہیں ہمسر اُس کا کوئی جز علیؑ
کہ بھائی کا بھائی وصی کا وصی

انیسؔ : ولی ولی کی صدا تھی جہاں جہاں پہنچا
علیؑ علیؑ نظر آئے جدھر جدھر دیکھا

ناسخ : کیوں کر قسیم نار و جناں ہو نہ مرتضیٰؑ
نائب ہے وہ جناب بشیر و نذیر کا

قدر بلگرامی : جو یا عباسؑ کہہ کر میں اٹھاوں نیزہ و خامہ
جو کہہ کر یا علیؑ میں کھینچ لوں تیغِ ثنا خوانی
ابھی تو مدح کے میدان گڑتا ہے مرا جھنڈا
ابھی تو جھولتی ہے عرش سے تیغِ زباں دانی

وحید اختر : ہڈیاں پس گئیں قلعوں کو بنانے کے لیے
لاشیں کام آگئیں دیوار اٹھانے کے لیے
در نیا کھلنے کو ہے قلعۂ کشا آئے گا
گر کے بت کہتے ہیں کعبے میں خدا آئے گا
ساتھ اس کے حرمِ کعبہ میں ایماں اترا
آیا آغوشِ رسالتؐ میں تو قرآں اترا
ذوالفقارِ احدی کو اسداللہ ملا
دہر کو عقدہ کشا حق کو یداللہ ملا

مل گیا علم کو در روح امیں کو استاد
مل گیا سیدہ کو زوج نبیؐ کو داماد
نفسِ بے نفس خدا اور پیمبرؐ کو ملا
ذوالعشیرہ کا وصی حق کی ضیافت کو ملا
نورِ واحد کا امیں بسترِ ہجرت کو ملا
حکمِ بلّغ نے سرعام صراحت پائی
کنتِ مولا کے معانی نے بلاغت پائی
مستیِ روح تولّا کو ملا جامِ غدیر
پایا اسلام نے اکملت کا انعامِ غدیر

وحید اختر : مرتضیٰؑ ہی سے رسالتؐ کا پتہ ملتا ہے
اسی دروازے سے طالب کو خدا ملتا ہے

وحید اختر : دیکھنا چہرۂ حیدرؑ کا عبادت ٹھہرا
مرنا بھی ان کی محبت میں شہادت ٹھہرا

وحید اختر : ہر شرف اہل تصوف کو اسی در سے ملا
سلسلہ جس کا ملا ان سے، وہ داور سے ملا

وحید اختر : نہ ہو گر حُبِ علیؑ سینہ ہے ایماں سے تہی
بے علیؑ نقطۂ بامعنیٰ قرآں سے تہی

وحید اختر : بغض رکھے جو علیؑ سے وہ مسلمان نہیں
منکرِ اشرف الانساں ہو جو انسان نہیں

امید فاضلی : حیدرؑ، ابوترابؑ، علیؑ، مرتضیٰؑ ہو تم
سب نام جانتے ہیں خدا جانے کیا ہو تم
احزاب ہو، اُحد ہو کہ خیبر ہو، بدر ہو
ہر اک جہادِ حق میں نبیؑ کی دعا ہو تم
میدانِ کار زار اگر ہو تو لافتا
منبر ہو علم کا تو سلونی قبا ہو تم
ہر حال میں ہو قوتِ بازوئے مصطفیٰؐ
ہر معرکے میں نصرتِ دینِ خدا ہو تم
ہر منزلِ یقیں میں شہادت کی راہ سے
خالق سے جو ملاتا ہے وہ سلسلہ ہو تم
مولا رسول جس کے ہیں مولا تم اُس کے ہو
قبلہ نبیؐ کی ذات ہے قبلہ نما ہو تم
محرابِ آرزو میں اُجالا تمہیں سے ہے
طالب کا مدعا ہو، طلب کی دعا ہو تم
عرفان و آگہی کا بھرم ہے تمہارا نام
کہتے ہیں اولیا کہ شہِ اولیا ہو تم
شاہد ہے علم بسترِ ہجرت گواہ ہے
شایانِ اعتبارِ حبیبؐ خدا ہو تم

پُرسانِ حال جن کا جہاں میں کوئی نہیں
اُن کے خدا کے فضل سے مُشکل کشا ہو تم
اُمیدؔ کو تو علم یہی ہے کہ آج بھی
جس میں نبیؐ کا عکس ہے وہ آئینہ ہو تم

امیدؔ فاضلی :
آ میں بتاؤں حق کو جو معیار چاہیے
سر کربلا میں بدر میں تلوار چاہیے
مژدہ ہوائے حرم کہ جو خود در میں ڈھل سکے
بیتِ اسد کو آج وہ دیوار چاہیے
ذمّہ مرا جو حل نہ ہو مُشکل تری مگر
نادِ علیؑ زباں پہ لگا تار چاہیے
خیبر وہ مرحلہ کہ علم کے لیے جہاں
صرف اور صرف حیدرِؑ کرارؑ چاہیے
لاسیف و لافتا ہوئے یک جا تو یہ کُھلا
جیسا جواں ہو ویسی ہی تلوار چاہیے
مَس ہو کے جس سے حرفِ سلونی دمک اُٹھے
دینِ نبیؐ کو وہ لبِ اظہار چاہیے

امیدؔ فاضلی :
اے حرفِ حق میں تیرا پرستار تھا سو ہوں
سچائی کے لیے لبِ اظہار تھا سو ہوں
میخانۂ رسولؐ کا میخوار تھا سو ہوں
نفسِ نبیؐ کا دل سے طلب گار تھا سو ہوں

میں آج بھی گدا ہوں اُسی بوترابؑ کا
جس نے پلٹ کے رکھ دیا رُخ آفتاب کا

امید فاضلی : گو ناشناس رسمِ قعود و قیام ہوں
لیکن نبیؐ کا مدح سرا صبح و شام ہوں
میرا شرف ہے یہ کہ علیؑ کا غلام ہوں
جاں دادۂ حسین علیہ اسلام ہوں
مشغول جب سے مدحتِ سبطِ نبیؐ میں ہوں
محسوس ہو رہا ہے کہ میں روشنی میں ہوں

امید فاضلی : ہجرت کی رات اور وہ بستر رسولؐ کا
وہ گھر گھرا ہُوا وہ برادر رسولؐ کا
تنہا وہ اپنی ذات میں لشکر رسولؐ کا
بے خوف ہو کے سو گیا صفدر رسولؐ کا
وہ سو گیا تو شب کا مُقدّر جگا دیا
مولاؑ نے نیند کو بھی عبادت بنا دیا

امید فاضلی : قرآن کہہ رہا ہے پسِ انما ہے وہ
کہتی ہے ذوالفقار کہ دستِ خُدا ہے وہ
ہیں اور بھی جوان مگر لافتا ہے وہ
کہنے لگا، علم بڑا مُشکل کشا ہے وہ

ارشاد یہ خدا کا خُدا کے نبیؐ کا ہے
رُخ حق کا اُس طرف ہے جدھر رُخ علیؑ کا ہے

امید فاضلی : وہ شاہِ ذوالفقار وہ مولائے کائناتؑ
نفسِ نبیؐ، ولیِ الٰہی، خُدا کا ہات
وہ آفتابِ عزم سرِ مطلعِ حیات
علمِ رسولؐ پاک کا مظہر ہے جس کی ذات
نعرہ اُسی کے نام کا ہر انجمن میں ہے
یہ نام تو لہو کی طرح جان وتن میں ہے

وحید اختر : فکر کو اک رمقِ طبع یداللہی دے
نطق کو جوہرِ تیغِ اسداللہی دے
اک جہاں سجدہ کرے جائے ولادت وہ ملی
دونوں عالم کی جو رحمت ہے محبت وہ ملی

امید فاضلی : حق شناسی حق شعاری حق پرستی حق رسی
روشنی اسمِ محمدؐ روشنی نامِ علیؑ
نامِ علیؑ کا ورد عبادت ہے دوستو
یہ نام روشنی کی علامت ہے دوستو
یہ ذکر آگہی کی شریعت ہے دوستو
رحمت نبیؐ یہ سایۂ رحمت ہے دوستو

امید فاضلی : آتی ہے دم بدم یہ صدا آسمان سے
قرآن بولتا ہے علیؑ کی زبان سے

امید فاضلی : قرآن و پیمبرؐ کو سمجھنا ہے تو امید
پیغامِ نجف سن طرف کرب و بلا دیکھ

امید فاضلی : علم و یقین و عشق کا حرفِ جلی علیؑ
کعبہ مزاج، نفسِ پیمبرؐ ولی علیؑ
پوچھا جو کائنات نے مولاؑ ہیں میرے کون
عرشِ علی نے بڑھ کے پکارا علیؑ علیؑ
حُبِ علیؑ و عشق نبیؐ کے لیے امید
میثم کا دل اویس کا کردار چاہیے

امید فاضلی : یہ مئے حُبِ علیؑ وہ مے ہے شیخِ محترم
اِک ذرا بھی جس نے چکھ لی پارسائی مل گئی
جو درِ زہراؑ تک آئے یاعلیؑ کہتے ہوئے
اُن کو یہ در کیا مِلا، گویا خُدائی مِل گئی
جانے وہ کعبہ تھا یا قوسین کی منزل کہ جب
بندگی کی حد سے، حدِ کبریائی مِل گئی

نجم آفندی : کہتی ہے جسے فکر و نظر نہجِ بلاغہ
رندوں کی زباں میں ہے وہ میخانہ علیؑ کا

کعبہ میں ولادت ہوئی مسجد میں شہادت
اللہ کا گھر بن گیا کاشانہ علیؑ کا
حق یہ ہے کہ سرکارِ نبوت کے سوا نجم
معیارِ فضیلت کوئی سمجھا نہ علیؑ کا

نجم آفندی : روشن چراغِ گل ہوا ہر کشورِ گلزار میں
بادِ صبا نے چھیڑ کر غنچہ کو شعلہ کر دیا
آباد وہ گھر بھی ہوا صدیوں سے جو تھا بے چراغ
قسمت صدف کی جاگ اٹھی وہ بے بہا گوہر دیا
ہاشم کا گھر روشن ہوا محنت خلیل اللہ کی
مولا علیؑ کے نور نے کعبہ کو روشن کر دیا
مداح کے دل میں ہوا روشن چراغِ معرفت
اک مطلعِ نو فکر نے روشن سے روشن تر دیا
معصوم کی آغوش میں معصوم کو لا کر دیا
دولت خدا کے گھر کی تھی دامن نبیؐ کا بھر دیا
نورِ رسالتؐ سے ہوا نورِ امامتؑ متحد
اس اتحادِ حسن نے قوموں کو یک جا کر دیا
اک شان ربِ العالمین اک رحمۃ اللعالمین
تنزید کا اُن کو انھیں تقدیس کا پیکر دیا
تحریک کا ان کو انھیں تائید کا منصب ملا
ان کو نبوت کا وصایت کا انھیں کشور دیا

نجم آفندی : ہے جہاں دنیا گرفتارِ تردّد فی الکلام

شکرِ انعام الٰہی کو لبوں پر دیکھیے

اُس کے لفظوں سے کیے دنیا نے مستنبط علوم

منتہائے علم کس سے آنکھ لے کر دیکھیے

بیس جلدوں میں ہو جب تشریح خطبوں کی فقط

صورتِ گُن کیوں نہ ہر نقطہ میں دفتر دیکھیے

شعبی و سلمی بن عباس ابوالاسود کمیل

ریزہ خوار و خوشہ چینِ علمِ حیدرؑ دیکھیے

جس نے ان کی آڑ پکڑی دستگیرِ خلق ہے

اک زمانہ کو تصوف کا مسخر دیکھیے

شبلی و معروف کرخی شمس تبریز و جنید

ہیں یہ کس آئینہ عرفاں کے جوہر دیکھیے

قادری چشتی رفاعی نقش بندی شاذلی

سلسلہ کرتے ہیں اپنا ختم کس پر دیکھیے

آج ہے مغرب کو بے حد ناز تحقیقِ جدید

علمِ ہیئت میں ذرا ارشادِ حیدرؑ دیکھیے

ڈھا دیا کس ہاتھ نے تعمیر بطلیموس کو

فلسفہ یونان کا ہے کب سے ابتر دیکھیے

نظمِ و اقوام و وصایا میں وہ تبلیغی نظام

یہ جہادِ بالقلم اللہ اکبر دیکھیے

نجم آفندی : نمازِ مدح پڑھتا ہوں مودّت کے مصلّے پر
دکھا دو نجم دنیا کو یہ رتبہ ہے سخنور کا

نجم آفندی : کچھ شعر جو منقبت میں کہلاتا ہے
کس خواب سے اپنے دل کو بہلاتا ہے
موزوں ترے کردار پہ بھی ہے یہ خطاب
تو شاعر اہلِ بیتؑ کہلاتا ہے

مظہرؔ جان جاناں : ہوں تو سنّی پر علیؑ کا صدقِ دل سے ہوں غلام
خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے

مظہرؔ جان جاناں : نہ کرد مظہرؔ ما طاعت و رفت بخاک
نجات خود بہ مولائے بوترابؑ گذاشت

عبدالولی عزلتؔ : جن کے دلوں میں دردِ حسینؑ و علیؑ نہیں
اب تک پکڑ رہے ہیں وہ سنت یزید کی

نامعلوم : کافر کا جگر سینے میں یاں خوف سے شق ہے
گر غور کرو نامِ علیؑ کو تو بحق ہے

محمودؔ شاہ بہمنی : در بحرِ غم فتادم و امواج بے عدد
تا چند دست و پا زنم و یا علیؑ مدد

ذوقؔ : اعلیٰ جو علیؑ کی ہے امامت کا مقام
رکھتے ہیں خبر اس سے یہاں خاص و عام
جو لوگ صفِ اولِ میثاق میں تھے
پوچھے کوئی اُن سے کہ وہ کیسا تھا امامؑ

دبیرؔ : مولا علیؑ امام علیؑ مقتدا علیؑ
دستِ خدا علیؑ ہے زبانِ خدا علیؑ
ہم کیا ہیں انبیاؑ کا ہے مشکل کشا علیؑ
مشکل میں سب کے منہ سے نکلتا ہے یا علیؑ
ہر ست بے عصا جو رواں چرخِ پیر ہے
باعث یہ ہے کہ نامِ علیؑ دستگیر ہے

دبیرؔ : کعبہ میں زیبِ دوشِ نبیؐ یہ امام ہے
ہم نام حق کا مہرِ نبوت مقام ہے
زیرِ نگیں جہاں ہے زمانہ غلام ہے
روشن اسی نگینہ سے خاتم کا نام ہے
پوشیدہ حکمِ حق سے پیمبرؐ جو ہو گئے
تکیہ خدا پہ کر کے یہ بستر پہ سو گئے

دبیرؔ : حق سے کیا علیحدہ باطل کو یک قلم
کعبہ سے بت، یقین سے شک، عدل سے ستم

وحدت سے شرک، خیر سے شر، دیر سے حرم
عصیاں سے توبہ، کفر سے دیں، بخل سے کرم
ثابت ہر ایک قطع سے توحید کو کیا
چن چن کے مشرکوں کو تہِ تیغ دو کیا

محمد طاہر رفیع : دنیا محبس ہے دل اسیری کے لیے
بازوئے نبیؐ ہے دستگیری کے لیے
لغزش جو قدم میں ہو تو لوں نامِ علیؑ
چھوڑی ہے جوانی اسی پیری کے لیے

محمد قلی قطب شاہ معانی : دنیا و دین کا حق سنگار، یا علیؑ توں
سب اولیا کے من کا اسرار، یا علیؑ توں

سب جگ میں نانو (نام) تیرا ہے سب پر چھانو (چھاؤں) تیرا
ہر ٹھانو (ٹھکانہ) ٹھانو(ٹھکانہ) تیرا اوتار یا علیؑ توں

برحق ولی توں ربّ کا، صاحب سچا ہے سب کا
معراج کی سو شب کا جھلکار (نور)، یا علیؑ توں

سید حسینی : دم بدم، اے دل! تو پڑھ نامِ علیؑ
مت کرے اس ورد میں تو غافلی
مشکل اندر ہم خفی وہم جلی

ذکر یہ کرتے ہیں سب انبیا ولی
یاعلیؑ! مولاعلیؑ! مولاعلیؑ!

سراجؔ اورنگ آبادی : ہوں سخت بے کسی میں گرفتار، یاعلیؑ
تیرے بغیر کون ہے اب، یار یاعلیؑ!
آج حادثاتِ دہر میں مضطر نہ رکھ مجھے
کشتی مری تباہ ہے، کر پار، یاعلیؑ!
بے تاب ہو اگر نہ کہے حالِ دل سراجؔ!
یہ درد کس سے جا کرے اظہار، یاعلیؑ!

درگاہ قلی خان : شہِ سریرِ کرامت امیرِ کلِ امیر
اخی حضرت مولیٰ وصیِ پیغمبرؐ
امامِ جن و ملک، تاجدار ملک و فلک
کہا ہے لحمکَ لحمی جسے شہِ سرورؐ
جنابِ اقدس حیدرؑ ہے وصف سے برتر
یہاں ہے وصف سے عاجز لب ودہانِ بشر
بغیر اس کے کہو کون شاہِ مرداں ہے؟
خدا نے سیف دیا اور رسولؐ نے دختر

محمد شاکر ناجی : محبت سے علیؑ کی دیکھ ناجیؔ
ہوا ہے دل مرا اب حیدر آباد

شاہ عالم ثانی آفتاب : علیؑ عالی ولی کے اوپر درود واجب، سلام سنت
نبیؐ کے عاشق وصی کے اوپر درود واجب، سلام سنت
غریب بے کس شہید بے بس ستم رسیدہ، چہ غم کشیدہ
ذبیح کی بے بسی کے اوپر درود واجب، سلام سنت

فضل علی فضلی : وہ علیؑ ولی کہ جس کے سرتاج
ہے سزاوار ہل اتی کا آج
اس کے حق میں ہے قل کفی باللہ
مقصدِ انما یرید اللہ
ہے وصیؑ نبیؐ ز روزِ الست
اور نبیؐ کی متابعت میں مست
نبیؐ فرما دو حق میں یہ مضمون
انت منّی بہ منزلِ ہارون

مرزا رفیع سودا : یارو، مہتاب و گل و شمع، بہم چاروں ایک
میں کتاں بلبل و پروانہ بہ ہم چاروں ایک
شاہِ مرداں! تیری خلقت جو نہ ہوتی منظور
ہوتے عنصر نہ کبھو مل کے بہم چاروں ایک
دشمن و دوست، بد و نیک زمانے کے بیچ
حکم رکھتے ہیں تیرے پیشِ کرم چاروں ایک

انوریؔ، سعدیؔ و خاقانیؔ و مداح ترا
رتبۂ شعر و سخن میں ہیں بہم چاروں ایک

میر حسن دہلوی : علیؑ دین و دنیا کا سردار ہے
کہ مختار کے گھر کا مختار ہے
علیؑ رازدارِ خدا و نبیؐ
خبردارِ سرِّ خفی و جلی
علیؑ بندۂ خاص درگاہِ حق
علیؑ سالک و راہ رو راہِ حق
خدا نفسِ پیمبرؐ خواندہ است
دگر افضلیت بہ کس ماندہ است
علیؑ کا عدو دوزخی دوزخی
علیؑ کا محبّ جنتی جنتی
نبیؐ اور علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ
حسینؑ ابنِ حیدرؑ، یہ ہیں پنج تن

میر تقی میرؔ : رہ ولائے علیؑ کا خواہش مند
ہے یہ شیوہ خدا رسولؐ پسند
دب کے ہرگز نہ رکھ زبان کو بند
پست کرنے کو مدعی کے بلند
یاعلیؑ! یاعلیؑ! کہا کر تو

میر تقی میرؔ : جو حیدری نہیں اُسے ایمان ہی نہیں
ہو گو شریفِ مکّہ مسلمان ہی نہیں
سجدہ اس آستاں کا نہ جس کو ہوا نصیب
وہ اپنے اعتقاد میں انسان ہی نہیں

انشاء اللہ خاں انشاءؔ : نظر کر علیؑ کو قرینِ محمدؐ
ہوا نورِ حق ہم نشینِ محمدؐ
ریاض القدس میں ہیں کہتے فرشتے
یہ ہے آفتابِ جبینِ محمدؐ
علیؑ سے جن اشخاص نے بغض رکھا
انھوں نے کیا قصدِ کینِ محمدؐ
ائمہؑ کی تعریف کس سے بیاں ہو
منور ہوا اُن سے دینِ محمدؐ

نظیر اکبر آبادی : علیؑ کی یاد میں رہنا، عبادت اس کو کہتے ہیں
علیؑ کا وصف کچھ کہنا، سعادت اس کو کہتے ہیں
علیؑ کی مداح کا پڑھنا، کرامت اس کو کہتے ہیں
علیؑ کے نام کا لینا، حلاوت اس کو کہتے ہیں
علیؑ کی حُب میں مرجانا، شہادت اس کو کہتے ہیں

ناسخ لکھنوی : بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیرؑ کا
روح القدس ہے نام مرے ہم صفیر کا

ناسخ : وہ خدا کا دوست ہے اور دوست ہے اس کا خدا
کیوں نہ ہو ناسخ محبت حیدرؓ کرارؓ کی

شیخ محمد ابراہیم ذوق : کرے ہے مہرِ علیؑ دل کو صاف پُر انوار
طلوع شمس پہ موقوف ہے وجودِ نہار
علیؑ سے کیوں نہ ہو اب زیر لشکرِ کفار
علیؑ ہے شکلِ علیؑ اور علیؑ ہے حرفِ جار

مرزا غالبؔ دہلوی : خدا کا بندہ خداوندگار بندوں کا
اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اس
یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علیؑ سے آ کے لڑے اور خطا کہیں اس کو
نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد، کافر ہے
رکھے امامؑ سے جو بغض، کیا کہیں اس کو

غالبؔ : غالبؔ! ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیِ بوترابؑ میں

غالبؔ : بہت سہی غمِ گیتی، شراب کم کیا ہے
غلامِ ساقیِ کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے

غالبؔ : کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقیِ کوثر کے باب میں

غالبؔ : سات اور سات ہوتے ہیں چودہ
با امید سعادت افزائی
غرض اس سے ہیں چاردہ معصومؑ
جن سے ہے چشمِ جاں کو زیبائی
اور بارہ امامؑ ہیں بارہ
جس سے ایماں کو ہے توانائی
ان کو غالبؔ یہ سال اچھا ہے
جو ائمہؑ کے ہیں تولائی

میر انیس لکھنوی : دل سیر ہے گدائے جنابِ امیرؑ کا
خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا
مطلب یہی ہے ہاتھ کی ہر اک لکیر کا
دامن نہ چھٹنے پائے جنابِ امیرؑ کا
کیا پوچھتے ہو نام مرے دستگیر کا
بازو نبیؐ کا، ہاتھ خدائے قدیر کا
خیبر کا در اکھاڑ لے وہ جلِ شانہٗ
ٹکڑا نمک سے کھائے جو نانِ شعیر کا
کیا پوچھتے ہو مذہب و مشرب فقیر کا
شیشہ بغل میں ہے مئے خمِ غدیر کا

پیری تو آ چکی ہے مگر مہلت، اے اجل!
کرلوں طواف قبرِ جنابِ امیرؑ کا

انیسؔ : دشمن نہ ہوتا گر کوئی زوجِ بتولؑ کا
کرتا کبھی نہ خلق جہنم کو پھر خدا

دبیرؔ لکھنوی : حیدرؑ کو جو حق کا ولی کہتا ہے
شاباش! قدیرِ ازلی کہتا ہے
کہتا ہے نصیری علیؑ کو اللہ
بندہ اللہ کو علیؑ کہتا ہے

احمد رضا خان بریلوی : ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جد اعلیٰ ہے ہمارا
اے مدعیو! خاک کو تو خاک نہ سمجھو
اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا
اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا
وہ حیدرؑ کرار جو مولاؑ ہے ہمارا

مہدی مجروحؔ : یا علیؑ! نائبِ خدا ہو تم
کیوں نہ بندوں کے پیشوا ہو تم
مصطفیٰؐ کے خلیفۂ برحق
حسبِ فرمانِ انّما ہو تم

کس کا ادراک جز پیمبرؐ کے
کون سمجھے تمہیں کہ کیا ہو تم
جائے معصوم کار حق معصوم
نائب سیّدالوریٰ ہو تم
صابر و شاکر و حلیم و کریم
مرکز انسب کے مرتضیٰؑ ہو تم
دم یہاں کون مار سکتا ہے
نفسِ پیغمبرؐ خدا ہو تم

محمد علی شادؔ عظیم آبادی : اے شادؔ! کر علیؑ کی زیارت بوقتِ نزع
تصویر دیکھ قدرتِ پروردگار کی

بیدمؔ : بیدمؔ! یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنساءؑ، حسینؑ و حسنؑ، مصطفیٰؐ، علیؑ

بیدمؔ : بصد تلاش نہ کچھ وسعتِ نظر سے ملا
نشانِ منزلِ مقصود راہبر سے ملا
نبیؐ ملے تو ہمیں خانۂ خدا سے ملے
خدا کو ڈھونڈا تو وہ بھی علیؑ کے گھر سے ملا

جوشؔ ملیح آبادی : سلمائے روزگار کو زریں قبا ملی
انسانیت کو دولتِ صد ارتقا ملی

ہنستی ہوئی قدر کے گلے سے قضا ملی
آغوش میں رسولؐ کو اپنی دعا ملی
جیسے ہی نصفِ نور ملا نصف نور سے
اپنے کو کردگار نے دیکھا غرور سے

میر شجاعت علی شجیعؔ : باعثِ تخلیقِ عالم آپ ہیں
افتخارِ نسلِ آدم آپ ہیں
رازدارِ اسمِ اعظم آپ ہیں
قسمتِ انساں کے محرم آپ ہیں
شان ہے عالم پناہی آپ کی
دونوں عالم میں ہے شاہی آپ کی

سیّد سرفراز حسین خبیرؔ لکھنوی : سو جاں سے غلامِ نفسِ پیغمبرؐ ہوں
خاکِ درِ بادشاہِ بحر و بر ہوں
کیوں قلعہ مضموں پہ نہ قبضہ ہو خبیرؔ
مداحِ سرائے فاتحِ خیبر ہوں

فیض بھرت پوری : نور کچھ سمجھے ہیں، کچھ کہتے ہیں یہ انسان ہے
جو ہیں عارف، وہ یہ کہتے ہیں خدا کی شان ہے
ہیں علیؑ آغوشِ پیغمبرؐ میں، کہتے ہیں ملک
خانۂ کعبہ میں دیکھو رحل پر قرآن ہے

مولانا کوثر نیازی : اللہ و مصطفیٰ ترے، دونوں جہاں گدا ترے
کون و مکاں سدا ترے، قلب و جگر فدا ترے
باغ جہاں گلی تری، پیر مرا علیؑ ولی
دم ہمہ دم علیؑ علیؑ، دم ہمہ دم علیؑ علیؑ

سرور نواب سرورؔ : تحریرِ سلونی میں جلی لکھتا ہے
جاگیرِ امامؑ ازلی لکھتا ہے
قدرت نے غازی کے قلم سے سرورؔ
ہر علم کے ماتھے پہ علیؑ لکھتا ہے

اخترؔ علوی : نگاہیں عرشِ رب پر چڑھ رہی ہیں
اُدھر سے رحمتیں بھی بڑھ رہی ہیں
میں بیٹھا ہوں تصور میں علیؑ کے
میری سانسیں نمازیں پڑھ رہی ہیں

رشیدؔ شہیدی : فرازِ دار سے میثم بیان دیتے ہیں
کہ ہم علیؑ کی محبت میں جان دیتے ہیں
چڑھا لو دار پہ جو چاہے ظلم کرلو مگر
رہے گا ذکرِ علیؑ ہم زبان دیتے ہیں
صفیں بناؤ محبّو کہ دار سے میثم
نمازِ عشقِ علیؑ کی اذان دیتے ہیں

علیؑ کی جائے ولادت کی بات جب آئی
کہا خدا نے ہم اپنا مکان دیتے ہیں
ابوترابؑ کی مدحت کا قصد کر کے رشیدؔ
ہم اِس زمین کو اک آسمان دیتے ہیں

اخترؔ زیدی : ایسا بندہ ہے جسے لم یزلی کہتے ہیں
عبد و معبود کے رشتے کو علیؑ کہتے ہیں

مقصودؔ جاوید : مدح سکھلائی ہے دوزخ سے اماں بخشی ہے
عزتِ ذکرِ شہ کون مکاں بخشی ہے
ایک میثم کی زباں کاٹ کے خوش تھا ظالم
اُسی میثم نے ہزاروں کو زباں بخشی ہے

رشیدؔ شہیدی : ہو با وضو جو سماعت تو شاید آئے صدا
کہ چاہیے تجھے کیا تجھ سے پوچھتا ہے علیؑ
عطا وہ کرتا ہی رہتا ہے ہم جو چاہتے ہیں
کبھی تو سونچو کہ کیا ہم سے چاہتا ہے علیؑ

حلمیؔ آفندی : ہے فضا میں آج تک محفوظ قدرت کی پکار
لافتیٰ اِلّا علیؑ لاسیف اِلّا ذوالفقار
خانہ کعبہ ہے شاہد مسجد کوفہ گواہ
تیرے آنے کے تصدق تیرے جانے کے نثار

صمصام علی گوہر : ہم اپنے پاس ہزار آفتاب رکھتے ہیں
بلند فکر نظر لاجواب رکھتے ہیں
ہمارے سامنے سورج کا کیا چراغ جلے
جبیں پہ خاکِ درِ بوترابؑ رکھتے ہیں

عادل نجمی : رشتہ جو تھا حیات سے بالکل وہ کٹ گیا
دیکھی اندھیری قبر تو دل غم سے پھٹ گیا
ایک دم ہوا یہ شور کے وہ آگئے علیؑ
سوجھی نہ کچھ تو پائے علیؑ سے لپٹ گیا

محمد علی وفاؔ : سر اپنے کبھی شرک کا الزام نہ لینا
بجز نامِ علیؑ اور کوئی نام نہ لینا
شبیرؑ پہ گریے کے سوا دیدِ علیؑ تک
آنکھوں سے وفاؔ اور کوئی کام نہ لینا

حیدر علی اخترؔ : دور مجھ سے تیرگی ہے یا علیؑ کہنے کے بعد
روشنی ہی روشنی ہے یا علیؑ کہنے کے بعد
ہو رہا ہے میرے دل پر آیتوں کا اب نزول
شاعری، پیغمبری ہے یا علیؑ کہنے کے بعد
کاش دم نکلے میرا بھی یا علیؑ کہتے ہوئے
موت پھر تو زندگی ہے یا علیؑ کہنے کے بعد

مدحتِ مولاؑ پہ اختر! سرخرو ہوں اس لیے
حمد بھی میں نے کہی ہے یا علیؑ کہنے کے بعد

سعید شہیدی : میرے لب پہ تو رہتا ہے صبح و مسا، یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ!
بندہ پرور! یہی ہے وظیفہ مرا، یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ!
ہے زمانہ مخالف تو ہوتا ہے کیا، مجھ کو مطلق زمانے کی پروا نہیں
سانس جب تک ہے باقی کہے جاؤں گا یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ!
آپ کیا ہیں، حقیقت ہے کیا، آپ کی خود مشیت کا بھی ہے اشارہ یہی
مصطفیٰؐ کو بھی مشکل میں کہنا پڑا یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ!

سعید شہیدی : مرضیِ کبریا میں رسائی علیؑ کی ہے
دونوں جہاں میں جلوہ نمائی علیؑ کی ہے
گر یہ خدا نہیں ہیں تو اتنا ضرور ہے
خالق خدا ہے اور خدائی علیؑ کی ہے

سعید شہیدی : حقیقت اور محبت کا رہنما کہتے
نظر قیام جو کرتی تو انتہا کہتے
تمام جلوے تھے یکجا علیؑ کے چہرے میں
خدا نہ کہتے نصیری تو اور کیا کہتے

سعید شہیدی : نگاہ حق کی بدلتی نہیں کسی کے لیے
چراغ نور کا ہوتا ہے روشنی کے لیے

: مری نظر بھی بس اتنا ہی سمجھی ہے ماتھرؔ
نبیؐ علیؑ کے لیے تھے علیؑ نبیؐ کے لیے

نورِ حق کہتے کہ خالق کہ ضیا کہہ دیتے
سامنے ہوتے تو کیا جانئے کیا کہہ دیتے
یوں تو کہتے ہیں نصیری کی نظر چوک گئی
دیکھتے ہم بھی علیؑ کو تو خدا کہہ دیتے

وہی ہے پھول جو اہلِ نظر میں پھول بنے
علیؑ کے واسطے کیا جانے کیا اصول بنے
ادھر نگاہِ نصیری اِدھر شبِ ہجرت
وہاں خدا نظر آئے یہاں رسولؐ بنے

نہیں ہے موت جسے ایسی زندگی تو نہیں
ازل میں دیکھا تھا جس کو وہ روشنی تو نہیں
نبیؐ بھی دیکھتے ہیں غور سے شبِ معراج
علیؑ کا ہاتھ ہے پردے میں خود علیؑ تو نہیں

قرار نامِ علیؑ ہے دلِ حزیں کے لیے
نجف کی خاک بھی مخصوص ہے جبیں کے لیے
کبھی رسولؐ کا بستر کبھی شبِ معراج
جو آسماں کے لیے ہے وہی زمیں کے لیے

ملتی جلتی شکل ہے ملتی ہوئی تقدیر ہے
چشمِ ایماں میں نمایاں نور کی تحریر ہے
یکساں ہے جلوۂ حق وہ نبیؐ ہوں یا علیؑ
دوہری تنویریں ہیں لیکن ایک ہی تصویر ہے

اُلفت کے واسطے ہو کہ عظمت کے واسطے
یا اہلِ دیں کی خاص عبادت کے واسطے
ہم تو یہی سمجھتے ہیں اے مرتضیٰ علیؑ
کعبہ بنا تھا تیری ولادت کے واسطے

خود اپنی طرح سے جلوہ نمائی دینے والے نے
کیا مشکل کشا عقدہ کشائی دینے والے نے
علیؑ ابن ابی طالب عطا ہو گر تو ایسی ہو
مشیت بھی تمہیں دیدی خدائی دینے والے نے

نہ پھول کھل سکے گلشن میں انتظار کے بعد
خزاں کا رنگ تو جچتا نہیں بہار کے بعد
نہ پھر ہوا کوئی حیدرؓ سا فاتحِ خیبر
نہ ہو سکی کوئی تلوار ذوالفقار کے بعد

محمد اقبال لاہوری : یہ ہے اقبال فیضِ یادِ نامِ مرتضیؑ جس سے
نگاہِ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

اقبال : خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اقبال : فیض، اقبالؔ! ہے اسی در کا
بندۂ شاہ لافتیٰ ہوں میں

اقبال : کرم کرم کہ غریب الدیار ہے اقبالؔ
مرید پیرِ نجف ہے، غلام ہے تیرا

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہل بیتؑ
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؑ مجھے

آغا شاعر قزلباش دہلوی : صفائے قلب سے لیتا ہے کارِ نیک نہاد
بحق آیۂ تطہیر یا علیؑ امداد

شاعر قزلباش : تو مالک کونین ہے پر کیا ہے بڑی بات
لکھا ہے سرِ عرش، نہیں میں نے گھڑی بات
سچ کہتا ہوں بن جائے گی موتی کی لڑی بات
گیارہ ترے نائب ہیں یہ کہہ دوں جو اڑی بات

شاعر قزلباش : میں اور تری ذات سے محروم رہوں گا
بارہ مرے ساقی ہیں، ہزاروں میں کہوں گا

باقر زیدی : منقبت جب علیؑ کی پڑھتے ہیں
ہم زمیں پر قدم نہیں رکھتے

باقر زیدی : میں بندۂ خدا ہوں علیؑ کا غلام ہوں
ٹھوکر میں میری گردشِ لیل و نہار ہے

باقر زیدی : سارے جہان کو چھوڑ کر ہم نے علیؑ کو چن لیا
دونوں جہاں مل گئے ایک ہی انتخاب میں

روپ کنوار کماری : وہ مے پلا کہ ملی مل اتی کے پردے میں
وہ مے عیاں جو ہوئی انما کے پردے میں
وہ مے بتولؑ نے جو پی حیا کے پردے میں
جسے علیؑ نے پیا ہے خدا کے پردے میں
وہ مے جو عرشِ معلیٰ پہ تھی کشید ہوئی
دوبارہ کھینچ کے پھر خم میں جس کی عید ہوئی

دبیر : کیا قامتِ زہراؑ و علیؑ زیبا ہیں
بے شک ایمان کے دو الف اک جا ہیں
ان دونوں کے فرزند ہیں گیارہ معصوم
جیسے دو الف سے یازدہ پیدا ہیں

دھرمیندر ناتھ : میں ہوں اک بندۂ احقر مگر یہ ناز ہے مجھ کو
عقیدت ہے محمدؐ سے علیؑ سے آلِ حیدرؑ سے
میری فکر و نظر کو مل رہی ہے روشنی پیہم
مدینے سے نجف سے کربلا کی خاکِ اطہر سے

ماتی جائسی : کعبہ مسجودِ جہاں ہے تیرے دم سے یا علیؑ
اس طرح ربطِ جبین و آستاں پہلے نہ تھا

شبیر حامد : ڈرے گا آتشِ دوزخ سے وہ بھلا کیا خاک
جو دل میں دوستیِ بوترابؑ لے کے گیا

شبیر حامد : وہ اور تھے جنھیں عزت ملی خلافت سے
یہ امر موجبِ فخرِ ابوترابؑ نہیں

شبیر حامد : در لباسِ حق جمالِ مصطفیٰؐ دیدے کلیمؑ
در گلیمِ مصطفیٰؐ بینم جمالِ بوترابؑ

کامل شطاری : نجات کے لیے منہ کیا ہے پھر اگر کامل
جبیں پہ خاکِ کفِ پائے بوترابؑ نہیں

نعمت اللہ ولی : ماسوائے از ولائے آں ولی افراشتم
طبل در زیر گلیم آخر چرا باید زدن

کامل شطاری : جب علیؑ نتیجہ ہے حسنِ آگہی کا
مولاؑ پہ جان دینا مقصد ہے زندگی کا

حسن علی جائسی : عبث در معنیٔ من کنت مولای روی ہر سو
علیؑ مولاؑ بہ آں معنی کہ پیغمبرؐ بود مولاؑ

خواجہ اجمیری : دعوائے خلافت بہ سند می باید
من کنت حدیث در مدد می باید
ایں جائے نفاق و منکر و خائن نیست
ایں منزلِ شیر است اسد می باید

ندیم نقوی : بک جاتے عقیدے بھی یہاں زر کی طلب میں
سولی پہ اگر میثم تمار نہ ہوتے
لاتے نہ تصور میں کبھی خلد بریں کو
حسنینؑ اگر خلد کے سردار نہ ہوتے

دبیر لکھنوی : عید نو روز عید اکبر شد
جانشینِ رسولؐ حیدرؑ شد
عدلِ حیدرؑ ببین کہ از امروز
در جہاں روز و شب برابر شد

جگر مراد آبادی : یہ خوں ہے جو مظلوموں کا ضائع تو نہ جائے گا لیکن
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرفِ بہاراں ہوتے ہیں

شاداںؔ دہلوی : وہی رہے گا قیامت کی دھوپ سے محفوظ
نصیب ہوگا جسے سایۂ ردائے غدیر
کمیل و بوذر و سلمان و میثم و مقداد
تمام عمر ملی ہے انھیں سزائے غدیر

شاداںؔ دہلوی : غدیر آج بھی سر چشمۂ ہدایت ہے
یہ بات تم نے نہ پائی تمہاری قسمت ہے
کبھی علیؑ کے فضائل سے انحراف نہ کر
یہ انحراف شعورِ بشر کی ذلت ہے

شاداںؔ دہلوی : چار لفظوں میں دین کی تفسیر
ذوالعشیرہ علیؑ رسولؐ غدیر
نہ سمجھ پاؤ گے بغیرِ غدیر
ضربِ حیدرؑ نہ سجدۂ شبیرؑ

شاداںؔ دہلوی : وہ شاعری جسے جزوِ پیغمبریؐ کہیئے
مقامِ معرفتِ مدحتِ علیؑ کہیئے
کبھی علیؑ کو سمجھ کے جو یا علیؑ کہیئے
اس ایک لمحۂ عرفاں کو اک صدی کہیئے

شاداںؔ دہلوی : وہی میرا خدا سنتا ہے شاداںؔ
جو کہتا ہوں نصیری کے خدا سے

شاداں دہلوی : اسلام میں غدیر اک ایسا مقام ہے
مومن کی جو سحر ہے منافق کی شام ہے
یہ راز بھی غدیر کے خطبے سے کُھل گیا
اسلام تو علیؑ کی محبت کا نام ہے

شاداں دہلوی : جو ہاتھ آئے شعورِ بوذری و فکرِ سلمانی
تو مل سکتی ہے انساں کو فقیری میں بھی سلطانی

شاداں دہلوی : تو چراغ و مسجد و محراب و منبر کا امیں
انقلابِ فکر کا پروردگارِ اوّلیں

شاداں دہلوی : جو بہ فضل رب درِ مشکل کشا پر جھک گیا
پھر وہ سر جھکتا نہیں ہرگز کسی کے سامنے

شاداں دہلوی : بس ایک موجِ سلونی بقدرِ ظرفِ طلب
فراتِ علم ہے ذہنوں کی تشنگی کے لیے

شاداں دہلوی : چراغ و مسجد و محراب و منبر دیکھنے والو
تمہیں اب بھی نشانِ عظمتِ حیدرؑ نہیں ملتا

شاداں دہلوی : اُسی شاعر کو حق ہے صرف مدحِ آلِ اطہر کا
جو اربابِ حکومت سے کبھی دب کر نہیں ملتا

شاداں دہلوی :
آپ کو یورشِ آلام کا شکوہ ہے بہت
کیا کبھی نامِ علیؑ آپ نے لے کر دیکھا

شاداں دہلوی :
پی رہا ہوں بادۂ پر نور حُب مرتضیٰ
آگیا ہے میرے ساغر میں پگھل کر آفتاب

شاداں دہلوی :
نہ ہے یہ آیۂ محکم نہ سورۂ قرآں
مگر تلاوت نادِ علیؑ عبادت ہے
علیؑ کو دیکھ کے اللہ یاد آتا ہے
جبھی زیارتِ روئے علیؑ عبادت ہے

شاداں دہلوی :
علیؑ کی معرفت کا ذکر ہی کیا ہے خرد والو
کئی صدیاں ابھی درکار ہیں عرفانِ قنبر کو

شاداں دہلوی :
علیؑ کا نام لینے کی اگر ہمت نہیں ہوتی
غلامانِ علیؑ آواز دے لیتے ہیں قنبر کو

نتھولال وحشی :
منطق غلط ہے واعظِ خانہ خراب کی
حد باندھتی نہیں ہے محبت جناب کی
پڑتی ہے ہر مکاں پہ کرن آفتاب کی
بخشش کو جب اترتی ہے رحمت سحاب کی
یہ دیکھتی نہیں کہ یہ سبزہ یا ریت ہے
ہندو کا کھیت ہے کہ مسلماں کا کھیت ہے

سعید شہیدی : علیؑ بالیں پہ ہیں جو پوچھنا ہے پوچھ لو ان سے
فرشتو قبر میں آرام لینا چاہتا ہوں میں

سعید شہیدی : آ گیا کیا تری بالیں پہ ترا عقدہ کشا
مرنے والے ترے ہونٹوں پہ ہنسی کیسی ہے

سعید شہیدی : علیؑ بالیں پہ ہیں لب پر ہنسی ہے
کہاں کی موت یہ تو زندگی ہے

سعید شہیدی : یقیناً موت میری حاصل صد زندگی ہوگی
علیؑ بالیں پہ ہوں گے میرے ہونٹوں پر ہنسی ہوگی

سعید شہیدی : علیؑ بالیں پہ ہوں گے داغ ماتم ہوں گے سینے پر
سعیدؔ اس پر بھی کیا میری لحد میں تیرگی ہوگی

سعید شہیدی : جو مجھ سے پوچھا نکرین نے امامؑ ہے کون
اشارہ کر کے سرہانے میں مسکرانے لگا

سعید شہیدی : جہادِ زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا
زباں پر بے تکلف یا علیؑ تیرا ہی نام آیا

سعید شہیدی : سمجھ کر حاصلِ ایماں، علیؑ کا نام لیتا ہوں
بہر صورت بہر عنواں علیؑ کا نام لیتا ہوں

شکیل شمسی : شجر سب حرف زن ہوتے ہیں غنچے بول اُٹھتے ہیں
علیؑ کا ذکر کیجے تو شگوفے بول اُٹھتے ہیں
علیؑ کے عشق میں یارو تقیہ غیر ممکن ہے
زبانیں چپ بھی رہ جائیں تو چہرے بول اُٹھتے ہیں

نجم آفندی : یادِ علیؑ ہے دل میں دنیا سے جا رہا ہوں
اے نجم در حقیقت یہ موت زندگی ہے!

نجم آفندی : ہاتھ میں قرآں رہا یا ذوالفقارِ برق زا
راسخون ولافتیٰ میں شانِ حیدرؑ دیکھیے

دبیر : ع سے عین عبادت کا سر انجام ہوا
ل وہ لام کہ جس لام پہ اسلام ہوا
ی سے یاور ہوئے مشکل میں ہر اک بندے کی
صدقے اس نام کے کیا خوب علیؑ نام ہوا

علامہ اقبال : مرتضیٰؑ کز تیغ او حق روشن است
بوترابؑ از فتحِ اقلیمِ تن است

سعید شہیدی : ہمیشہ وردِ زباں ہے علیؑ کا نام اقبال
کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینہ سے

سعید شہیدی : علیؑ کا نام ہو وردِ زباں اور دم نکل جائے
اب اپنی موت سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں میں

سعید شہیدی : نامِ علیؑ آتے ہی زباں پر
دل کو کیا تسکین ہوئی ہے

سعید شہیدی : جب یہ پوچھا گیا اس کا مطلب ہے کیا قل کفا ہل اتی انما لافتیٰ
مسکرا کر جواباً یہ میں نے کہا یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ!

سعید شہیدی : ورد کرنے لگا میں جو نادِ علیؑ بھول بیٹھے فرشتے جو تھا پوچھنا
وہ بھی کہنے لگے میں بھی کہنے لگا یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ! یا علیؑ!

سعید شہیدی : وردِ نادِ علیؑ کا اے ناداں
اصل میں روح کی طہارت ہے

حالی : مظلوم کتنے تیرے سہارے
ایلی ایلی کہتے سدھارے

ذیشان جوادی کلیمؔ : وارثِ دین خدا ہے جانِ مولودِ حرم
ہوگا ظاہر اس لیے بیتِ خدا کے سامنے
لافتیٰ الاعلیؑ لاسیف الاذوالفقار
پھر پڑھیں گے حضرت جبرئیلؑ آ کے سامنے

مولانا صالح کشفی : تا جان بہ تن است راہِ حیدرؑ پویم
تا چشم بسر جمالِ حیدرؑ جویم
خواہم کہ بہ ہر موئے پذیرفتہ زبان
چوں ذکر خدائے ذکرِ حیدرؑ گویم

عابد حسین نظامی : علیؑ کے پائے کا پایا نہ آج تک زاہد
علیؑ سا دیکھا نہ بعد از نبیؐ کوئی ساجد
علیؑ کے شیفتہ سب ہیں مگر بجز حاسد
کھلا یہ ہم پہ حدیثِ غدیر سے عابد
خدا کے بعد نبیؐ ہے نبیؐ کے بعد علیؑ

مخمور لکھنوی : کیا نظر کے سامنے تھے اور کیا کہنے لگے
شامِ ہجرت سب علیؑ کو مصطفےٰؐ کہنے لگے

مخمور لکھنوی : بے سبب کہتے نہ حیدرؑ کو نصیری اپنا رب
کچھ تو دیکھا تھا جو بندے کو خدا کہنے لگے

مخمورؔ پرشاد لکھنوی : وفا کی راہ چلتے ہیں وفا کی روشنی والے
کلامِ حق بھی پڑھ لیتے ہیں آیاتِ جلی والے
مسلماں تو نہیں ہیں ہم مگر اتنا سمجھتے ہیں
درِ جنّت سے واپس آ نہیں سکتے علیؑ والے

حسرتؔ موہانی : پہنچ کر درِ شاہِؑ مرداں پہ اکثر
خصوصی شرف پاگئے ہم سے عامی

جعفرؔ زیدی : ہم اہلِ مودّت کا ٹھکانہ درِ زہراؑ
اچھی نہیں لگتی ہمیں دربار کی خوشبو

کرامتؔ غوری : حسنینؑ کا پدر بھی تھا اور تاجِ سیّدہ
کیا کیا فضیلتیں تھیں فضیلتِ مآبؑ میں
میری بساط کیا جو علیؑ کی ثنا کروں
لکھے ہیں ان کے وصف خدا کی کتاب میں

روپؔ کماری : مظہرِ نورِ رسالتؐ ہیں جنابِ زہراؑ
گُل جو احمدؐ ہیں تو نکہت ہیں جنابِ زہراؑ
والیٔ ملکِ شریعت ہیں جنابِ زہراؑ
منبعِ عفت و عصمت ہیں جنابِ زہراؑ
وصف جب بی بی کا قرآن میں بھگوان کرے
اس کی توصیف بھلا کیا کوئی انسان کرے

روپ کماری : کس قدر آپ کے یا فاطمہؑ اچھے ہوئے بھاگ
کوکھ ٹھنڈی رہی قائم رہا حیدرؑ کا سہاگ
پارسا ایسی کہ حیدرؑ پڑھیں دامن پہ نماز
ناز ہے جس پہ نمازوں کو وہ ہے ان کی نماز
عرشِ اعظم پہ ہوا کون سی بی بی کا بیاہ
کس کا شوہر ہوا دنیا کے لیے پشت و پناہ

روپ کماری : بادۂ الفتِ زہراؑ کی طلب گار ہوں میں
پی چکی جو کئی ساغر وہی میخوار ہوں میں
گو خطاوار ہوں دیرینہ گناہ گار ہوں میں
پر ازل سے اسی بادہ کی پرستار ہوں میں
مرے دیرینہ گناہوں کی دوا دے ساقی
آج زہراؑ کی ردا دھو کے پلا دے ساقی

روپ کماری : وہ پلا جس کو رسولوںؑ نے اماموںؑ نے پیا
وہ پلا پیتے رہے ہیں جسے خاصانِ خدا
نشہ جس مے کا سدا حضرتِ موسیٰؑ کو رہا
جس کو پیتے رہے داؤدؑ و مسیحؑ و یحییٰؑ
جس کے عادی تھے زمانہ میں طریقت والے
جس کو پیتے رہے دنیا میں شریعت والے

روپ کماری : جس میں شامل رہی بھگوان کی رحمت وہ پلا
نکھری جس بادہ سے اسلام کی رنگت وہ پلا
جس کے پینے کی ہے قرآں میں ہدایت وہ پلا
پی گئے جس کو شہیدانِ محبت وہ پلا
ہاں پلا جلد کہ میخوار کا جی چھوٹتا ہے
دیکھ انگڑائیاں آتی ہیں بدن ٹوٹتا ہے

روپ کماری : خدا کا شیر تو ہی ہے مہابلی ہے تو ہی
تمام خلق سے اولیٰ تو ہی علیؑ ہے تو ہی

روپ کماری : اِسی ثنا سے بتوں کا قرار جاتا ہے
اِسی کے صدقے میں بھگوان یاد آتا ہے

روپ کماری : علیؑ کے چرنوں کا ہر ایک کو سہارا ہے
علیؑ جگت میں وہ پرماتما کا پیارا ہے

روپ کماری : علیؑ کسی نے نہ جانا کسی نے کیا سمجھا
مرے رشی کو نبیؐ سمجھے یا خدا سمجھا

روپ کماری : خطا یہ ہے کہ محض بے خطا ہے روپ کمار
علیؑ کے عشق میں پر جتلا ہے روپ کمار

زمانہ گرچہ مخالف ہوا ہے روپ کمار
میں ان کی ہوں مجھے پرواہی کیا ہے روپ کمارؔ
کسی کو کیوں کہوں کشتی کو میری پار کرے
علیؑ سا جس کا کھیّا ہو کیوں بچار کرے

روپ کماری : کسی رشی سے غرض ہے نہ دیوتا سے غرض
ہے اپنے دل کو محمدؐ سے مرتضیٰؑ سے غرض
وقار دو مجھے مہاراج بے وقار ہوں میں
کمار اپنے گناہوں سے شرم سار ہوں میں
صفت ہے کچھ کوئی خوبی نہ پاس رکھتی ہوں
مگر حضورؐ کی کرپا کی آس رکھتی ہوں
مدد بھی کیجیے مہراج مجھ پہ آفت ہے
میں کھل کے کہہ نہیں سکتی جو دل کی حالت ہے

روپ کماری : مرے رشی کی ہے وہ بارگاہِ عالی جاہ
ملک بھی مانتے ہیں جس کو اپنی تیرتھ گاہ
وہی خدا ہے نصیری کا اور وہی اللہ
اسی مقام کی پوجا کرے ہے خلقِ اللہ
دھرم یہی ہے اور اپنا وہیں گیا جی ہے
نجف ہمارے لیے ہردوار و کاشی ہے

فرید لکھنوی : پلا بھی دے تا کہ نظر آئے مجھکو نور ہی نور
حواس و ہوش بڑھیں عقل میں نہ آئے فتور

فرید لکھنوی : ساقی کہ اک اشارے پہ جائیں نثار ہیں
عقل میں بھی پیے ہیں جو وہ بادہ خوار ہیں

فرید لکھنوی : رنگ اس بزم کا جمتا ہے جگر کے خوں سے
شیشے ہیں نظم کے لبریز مے مضمون سے

فرید لکھنوی : پی مصطفیٰؐ نے اتنی کہ سرتاج ہو گئی
نشہ چڑھا تو ایسا کہ معراج ہو گئی

:

فرید لکھنوی : یاں کے ساغر جو پیے غنچہ دل کھلتا ہے
اِسی میخانہ سے رندوں کو خدا ملتا ہے

نامعلوم : مے جو طاہر ہے تو ہر ایک کو مشتاق ہے
پیتے ہیں سارے نبیؑ دستِ خدا ساقی ہے

دبیرؔ : حیدرؑ نے ہر اقلیم کو تسخیر کیا
مالک نے انھیں مالک شمشیر کیا
قائل جو ولادت کے نہ تھا کوئی گھر
گھر حق کا خلیلِ حق نے تعمیر کیا

دبیرؔ : یاشیرِؑ خدا، خدا کے نائب ہو تم
یکساں بہ خدا حاضر و غائب ہو تم
مہمان ہوئے اک وقت میں چالیس جگہ
ظاہر ہے کہ مظہرالعجائب ہو تم

انسؔ لکھنوی : اے انسؔ جو دل حُبِ علیؑ سے نہیں سرمست
اس شخص کا حصّہ مئے کوثر میں نہیں ہے

انسؔ لکھنوی
کونین سے دل سیر ہے یارب اپنا
ہو درِ نجف شرف میں کوکب اپنا
رویا میں ہو یا نزع میں یا تربت میں
دیدار علیؑ ہے عین مطلب اپنا

مشکور حسین یادؔ : علیؑ کے فضل کا اقرار یا انکار مشکل ہے
کہ اس میں اہلِ دنیا کو خطر یوں بھی ہے اور یوں بھی
علیؑ کو جانتا تو ہے مگر پہچانتا کم ہے
یہ بے چارہ مسلماں بے خبر یوں بھی ہے اور یوں بھی

انیسؔ : الفتِ یوسف زلیخا کو ہمیں حُبِ علیؑ
کوئی پیاسا حوضِ کوثر پر تو کوئی چاہ پر

انیسؔ : ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت اثر ہوئے
جن پر علیؑ لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

صوفی باسطؔ : علیؑ اور نمک کے عدد ہیں برابر
بغیرِ علیؑ دینِ احمدؐ ہے پھیکا
نمک کھا رہا ہے اگر تو علیؑ کا
نہ لکھ پھر قصیدہ کسی لعنتی کا
حلالِ نمک ہے علیؑ کی محبت
حرامِ زماں ہے وہ دشمن علیؑ کا

نقی عابدیؔ : یہ بابِ علم کا صدقہ ہے کہ علیؑ والے
سوال کرنے سے پہلے جواب رکھتے ہیں

عزلتؔ : بے عینِ علیؑ عشقِ خدا شق گردد
بے لامِ علیؑ عقل و زکا عق گردد
بے یائے علیؑ شود یقیں اللہ قیں
ہر کس کہ علیؑ شناخت او حق گردد

نامعلوم : سوائے اس کے کہو کون شاہِ مرداں ہے
خدا نے تیغ دیا اور رسولؐ نے دختر

نامعلوم : مجکو ہر چند نہیں شیعہ و سنی سے کام
پر یہ سمجھا ہوں کہ اس دور میں بارہ ہیں امام
ان سوا ہو جو کوئی ہے وہ امامِ تسبیح
جس تلک پہنچے سے موقوف ہو اللہ کا نام

نامعلوم : مرجعِ معرفت شانِ رسالتؐ ہے علیؑ
رحمتِ حق ہیں نبیؐ سایۂ رحمت ہے علیؑ
جس کی تفسیر سلونی ہے وہ آیت ہے علیؑ
حلِ مشکل کے لیے سب کی ضرورت ہے علیؑ
یا علیؑ کہہ کے جہاں لب پہ دعائیں آئیں
لو چراغوں کی بڑھانے کو ہوائیں آئیں

نامعلوم : ایمان کا مقصود محمدؐ بھی علیؑ بھی
دلدادۂ معبود، محمدؐ بھی علیؑ بھی
بوجہل کے محسود، محمدؐ بھی علیؑ بھی
سچائی میں موجود، محمدؐ بھی علیؑ بھی
اب اس سے بڑا ربطِ وفا ہو نہیں سکتا
خوشبو سے کبھی پھول جدا ہو نہیں سکتا

شمیمؔ امروہوی : علیؑ کی تیغ کے دم سے ہوا ہر معرکہ فیصل
اُحد کا بدر کا صفین کا خندق کا خیبر کا

نامعلوم : دور رہنا قبر سے منکر نکیر آنا نہ پاس
گھر میں بندے کے نصیری کا خدا آنے کو ہے

دبیرؔ : ہر شام کو خورشید کہاں جاتا ہے
روشن ہے دبیرؔ پر جہاں جاتا ہے
مغرب ہی کی جانب تو ہے قبرِ حیدرؑ
یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

انیسؔ : کتاب کفر کا کاٹا علیؑ نے شیرازہ
کسی کی فصل نہ تھی اور کسی کا باب نہ تھا

اقبالؔ : پوچھتے کیا ہو مذہب اقبالؔ
یہ گنہ گار بوترابی ہے

نامعلوم : خدا کے گھر میں ولادت خدا کے گھر میں وفات
نہ ابتدا کا ہے کوئی نہ انتہا کا جواب
کوئی بشر نہ ملا ہم کو مرتضیٰؑ کی طرح
کہاں سے لائیں نصیری ترے خدا کا جواب
اثر ہے یہ ابوطالبؑ کی گود کا شاید
کہ مصطفیٰؐ کا ہے کوئی نہ مرتضیٰؑ کا جواب

: مئے حُبِ علیؑ کے ہر طرف ساغر چھلکتے ہیں
ہوئی ساقی کی جب چشمِ کرم رندوں میں دم آیا
پئے حیدر اسی صورت فلک سے ذوالفقار آئی
پیمبرؐ کے لیے جیسے کلامِ محترم آیا

میر تقی میر : ہے ولائے اہلِ بیت اپنا شعار
جانے ہے اس کے تئیں سارا دیار
زیرِ لب کہتا ہوں میں پر اب کی بار
تو نے جو میں کہوں سب میں پکار
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

میر تقی میر : عقل ہے تو مرا کہا کر تو
محوِ یادِ علیؑ رہا کر تو
اک طرح یہ بھی ہے رہا کر تو
اشک رخسار پہ بہا کر تو
یا علیؑ یا علیؑ کہا کر تو

نامعلوم : شبیرؑ کربلا میں وارث ہیں مصطفیٰؐ کے
عباسؑ در حقیقت حیدرؑ ہیں کربلا کے
یہ شان یہ شجاعت یہ دبدبہ یہ ہیبت
عباسؑ کو ملے ہیں انداز مرتضیٰؑ کے

ریاضت حسین : عباسؑ نے کیا ہے سارے جہاں کو روشن
ایثار اور وفا کے لاکھوں دیے جلا کر

نامعلوم : عباسِؑ باوفا کی ولادت ہے دوستو
ہر سمتِ جشنِ ابن شہِ بوتراب ہے
گر باب شہر علم جنابِ امیرؑ ہیں
عباسؑ باوفا بھی مرادوں کا باب ہے

مخمور لکھنوی : مٹ نہیں سکتا کبھی مخمورؔ غم عباسؑ کا
نقشِ سجدہ بن چکا ہے ہر قدم عباسؑ کا
گر جہاں والوں میں دیکھیں گے عقیدت کی کمی
ہو کے ہندو ہم اٹھائیں گے علم عباسؑ کا

انیسؔ : کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
ٹھنڈا کروں گی میں تو جہنم جلائے گا

دبیرؔ : جانے میں رسولوں کی دُعا آنے میں تاثیر
بن جائے تو تدبیر بگڑ جائے تو تقدیر

انیسؔ : استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
پانی میں آگ، آگ میں پانی خدا کی شان

انیسؔ : دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

انیسؔ : کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہنچوں سے ہاتھ شانوں سے بازوتنوں سے سر
قبضہ سے تیغ بر سے زرہ، ہاتھ سے سپر
برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر

امیدؔ فاضلی : یہ تیغ وہ ہے کہتے ہیں سب جس کو ذوالفقار
نازل جو کی گئی پئے ضرغامِ کردگار
چمکی مثالِ برق جو رن میں یہ آبدار
سر پر کبھی گری تو کبھی دل کیا شکار
اس کی دغائیں بدر نہ خیبر سے پوچھئے
توفیق دے خدا تو پیمبرؐ سے پوچھئے

دبیرؔ : رہ جاتا ہوں انگشت بدنداں ہوکر
حیدرؑ کو کہا ابرِ سخن داں ہوکر
مانا کہ گہر بخش ہے نیساں بھی مگر
وہ دیتا ہے رو رو کے یہ خنداں ہوکر

انیسؔ : زینبؑ کی بھی دعا ہے کہ اے ربِ ذوالجلال
بچ جائے اس فساد سے خیرالنساءؑ کا لال
یا رب رسولؐ پاک کی کھیتی ہری رہی
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

انیسؔ : ہے راست پر وہی جسے حیدرؑ سے راہ ہے
حبِ علیؑ نہ ہو تو عبادت گناہ ہے

دبیرؔ : خالق نے عطا کی شہِ مرداں کو یہ قدرت
لیں ان کی زباں سے جو ہو محتاجوں کو حاجت
گردوں نے بلندی لی، زمیں نے زر و دولت
یوسفؑ نے لیا حُسن، سلیمانؑ نے حشمت
پر ان کی قناعت ہے فزوں حدِ بیاں سے
جز نامِ خدا آپ لیا کچھ نہ زباں سے

دبیرؔ : دنیائے دنی ان کا نشانِ کفِ پا ہے
لیکن وہ نشاں ہے کہ کفِ پا سے جدا ہے
عقبیٰ کی جو تعریف سنا کرتے ہو کیا ہے
وہ اک رہِ باریک ہے، یہ راہ نما ہے
لو سن لو خلاصہ کہ یہ خاصۂ حق ہے
بے اس کی گواہی کے نہ باطل ہے نہ حق ہے

دبیرؔ : کیا لامِ علیؑ سے معرفت حاصل ہے
یہ لام دلِ بادشہِ عادل ہے
قرآن کے سی پارے ہیں اور لام کے تیس
قرآن بلا فرق علیؑ کا دل ہے

دبیرؔ : محروم کسی کو نہ علیؑ نے رکھا
نے مال نہ زر حق کے ولی نے رکھا
کیا زہد ہے کیا فیض کہ رغبت سے کبھی
روزے کے سوا کچھ نہ علیؑ نے رکھا

دبیرؔ : بن بن کے ہزار بار آئی دنیا
پر چشمِ علیؑ میں نہ سمائی دنیا
جس طرح گرایا تھا درِ خیبر کو
نظروں سے اسی طرح گرائی دنیا

دبیرؔ : کہنے سے اذاں کے دین سب ملتا ہے
پر نامِ علیؑ نہ لو تو کب ملتا ہے
اعدادِ محمدؐ اور علیؑ کو گن لو
یہ دونوں جو باہم ہوں تو رب ملتا ہے

دبیرؔ : کونین پہ خالق کا ولی غالب ہے
ایمان ہے روح اور علیؑ قالب ہے

اللہ ہے مطلوب نبیؐ طالب ہے
کیا ذاتِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہے

دبیرؔ : کیوں حُبِ یداللہ سے نہ قیوم ملے
چودہ طبق اس نام کے محکوم ملے
دس یا کے ہیں اور دال یداللہ کے چار
اللہ کے ساتھ چودہ معصوم ملے

ولی دکنی : گئے رات معراج کی عرش اوپر بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کھلے پردے بھید کے سر پر کشف الدجیٰ بجمالہٖ
ہوئی حق کی جبیں پہ جب نظر حسنت جمیع خصالہٖ
ہوا حکمِ حق محبان اوپر صلّو علیہ و آلہٖ

ولی : نشۂ حُبِ علیؑ سے اس قدر سرشار ہوں
روزِ محشر تک نہیں آنے کی ہشاری مجھے

نقی عابدی : اختیارِ شوق اتنا ہوگیا ہے موت پر
جب تلک حیدرؑ نہ آئیں دم نکل سکتا نہیں
جس کو ماں سے مل گیا ہے دودھ میں عشقِ علیؑ
وہ علیؑ کو ساری دنیا سے بدل سکتا نہیں

نجمؔ آفندی : شاعر ہوں جن کا نجمؔ وہ ہیں وجہِ کائنات
ممکن ہے تاابد مرا نام و نشاں رہے

صباؔ اکبرآبادی : ہم عاشقانِ آلِ محمدؐ ہیں اے صباؔ
باقی رہیں گے نام ہمارے فنا کے بعد

حیدرؔ نہوری : بھلا درِ نجف سے واسطہ کیا سنگ ریزوں کا
عبث پھر ہمسری یاروں نے کی نقشِ پیمبرؐ کی

انیسؔ : دینداروں نے امن کفر و شر سے پایا
کعبے نے شرف ایسے گھر سے پایا
ہاتھوں پہ علیؑ کو لے کے احمدؐ نے کہا
یہ دُرِ نجف خدا کے گھر سے پایا

انیسؔ : ایسا کسی کو خلق میں رتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں

انیسؔ : زوجِ بتولؑ پاک کو جو مانتا نہیں
حق تو یہ ہے کہ حق کو بھی پہچانتا نہیں

انیسؔ : اس طرح مصطفیٰؐ و علیؑ کا ظہور ہے
دو آنکھیں جس طرح سے ہیں اور ایک نور ہے

انیسؔ : کب رتبہ تھا یہ اور پیمبرؐ کے واسطے
دیوارِ کعبہ شق ہوئی حیدرؑ کے واسطے

انیسؔ : بندہ ہزار سال عبادت اگر کرے
اور زر بقدرِ کوہِ احد راہِ حق میں دے
حج بھی پیادہ پا جو ہزار اس نے ہوں کئے
اور بے گنہ شہید بھی ہو ظلم و جور سے
حُبِ علیؑ کی مے جو نہیں دل کے جام میں
جنت کی بو نہ آئے گی اُس کے مشام میں

دبیرؔ : کیا مظہرالعجایب و معجز نما علیؑ
بے فصل جانشینِ رسولؐ خدا علیؑ
کیوں منصفو اگر نہیں مشکل کشا علیؑ
مشکل میں کیوں زباں سے نکلتا ہے یا علیؑ
جس دم لیا یہ نام خدا کی مدد ہوئی
انساں پہ جو بلا ہوئی نازل وہ رد ہوئی

دبیرؔ : اہلِ عطا میں تاجِ سرِ ہل اتا یہ ہیں
اغیار لاف زن ہیں، شہِ لافتیٰ یہ ہیں
خورشیدِ دین نورِ فلک انما یہ ہیں
کافی ہے یہ شرف کہ شہِ قل کفا یہ ہیں

ممتاز گو خلیل رسولانِ دیں میں ہیں
کاشف ہے، لو کشف یہ زیادہ یقیں میں ہیں

دبیرؔ : قرآنِ مبیں سورۂ یک آیہ ہے کس کا
اور عرشِ بریں منبرِ نہ پایہ ہے کس کا
خورشید جو بے سایہ ہے، یہ سایہ ہے کس کا
فیضانِ ازل بحرِ گراں مایہ ہے کس کا
وہ کون سا بندہ ہے جو ہمنامِ خدا ہے
ممکن ہے مگر عالمِ امکان سے جدا ہے

شہیدؔ : پروانۂ جمالِ نبیؐ مرتضیٰ علیؑ
پیمانۂ کمالِ نبیؐ مرتضیٰ علیؑ
افسانۂ خصالِ نبیؐ مرتضیٰ علیؑ
آئینہ جلالِ نبیؐ مرتضیٰ علیؑ
اس کی رضا، رضائے محمدؐ کا نام ہے
اس کی وغا، وغائے محمدؐ کا نام ہے
اس کی ولا، ولائے محمدؐ کا نام ہے
اس کی ثنا، ثنائے محمدؐ کا نام ہے
ہر امر میں شریکِ رسولؐ خدا رہا
اہلِ نظر یہ غور کریں فرق کیا رہا

شہیدؔ : آوازۂ پیامِ رسالت علیؑ علیؑ
شیرازۂ کتابِ محبت علیؑ علیؑ
سرنامۂ صحیفۂ قدرت علیؑ علیؑ
دیباچۂ رسالۂ وحدت علیؑ علیؑ
پیدا ہوا تو گھر کو مطہر بنا دیا
کعبہ کو قدس سے کہیں بہتر بنا دیا
سویا اگر نبیؐ کی حفاظت کے واسطے
جاگا اگر تو خلق کی خدمت کے واسطے
اٹھا اگر تو دین کی نصرت کے واسطے
بیٹھا اگر خدا کی عبادت کے واسطے

دبیرؔ لکھنوی : سرکارِ علیؑ وہ ہے کہ ہر بندے کو
دولت کیا مال ہے خدا ملتا ہے
جائے جو نجف میں کورِ بینا ہو جائے
سینہ طلعت میں طورِ سینا ہو جائے

دبیرؔ لکھنوی : جو خارِ نجف ہے سوزنِ عیسیٰ ہے
زائر کے لیے بخیۂ زخمِ پا ہے
ہر گام پہ ہاتھ آتا ہے موسیٰؑ کا شرف
جو آبلہ پا ہے یدِ بیضا ہے

دبیرؔ لکھنوی : گلگشتِ نجف کو جب قوم اٹھیں گے
تب دل سے غبارِ درد و غم اٹھیں گے
بیٹھیں گے درِ علیؑ پہ جا کر جو دبیرؔ
جنّت کا قبالہ لے کے ہم اٹھیں گے

دبیرؔ لکھنوی : ہر عشق نجف میں خواب ہو جاتا ہے
ہر عطر حیا سے آب ہو جاتا ہے
روضے میں یہ تازگی ہے کہ شمع کا گل
گرتے گرتے گلاب ہو جاتا ہے

خسروؔ دہلوی : شہر دل آباد شُد از رحمتِ پرور دگار
کاندریں شہری است حیدرؑ برگزیدہ شہریار

خسروؔ دہلوی : کس عدیلِ مرتضیٰؑ نبود زیارانِ رسولؐ
آری آری کے بود ہمسر بہ شیرِ کردگار

خسروؔ دہلوی : گر علیؑ را دوست دارم در شریعت باک نیست
چوں کنم لیکن بہ بغض خارجی اے دوستدار

خسروؔ دہلوی : گر تنِ خسروؔ دہی در زیرِ پائے فیل مست
حُب از دل برندار وزاں شہؑ دلدل سوار

ذوقؔ دہلوی : اے ذوقؔ نہ کر نور میں آمیزشِ ظلمت
کیا کام تبرّا کا محبت میں علیؑ کی

نجم آفندی : رہِ عمل میں اٹھائے جو مرتضیؑ نے قدم
اُصول بن گئے اللہ کی رضا کے لیے

ماہرؔ لکھنوی : تاریخِ فتحِ خیبر تیغِ علیؑ نے لکھ کر
جبریلؑ کے پروں کو شہپر بنا دیا ہے

مجاہدؔ لکھنوی : علیؑ کی ایک ضربت اور سجدہ ایک شبیریؑ
یہی اسلام ہے اس میں اضافہ ہم نہیں کرتے

مہدیؔ مجروح : جائے معصوم کا رحق معصوم
نائب سیدالورا ہو تم

مشکور حسین یاد : میں کہہ کے یا علیؑ کہیں آگے نکل نہ جاؤں
جبریلؑ میرے ساتھ رہو میں نشے میں ہوں

مشکور حسین یاد : ولائے آل میں مشکور ہم نے آنکھ کھولی ہے
نشاطِ ظلِّ دامانِ محمدؐ ہم سمجھتے ہیں

مونس : بلبل کو گل پسند ہے گل کو ہوا پسند
ہم بوترابیوںؑ کو ہے خاکِ شفا پسند
یہ اپنی اپنی چاہ ہے اے ساکنِ بہشت
تجھ کو ارم پسند ہمیں کربلا پسند

وحید لکھنوی : سلامی خلق ہوئے بوترابؑ کعبے میں
بتوں کی ہوگئی مٹی خراب کعبے میں

وحید لکھنوی : اٹھاتا کیوں نہ برگ کاہ کی صورت درِ خیبر
علیؑ دست خدا ہے زور بازو ہے پیمبر کا

ڈاکٹر سکینہ پنہاں : گرتا ہوا کوئی جو علیؑ کو پکار لے
بانہوں میں بڑھ کے رحمتِ پروردگار لے
تلقین جس کو صبر کی مل جائے ان سے وہ
غم سے بھری حیات خوشی سے گزار لے

خرد فیض آبادی : سامنے آتی ہے وہ ذات نصیری بن کر
جو مئے حُبِ علیؑ پی کے بہک جاتی ہے
ساری دنیا کو وہ کر سکتی ہے سیراب خردؔ
ساغرِ حُبِ علیؑ سے جو چھلک جاتی ہے

ذوالفقار علی بخاری: شوقِ لقائے پاک جناب امیرؑ میں
مرنے کا انتظار قیامت سے کم نہیں

ہادی رسوا : منزلِ شوق میں جو پاؤں ہوئے گرد آلود
کیوں پئے زینتِ اورنگ سلیماں جاتے

رشک لکھنوی : مشکل کے وقت منہ سے نکلتا ہے یا علیؑ
کچھ بے سبب محبتِ مشکل کشا نہیں

رشک لکھنوی : جو پاک ہیں وہ پاک جگہ ہوتے ہیں پیدا
اللہ کے گھر میں ہوا داماد نبیؐ کا

رشید شہیدی : رشید ہنس کے نکیرین نے کہا مجھ سے
تو مدح خوانِ علیؑ ہے تو کوئی بات نہیں

رضی جعفری : ترے الم میں الف لام میم آیا ہے
جدا حسینؑ سے معبود کا کلام نہیں

مرزا طاہر رفیع : یا علیؑ تجھ سا جو ساقی ہوئے گا اور مجھ سا رند
اپنے میکش کو پلا کر جامِ کوثر دیکھنا

رفیقؔ رضوی : حرفِ آخر بن گئی جس کے لیے آوازِ حق
لا فتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار
رضویؔ ناچیز پر بھی اک محبت کی نگاہ
شیرِ حقؑ خیبر شکن نفسِ نبیؐ دلدل سوار

رئیسؔ امروہوی : تیری یاد آزاد بندوں کا سہارا بن گئی
کربلا مردانگی کا استعارہ بن گئی

ریاضؔ خیرآبادی : علیؑ کے نام سے ہوتی ہیں مشکلیں آساں
قدم قدم پہ انہی کا تو نام لیتا جا

زاہدؔ فتح پوری : روشن ہے دل میں آتشِ عشقِ ابوترابؑ
دامانِ تر کو آنچ دیے جا رہا ہوں میں
حق گوئی شرطِ الفتِ آلِ رسولؐ ہے
باطل کا پردہ چاک کیے جا رہا ہوں میں

اخترؔ آصف زیدی : خانۂ کعبہ میں شہرِ علم کا جب در کھلا
سینۂ قرآن پر تفسیر کا دفتر کھلا

سالکؔ نقوی : علیؑ و دوشِ رسالتؐ مآبؐ کیا کہنا
اک آفتاب سرِ آفتاب دیکھتے ہیں

سعید شہیدی : علیؑ کی مدح کرتا ہوں یہی اک کام باقی ہے
اسی کی وجہ سے دنیا میں میرا نام باقی ہے
ہزاروں کے گلے کاٹے علیؑ کی تیغ نے لیکن
ابھی بچے کی تربت کھودنے کا کام باقی ہے

شارب : تمام عمر عبادت میں صرف ہو لیکن
جو پنجتنؑ سے محبت نہیں تو کچھ بھی نہیں
کرے ہزار ترقی پہ خاک کا پتلا
ابوترابؑ سے نسبت نہیں تو کچھ بھی نہیں

شمیم امروہوی : علیؑ کی تیغ کے دم سے ہوا ہر معرکہ فیصل
احد کا بدر کا صفین کا خندق کا خیبر کا
غلامِ پنجتنؑ کو ڈر نہیں ان پانچ چیزوں کا
اجل کا جاں کنی کا قبر کا برزخ کا محشر کا

منظور حسین شور : علیؑ کا ذکر عبادت ہے بے رکوع و سجود
کہ سمت و جہت ضروری نہیں ہوا کے لیے

ظفر عباس : ابوطالبؑ سے بڑھ کر کون سمجھے ذہنِ پیغمبرؐ
جو ایمانِ محمدؐ ہے وہ ایمانِ ابوطالبؑ
نبیؐ کے عقد کا خطبہ پڑھایا ایک کافر نے
یہ ہے معیار ایمانِ حریفانِ ابوطالبؑ

ظہیر دہلوی : سر پہ سایہ دامنِ مشکل کشا کا ہوگیا
آسرا بے دست کو دستِ خدا کا ہوگیا
مرگ ہو یا ہو ولادت جو ہو اپنے گھر میں ہو
مولد و مشہد تمہارا گھر خدا کا ہوگیا

ہنومان پرساد عاجزؔ: مدحتِ آلِ نبیؐ سے یہ ملا عاجزؔ مجھے
اب خدا کو منھ دکھا دینے کے قابل ہوگیا

عروجؔ اختر زیدی : ثنائے شاہِ نجف کے سوا میں کیا لکھوں
نظر میں کوئی سماتا نہیں سوائے علیؑ

عزیزؔ لکھنوی : تیغِ اسداللہی یہ واقعہ کیا ہے
اڑتی سی خبر ہے اک جبریلؑ کے شہپر کی

نسیمؔ فروغ : جسے حاصل مئے حُبِ علیؑ ہے
اسے پھر اور کس شئے کی کمی ہے

قمرؔ لکھنوی : یوں کمالاتِ الٰہی ہیں علیؑ کی ذات میں
جس طرح نقطے میں قرآں کی عبارت آگئی

قمرؔ جلالوی : اے نصیری تجھ میں ہم میں فرق ہے اک حرف کا
تو خدا کہتا ہے جن کو ناخدا کہتے ہیں ہم

قمر جلالوی : مرحب کا قتل بھی کوئی خیبر میں قتل تھا
پھینکا تھا ذوالفقار کا صدقہ اُتار کے

قمر جلالوی : بہک نہ جاتے نصیری تو اور کیا کرتے
علیؑ کتابِ خدا میں خدا کا نام بھی ہے

صفی : جو نہ لے جانا تھا وہ بھی سب ستم گر لے گئے
شہؑ کا ملبوسِ کہن زینبؑ کی چادر لے گئے

شورش کاشمیری : سوچتا ہوں کہ اسی قوم کے وارث ہم ہیں
جس نے اولادِ پیمبرؐ کا تماشا دیکھا
ابوسفیان کے پوتے کی غلامی کر لی
لشکرِ حیدرؑ کرارؑ کو لٹتا دیکھا
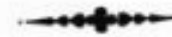
کاشف حیدرؔ : ریت نم کی آنسوؤں سے شاہؑ نے
پھر علیؑ اصغر کو دفنایا گیا
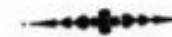
صبا اکبرآبادی : شبیرؑ کو تھا نورِ امامت پہ اعتماد
ورنہ چراغ کون بجھاتا ہے رات میں

نجم آفندی : بے زباں اصغرؑ کا افسانہ سنا کر خلق کو
پتھروں کی آنکھ سے آنسو نکلواتے ہیں ہم
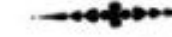
نجم آفندی : رکھی تھی ظالموں نے مٹانے میں کیا کسر
انسانیت حسینؑ کے صدقے میں رہ گئی

افتخار حیدر : جس کی الفت میں تڑپتا رہا خود حسنِ ازل
خسروِ عشقِ محمدؐ کا نواسا دیکھا

تقی عابدی : عشقِ حیدرؑ جس کے سینے سے اُبل سکتا نہیں
وہ کبھی ایمان کے رستے پہ چل سکتا نہیں
جس کو ماں سے مل گیا ہے دودھ میں عشقِ علیؑ
وہ علیؑ کو ساری دنیا سے بدل سکتا نہیں

صمصام علی گوہر : وہ اور ہوں گے یتیمانِ مذہب و ملت
ہمارے سر پہ ہمارا امامِ قائمؑ ہے

کرماتی : میرے مولاؑ مجھے دو سہارا میں نے تھاما ہے دامن تمہارا
ڈوبے سورج کو تم نے اُبھارا میں نے تھاما ہے دامن تمہارا
میری کشتی بھنور میں پھنسی ہے دشمنوں کے لبوں پر ہنسی ہے
کردو نزدیک مجھ سے کنارا میں نے تھاما ہے دامن تمہارا

محمد حسین آزاد : سب ارض و سما ہوتے اک دم میں تہ و بالا
گر کھینچتے شہؑ دل سے آہِ اثر آلودہ

آتش لکھنوی : ساغرِ صاف مئے حُبِ علیؑ مشرب ہے
مرد مومن ہوں میں اثنا عشری مذہب ہے
زور و قوت سے ڈراتا ہے یہ کس کو آتش
میں بھی شمشیرِ علیؑ ہوں جو عدو مرحب ہے

انور حسین آرزو : جبھی تو آپ کو مشکل کشائے خلق کہتے ہیں
اکھیڑا آپ نے دو انگلیوں سے باب خیبر کا
جو ہو کعبے میں پیدا اس کے رتبے میں کسے شک ہے
علیؑ قبلہ نما ہے ساکنانِ بحر کا بر کا

نقی عابدی : کسی کو کیسے سُلاتے رسولؐ بستر پر
گلاب کی جگہ آخر گلاب رکھتے ہیں

خواجہ رفیق انجم : یقین و عزم و عمل علم و آگہی کے لیے
سوائے آلِ عباؑ کوئی سلسلہ نہ ملا

ملی انگوٹھی بھی ویسی ہی تھا نگیں جیسا
نجف برائے علیؑ تھا علیؑ برائے نجف

انیس : شبیہِ امامؑ زماں کھینچتے ہیں
تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں

انیسؔ : یارب ہو بیچ میں لحدِ ذاکرِ حسینؑ
ہو اُس طرف نجف تو اِدھر کربلا بھی ہو

محمد جعفر اوجؔ : عبادت ہے نصیری کے خدا کی منقبت خوانی
وظیفہ ہے درودِ حضرتِ خیرالامم میرا
یہی اوجؔ سخن داں ہیں فنافی اللہ کے معنی
ثنا خوانِ علیؑ ہوں جب تلک ہے دم میں دم میرا

باقرؔ زیدی : میں دھت ہوں نشۂ عشقِ علیؑ میں
مرا جامِ ولا ہے اور میں ہوں

برقؔ لکھنوی : رگ رگ میں ہے محبتِ حیدرؑ بھری ہوئی
دم بھر رہا ہوں نفسِ رسالت مآبؐ کا

بیدمؔ شاہ وارثی : جس طرح ایک ذاتِ محمدؐ ہے بے مثال
پیدا کوئی ہوا ہی نہیں دوسرا علیؑ
بیدمؔ یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنساءؑ حسینؑ و حسنؑ مصطفیٰؐ علیؑ

آغا سروشؔ : علیؑ کی مدح خود علیؑ کے روبرو سناؤں گا
سروشؔ جا رہا ہوں میں بیاضِ جاں لیے ہوئے

حسنؔ امداد : زباں اپنی علیؑ کے منہ میں پھر دے دی پیمبرؐ نے
کیا یوں علم کے دریا کو وابستہ سمندر سے

صبیحؔ رحمانی : حدیث "لحمک لحمی" سے صاف روشن ہے
کہ سوز و سازِ محمدؐ ہے سوز و سازِ علیؑ

صبیحؔ رحمانی : سیاہی شب ہجرت میں میٹھی نیند کا راز
بیاں کرے گی فقط چشم نیم بازِ علیؑ

صبیحؔ رحمانی : صبیحؔ! کیسے نہ آساں ہوں مشکلیں میری
مدد کو آتا ہے خود دستِ دل نوازِ علیؑ

شہابؔ کاظمی : گھر کے طوفاں میں کہا جب یاعلیؑ مشکل کشا
لا کے ساحل پر ہمیں موجوں نے پوچھا اور کچھ
کیوں نہ آجاتی شب ہجرت علیؑ کو گہری نیند
چھاؤں میں تیغوں کی سونے کا مزا تھا اور کچھ

افتخارؔ حیدر : بائے بسم اللہ علیؑ علم الہدیٰ کے راز دار
معرفت سے جن کی سب رازِ خفی ہیں آشکار
مومنوں پر رحم دل کفار پر وہ سخت گیر
بزم میں نہج البلاغہ رزم میں اک کوہسار

محمد قلی قطب شاہ معانی : چاند سورج روشنی پایا تمہارے نور سے
آب کوثر کو شرف تھنڈی کے پانی پور سے

ملک الشعرا ملا وجہی: حسینؑ کا غم کرو عزیزاں
انجونین سو جھڑو عزیزاں
(آنسو) (آنکھ) (سے)
حسینؑ پو (پہ) یاراں درود بھیجو
کہ دین کا یو دیوا (دیا) جلایا

ولی دکنی : اس پاک پارسا پر، حیدرؑ کے دل ربا پر
اس نخلِ بے بہا پر، بولو سلام، یاراں

ولی دکنی یوں جی ولی فدا کر، اس شاہؑ کربلا پر
اس لائقِ ثنا پر، بولو سلام، یاراں

علی عادل شاہ : عاشور کا سن کر ندا، ہر شئی کرے ماتم سدا
حیراں ہوئے شاہ و گدا، تج غم میں رو رو یا امامؑ

درگاہ قلی : کہیں فریاد کر خاتونِ جنت
خداوندا ہوئی ہے کیا مصیبت
تڑپتی خاک میں احمدؐ کی عترت
قیامت ہے، قیامت ہے، قیامت

شاہ عالم ثانی : شمس و قمر، زہرہ و عطارد، مشتری و مریخ اور زحل
رو رو پکارے، ہائے سما پر، سارے ستارے، لیجو سلام!

غلام حسین ضاحک: غریب بے کس، شہیدِ بے بس، ستم رسیدہ، چہ غم کشیدہ
ذبیح کی بے بسی کے اوپر، درود واجب، سلام سنت

مرزا رفیع سودا : نہیں ہے بے وجہ کچھ یہ حالت، خبر لو جلدی کہ آج کوئی
ہوا ہے، پیاسا، ستم کے خنجر سے ذبح، دریا کے جا، کنارے

مرزا رفیع سودا : حسینؑ! تجھ کو یہ عرشِ بریں، کرے ہے سلام
وہاں سے آن کے روح الامیں، کرے ہے سلام

میر تقی میر : اے سبطِ مصطفیٰؐ کے، تجھ کو سلام پہنچے
اے جانِ مرتضیٰؑ کے، تجھ کو سلام پہنچے
بیٹے، بھتیجے، پیارے، یار و رفیق سارے
ساقیِ کوثر آگے، کیا تشنہ لب سدھارے

انیسؔ : جنگل سے آئی گریۂ زہراؑ کی یہ صدا
امت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمداؐ

غلام ہمدانی مصحفیؔ : سلامی دیکھ امامِ زماںؑ کے تن کی طرف
پھر اس کے بعد لہو ڈوبے پیرہن کی طرف
نہ بیٹھ جائے یہ شیعوں کے شور و شیون سے
رہے ہے دھیان مرا گنبدِ کہن کی طرف

شیخ امام بخش ناسخؔ : سال بھر ناسخؔ! غمِ شاہِ شہیداں کیجیے
ہر مہینے کے عوض ماہِ محرم چاہیے

ناسخؔ : گر نہ ہوتا سرخ رو، اشکِ غمِ شبیرؑ سے
حشر میں کس منہ سے ناسخؔ! میں شفاعت مانگتا

خواجہ حیدر علی آتشؔ : دشمن ہو جو حسینؑ علیہ السلام کا
آتشؔ! نہ کم سمجھ اسے، ابنِ زیاد سے

یوسف علی خان ناظمؔ: نیزے پہ چڑھایا ہے سر سبطِ نبیؐ کو
یا حضرتِ عباسؑ علمدار! کہاں ہو
کیوں کر سنیں شبیرؑ، ان اشعار کو ناظمؔ!
فردوس میں داؤدؑ اگر مرثیہ خواں ہو

میاں چھنولال دلگیر:
بجری لاشِ پسر شہؑ سے چھپائی نہ گئی
بانو کے روبرو کچھ بات بنائی نہ گئی
کوئی شبیرؑ سا مظلوم نہ ہوگا، نہ ہوا
قبر بھی جس کی کئی روز بنائی نہ گئی

میر مستحسن خلیق:
سینوں میں قدسیوں کے، جگر کانپنے لگے
جب نالۂ حسینؑ سوئے آسماں گیا
رو کر یہ بعدِ حضرتِ حُر، کہتے تھے حسینؑ
گھر سے سخی کے تشنہ دہن، میہماں گیا

مومن خان مومنؔ:
روتا ہوں حسینؑ ابن علیؑ کے غم میں
ہے عیشِ جناں کی آہ، اس ماتم میں
حیف! آلِ نبیؐ میں کوئی باقی نہ رہا
لازم ہے کہ باقی نہ رہے کچھ ہم میں

ابراہیم ذوقؔ:
سبطینِ نبیؐ یعنی حسنؑ اور حسینؑ
زہراؑ و علیؑ کے دونوں وہ نور العین
عینک ہے تماشائے دو عالم کے لیے
اے ذوقؔ لگا آنکھوں سے ان کی نعلین

میر جعفر فصیح:
جو کرے سلام بصد ادب، شہِ تشنہ لب کی جناب میں
تو بروزِ حشر، عجب نہیں کہ رواں ہو شہؑ کی رکاب میں

بہادر شاہ ظفرؔ : سلام امام کا پڑھ کر کے صبح و شام نماز
تو اے سلامی! ادا کر نہ بے سلام نماز
نہ ہووے دل میں جو حبِ نبیؐ و آلِ نبیؐ
تو کام آئے نہ روزہ، نہ آئے کام نماز
جو اس امامؑ کا ہے دوست، ہے خدا کا دوست
قبول ہوتی ہے اس کی علی الدوام نماز

اسد اللہ خان غالبؔ: سلام اسے کہ اگر بادشا کہیں اس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس کے سوا کہیں اس کو
کفیلِ بخششِ امت ہے، بن نہیں پڑتی
اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اس کو
یہ اجتہاد عجب ہے کہ ایک دشمنِ دیں
علیؑ سے آکے لڑے، اور خطا کہیں اس کو
یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
برا نہ مانیے گر ہم برا کہیں اس کو

میر انیسؔ : آفتابِ فلکِ عز و شرافت ہے حسینؑ
دُرِ تابندۂ دریائے امامت ہے حسینؑ
وارثِ تیغِ شہنشاہِ ولایت ہے حسینؑ
حامیِ حشر ہے، مختارِ شفاعت ہے حسینؑ

نواب واجد علی شاہ : ہے ہے مدام بوسہ گہ مصطفیٰؐ جو ہو
ایسا گلہ ہو شمر کی شمشیر کے لیے

داغ دہلوی : محب آلِ محمدؐ محب حق ہوگا
یہ مشتہر ہے نبیؐ کا کلام چار طرف
رہے گا حشر تک اے داغ! ربع مسکوں میں
غم حسینؑ علیہ السلام چار طرف

امیر مینائی : جو کربلا میں شاہِ شہیداں سے پھر گئے
کعبہ سے منحرف ہوئے، قرآں سے پھر گئے
کافر ہوئے کہ کعبۂ دیں کو کیا خراب
مرتد ہوئے، کہ قبلۂ ایماں سے پھر گئے

تعشق لکھنوی : آجاتی ہیں زلفیں، جو رخِ سرورِ دیں پر
دو چار گھڑی چھاؤں ہے، دو چار گھڑی دھوپ

مہدی مجروح : باپ جس کا ہو ساقیِ کوثر
اس کی اولاد پانی کو ترسے
اے فلک! تشنہ ہیں امام حسینؑ
اور نہ اک بوند پانی کی برسے

نواب محبوب علی آصف : فدا ہوں اس پہ سلامی، ہے جس کا نام حسینؑ
مرا معین، مرا آقا، مرا امام حسینؑ
صبا کو بھیج کے روضہ پہ کر رہا ہوں دعا
کریں قبول الٰہی، مرا سلام حسینؑ

محمد علی جوہرؔ : قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کشن پرشاد شادؔ : فنا میں تھا بقا کا مرتبہ حاصل، شہیدوں کو
وہاں اس پر عمل تھا، موت سے پہلے ہی مرجانا
یہاں کا زندہ رہنا موت سے بدتر سمجھتا ہوں
حیاتِ جاوداں ہے کربلا میں جا کے مرجانا

علامہ اقبالؔ : غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ، ابتدا ہے اسماعیلؑ

علامہ اقبال : نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؑ
کہ فقرِ خانقاہی ہے، فقط اندوہ و دلگیری

ظفر علی خان : چڑھ جائے، کٹ کے سر ترا، نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

فیض احمد فیض : جو ظلم پہ لعنت نہ کرے، آپ لعیں ہے
جو جبر کا منکر نہیں، وہ منکرِ دیں ہے

وشوناتھ ماتھر : اگر غم اور غم خواری نہ ہوتی
حسینؑ! اتنی تو بیداری نہ ہوتی
سمجھتا کون مفہومِ شہادت
اگر تیری عزاداری نہ ہوتی

سیماب اکبرآبادی: سیماب نظر آتی ہے مجھے ہر چیز اُداس اور افسردہ
فطرت غمگیں ہو جاتی ہے، جب ماہِ محرّم آتا ہے

بناری لال ورمآ : لوگ اب عقل کے قائل ہیں، نہ تدبیر کے ہیں
نہ کسی تقدیر کے یا پھر مری تقدیر کے ہیں
آگ دوزخ کی جلائے گی مجھے کیا ورمآ!
میرے سینے پہ نشاں، ماتمِ شبیرؑ کے ہیں

نجم آفندی : عباسؑ نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند پر حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے

حفیظ جالندھری : حسینؑ! اس حسنِ صورت کا نشانِ خوبصورت ہے
ہمیں بھی غلبۂ کفّار میں جس کی ضرورت ہے

میر عثمان علی خان : ہے حُبِ علیؑ میں رات دن ہم مست رہتے ہیں
نہ خُم سے ہے غرض ہم کو، نہ شیشے سے، نہ ساغر سے
وہ ہیں اشکِ عزا اپنے، بدولت جن کی اے عثمانؔ!
چکھایا ساقیٔ کوثر نے ہم کو جام کوثر سے

شہیدؔ : کبھی کبھی جو میں شب میں سلام لکھتا ہوں
تو لفظ لفظ بہ حکمِ امامؑ لکھتا ہوں

محشرؔ بدایونی : اشارہ کرتے، جگر گوشۂ رسولؐ اگر
مجال تھی کہ نہ آتا سلام کو پانی
ترستے کیا شہِ عالی مقام پانی کو
ترس گیا شہِ عالی مقام کو پانی

جوشؔ ملیح آبادی : کیا نماز شاہ تھی، ارکانِ ایمانی کے ساتھ
دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدہ میں، پیشانی کے ساتھ
اہلِ بیتؑ پاک کی ہر سانس کو اے مدعی!
ہاں! ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

شورشؔ کاشمیری : جن ظالموں نے ظلم کیا اہلِ بیتؑ پر
قہرِ خدا سے ان کو بچایا نہ جائے گا
سن لیں مری طرف سے یزیدانِ عصر نو
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

نسیم امروہوی : جو انقلابِ عالمِ فطرت تھا، وہ حسینؑ
جو سر فروشِ حق و صداقت تھا، وہ حسینؑ
جو فاتحِ جہانِ شہادت تھا، وہ حسینؑ
جو محرمِ ضمیرِ مشیت تھا، وہ حسینؑ

جگن ناتھ آزاد : بے مثل، بے عدیلِ شہادت، یہی تو ہے
کہتے ہیں جس کو اصل عبادت، یہی تو ہے

احمد ندیم قاسمی : کیا قیامت ہے کہ کلیوں سے بھی کم سن بچے
چھڑے ماؤں کے تکے جاتے ہیں حیراں حیراں

امید فاضلی : نبیؐ کا علم، علیؑ کا عمل، ذبیحؑ کا خواب
سمجھ لیا تو سمجھ میں حسینؑ آئے ہیں

باوا کرشن مغموم : دیکھتا ہوں دل کے آئینہ میں تصویرِ حسینؑ
روشنی بخشِ چراغِ جاں ہے تنویرِ حسین
اس طرف سادت غازی، مردِ میداں، سرفروش
اس طرح ناحق شناس و ناسپاس و کینہ کوش

یوگیندر پال صابر : تیر و شمشیر نہیں نقش و نگارِ اسلام
صبرِ شبیرؑ میں ہے اصلِ وقارِ اسلام

دوش احمدؐ کی سواری کا عوض شہ نے دیا
اپنے کاندھوں پہ اُٹھائے رہے بارِ اسلام

سید ضمیر جعفری : حسینؑ اک عشق، جو ایمان کی بنیاد ہو جائے
حسینؑ اک حسن ہے، جس سے چمن ایجاد ہو جائے
حسینؑ اک روشنی، جس کی ضیا مدھم نہیں ہوتی
حسینؑ اک زندگی، جس کی حرارت کم نہیں ہوتی

منیر نیازی : جتنا شعارِ محتسب دشوار تر ہوتا گیا
اتنا ذکرِ خونِ ناحق مشتہر ہوتا گیا

منیر نیازی

خوابِ جمالِ عشق کی تعبیر ہے حسینؑ
شامِ ملالِ عشق کی تصویر ہے حسینؑ

اشرف رفیع : جانِ مصطفیٰؐ قرآں پڑھ رہا ہے نیزے پر
وقت فیصلہ کر لے کس کا بول بالا ہے
راکبِ محمدؐ کا کیا مقام ہے اشرفؔ
وہ سمجھ نہیں سکتے جن کے دل پہ تالا ہے

رعنا رفیع : رعناؔ حسینؑ مصحفِ حق کی زبان میں
نوکِ سناں سے فتح کا اعلان کر گئے

بانو طاہرہ سعید : پڑی ہے جب بھی مصیبت حسینؑ یاد آئے
غموں کی جب ہوئی شدت حسینؑ یاد آئے
جہاں بھی ظالم و مظلوم میں ہوئی ٹکر
اک انقلاب کی صورت حسینؑ یاد آئے

بانو طاہرہ سعید : حق پرستی کا آخری سجدہ
کیف و مستی کا آخری سجدہ
کتنا دلکش حسین و رنگیں تھا
شہؑ کی ہستی کا آخری سجدہ

بانو طاہرہ سعید : حسینؑ ایک علامت ہے زندگی کے لیے
حسینؑ مشعلِ عزت ہے آدمی کے لیے
کوئی بھی قوم پکارے اسے محبت سے
حسینؑ آج بھی زندہ ہے رہبری کے لیے

غالب : بزم ترا شمع و گل خستگیٔ بوترابؑ
ساز ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

میر تقی میر : شیخ پڑے محراب حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہو
سجدہ ایک اس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

جوشؔ : دنیا تری نظیرِ شہادت لیے ہوئے
اب تک کھڑی ہے شمعِ ہدایت لیے ہوئے

ناظمؔ : سب کو یہی گماں تھا قیامت ہے آشکار
برسا فلک سے خون اٹھا سرخ سا غبار
عابدؑ امام کا تھا قدم درمیان میں
ورنہ قیامت آ ہی چکی تھی جہان میں

آل رضاؔ : لطیف روحِ علیؑ بن گئے جہاں پہنچے
حسینؑ چل کے رہِ کربلا، کہاں پہنچے
علیؑ و فاطمہؑ کے نورِ عین کو دیکھیں
جو دیکھنے کا ہے حق یوں حسینؑ کو دیکھیں

آل رضاؔ : بابا جو غش کے کہنے کو بچی ترس گئی
اس درد سے کہا کہ یتیمی برس گئی

آل رضاؔ : وقت گزرے گا مگر بات یہ رہ جائے گی
اب نماز ایسی جماعت کو کہاں پائے گی

اوجؔ لکھنوی : بے سایہ دھوپ میں وہ امامِ جلیل ہے
دامن رسولؐ کا نہ پرِ جبرئیل ہے

مصطفٰی خان یکرنگ : اندھیر ہے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ
ہے سر بریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

اوجؔ : علیؑ کے لعل و زمرد کا رنگ ہے اس میں
یہی دلیل ہے سر سبزیٔ حنا کے لیے

سرفراز تجیر : ہو جس میں حسینیت حسینؑ اس کے ہیں
کہتی رہے دنیا کہ ہمارے ہیں حسینؑ

خواجہ اجمیری : شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

مخدوم علاء الحق پنڈوری : کسی کو در چنین ماتم نہ گرید
دل آنکس مگر از سنگ باشد

عبد القادر بدایونی (شاعر دربار ہمایوں) : ماہِ محرم آمد و شد گریہ فرضِ عین
گریم خوں بہ یاد لبِ تشنۂ حسینؑ

(شاعر شجاع الدولہ کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ محرم میں سبز لباس پہنتے تھے)

باز در مجلس در آ بارختِ سبز
باز ماتم دار شو از تختِ سبز
باز ماتم دار شو تا اربعین
در عزائے ابن خیر المرسلینؐ

ہدایتؔ : سُنی ہو خواہ کوئی شیعہ ہووے
اپجے گا وہی تخم جو دل میں بووے
وہ شخص ہے جنّتی ہدایتؔ بے شک
غم میں حسینؑ کے جو کوئی رووے

نامعلوم : من چہ گویم کربلا را واقعات (اللہ:٦٦)
آہ بیرون آمدہ از اسمِ ذات (آہ:٦)

٦٦-٦=٦٠ ہجری

نامعلوم : سر جدا شد از حسینؑ وگشت تاریخ آشکار (س=٦٠)
ہم ز حرفِ بے نقط ہم از حروف نقطہ دار (ی+ن=٦٠)

نجم آفندی : وہ عصرِ تنگ سے پہلے حسینؑ کی نظریں
ہر اقتدار کا سر جھک گیا جدھر دیکھا

کرم علی: (غیر منقوط سلام کے چند اشعار)

موردِ احکامِ اسرار السلام
مصدرِ اولادِ اطہار السلام
عالمِ علم و عمل عادل امام
سرور و سردار و سالار السلام
رہروِ راہِ ہدا معصوم اور
داورِ ارواح احرار السلام
دل کا والا درد کا ماہر کمال
مالک املاکِ ادوار السلام

نجم آفندی : خاک ہو جائے نہ جاکر درِ شبیرؑ پہ خود
لے کے کیوں آتا ہے خاکِ درِ شبیرؑ کوئی

نجم آفندی : تا ابد زندہ ہے تو اور تا ابد اسلام ہے
اے شہیدِ کربلا اسلام تیرا نام ہے

نجم آفندی : پاؤں عابدؑ کا نئی راہ کی تعمیر میں ہے
پاؤں وہ پاؤں جو الجھا ہوا زنجیر میں ہے

نجم آفندی : غمِ حسینؑ بھی یا رب کوئی تماشا ہے
غریب کرتے ہیں ماتم امیر دیکھتے ہیں

ناسخ : شرمندۂ شاہِ کربلا ہے پانی
کیا فیض سے محروم رہا ہے پانی
گرتے ہیں جو اشکِ چشم ثابت یہ ہوا
گویا نظروں سے گر گیا ہے پانی

ناسخ : تھم جائیں غمِ شاہ میں کیوں کر آنسو
جاری ہی رہیں گے زندگی بھر آنسو
پیتا ہوں جو یادِ عطشِ شاہ میں آب
بہتا ہے وہ چشمِ تر سے بن کر آنسو

رام پرکاش ساحرؔ : ہے حق و صداقت مرا مسلک ساحرؔ
ہندو بھی ہوں شبیرؑ کا شیدائی بھی

گجر پرشاد گوہرؔ : تخصیص نہ ہندو کی نہ مسلم کی ہے اس میں
شبیرؑ کا پیغام جہاں بھر کے لیے ہے

کرشن بہاری نورؔ : مرکزیت تجھے کس طرح نہ حاصل ہو حسینؑ
ساری دنیا کی تڑپ جس میں ہے وہ دل تو ہے

ماتھرؔ لکھنوی : ماتھرؔ مجھے ملی ہے محبت حسینؑ کی
فطرس کی طرح میرا مقدر بدل گیا

برج ناتھ پرشاد مخمور لکھنوی : من کے مندر میں بٹھا کر تجھ کو اے سبطِ نبیؐ
دل یہ کہتا ہے کہ تیری عمر بھر پوجا کریں

کالی داس گپتا رضاؔ : واقعی شبیرؑ نے اپنے لہو سے اے رضاؔ
عظمتِ اسلام کے جادے کو رنگیں کر دیا

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ : گلشنِ صدق و صفا کا عالمِ رنگیں حسینؑ
شمعِ عالم مشعلِ دنیا چراغِ دیں حسینؑ
سر تا پا تک سرخیٔ افسانۂ خونیں حسینؑ
جس پہ شاہوں کی خوشی قربان وہ غمگیں حسینؑ
مطلعِ نور و مہ و پروِیں ہے پیشانی تری
باج لیتی ہے ہر اک مذہب سے قربانی تری

شورش کاشمیری : آلِ مروان بدستور ہے اورنگ نشین
ہند میں معرکۂ کرب وبلا آج بھی ہے

شورش کاشمیری : کس کی شہ رگ پر یزیدی ہاتھ اٹھے بے دریغ
کون تھا جس کا لہو تفسیرِ قرآں ہوگیا
کون تڑپایا گیا ہے کربلا کی خاک پر
کس کا ماتم ماتمِ تاریخِ انساں ہوگیا

شاداںؔ دہلوی : شبیرؑ ہیں لباسِ بشر میں کتابِ حق
کردارِ مصطفیٰؐ کا مکمل جریدہ ہے

شاداںؔ دہلوی : سجدوں کو طول دیتے تھے جس کے لیے رسولؐ
وہ آج سجدہ ریز بہ خاک حمیدہ ہے

شاداںؔ دہلوی : اے غرورِ آدمیت چوم لے اس کے قدم
جس نے رکھ لی آبرو انسانیت کے نام کی
صبر ہے غم ہے وفا ہے دین ہے ایمان ہے
یہ ہیں تحریکیں حسینؑ ابن علیؑ کے نام کی

شاداںؔ دہلوی : ذکرِ حسینؑ جبر نہیں اختیار ہے
ایمان کیا ہے روحِ بشر کی پکار ہے

شاداںؔ دہلوی : نوکِ نیزہ پر تلاوت کی سرِ شبیرؑ نے
حشر تک یوں اتحادِ آل و قرآں ہوگیا

شاداںؔ دہلوی : خطیبِ منبر دوشِ رسولؐ ہیں شبیرؑ
نصیب چاہیے اس شانِ ارتقا کے لیے

شاداںؔ دہلوی : مرکزِ پرکارِ آزادی حسینؑ ابن علیؑ
آمریت جن سے اب تک لرزہ براندام ہے

شاداں دہلوی : شبیرؑ کے لہو کی کرامت تو دیکھئے
خاکِ شفا کو زینتِ سجدہ بنا دیا

شاداں دہلوی : اسی سجدے سے قایم ہیں نمازیں
جو اعجازِ کمالِ بندگی ہے

شہید : پیروی حضرتِ شبیرؑ کی آسان نہیں
خنجرِ قاتل کے نیچے پہلے سجدہ چاہیے

شہید : فیض ہے شبیرؑ کے انجام کا
نام باقی رہ گیا اسلام کا

شہید : سجدہ میں شہؑ نے عرض کی صبر بھی ہے تری عطا
ترے کرم کا ہے ظہور یہ مرا امتحاں نہیں

شہید : اس سے بیعت کی تمنا جو ہے عالم کا ولی
عمرِ سعد نے شبیرؑ کو سمجھا کیا ہے

شہید : خلقتِ حضرتِ شبیرؑ کا منشا کیا ہے
کوئی سمجھا نہیں انسان کا رتبا کیا ہے

شہید :

غلافِ تربتِ شبیرؑ ہاتھ آیا ہے قسمت سے
سرِ محشر شہید اپنے کفن کی آزمائش ہے

شہید :

کربلا والے کیا ہیں یہ انداز
زیرِ خنجر یہ کس طرح کی نماز
سورۂ کہف اور نیزہ پہ
کیا نرالے ہیں عشق کے انداز

مسجدِ کوفہ میں اک سجدہ نظر آیا تھا
خاکِ مقتل پہ یہ اک دوسرا سجدہ دیکھا

بجز حسینؑ کسی اور سے نہیں ممکن
کہ ایک سجدے میں پوری نماز ہو جائے

نہ رکوع ہو نہ درود ہو نہ قیام ہو نہ قعود ہو
فقط ایک سجدۂ دائمی سے ادا ہو ایسی نماز ہو

وہ ایک سجدۂ آخر حسینؑ نے جو کیا
اسی کا فیض ہے ذکرِ صلوٰۃ باقی ہے

• • •

اس کو کہتے ہیں زمانے میں شہادت کی نماز
ایک ہی سجدہ کیا دوسرا سجدہ نہیں

شہید : ایک سجدہ علیؑ کا باقی تھا
ختم کردی حسینؑ نے وہ نماز

شہید : لسان اللہ کے آگے زباں کیا کھول سکتے تھے
علیؑ کے سامنے اہلِ عرب سارے عجم نکلے

شہید بجز ابنِ علیؑ کے یہ کسی سے اور ممکن ہے
تہہ تیغ ستمگر شکر کا سجدہ ادا ہونا

شہید : قاتل کو جگا دیتے ہیں علیؑ جانے کی رضا دیتے ہیں حسینؑ
اک شمع جلا کر دیکھتے ہیں اک شمع بجھا کر دیکھتے ہیں

شہید : شبیرؑ بشر کی عظمت کو دنیا پہ ہویدا کرتے ہیں
لو دفن کیا ہے اصغرؑ کو اور شکر کا سجدہ کرتے ہیں

شہید : حسینؑ صبر کے پروردگار کیا کہنا
دلوں پہ ہے جو ترا اختیار کیا کہنا

نجم آفندی : خلق کی اصلاح کو وہ تیری قربانیاں
آج وہ روحِ عمل مقصدِ اقوام ہے

نجم آفندی : کیا جوشِ تولا کا ہے معیار نہ بھولو
یہ مشورۂ شاعرِ سرکار نہ بھولو

نجم آفندی : چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا
کلمہ پڑھوا دو شہیدِ کربلا کے نام کا

نجم آفندی : کوثر کے یہ مالک ہیں پانی کی طلب کیسی
سوئی ہوئی ملّت کی غیرت کو جگاتا ہے
احمدؐ کا نواسا ہے معراج بھی پائے گا
نیزے کی بلندی سے قرآن سناتا ہے

نجم آفندی : یہ ضعف اور یہ لاشا جوان بیٹے کا
یہ تیرے دوش پہ کوہِ وقار کیا کہنا

نجم آفندی : کچھ ایسے وقت میں زنجیر پہنی عابدؑ نے
کہ اس گھرانے سے صدیوں یہ سلسلہ نہ گیا

نجم آفندی : زندگی کی گود میں وہ اضطرابِ کائنات
بن گئی بے شیر کا جھولا شبِ عاشور کو

نامعلوم : بلند مرتبہ شاہےؑ زصدرِ زیں افتاد
اگر غلط نہ کنم عرش بر زمیں افتاد

معین الدین چشتی : کاری کہ حسینؑ اختیاری کردی
در گلشنِ مصطفیؐ بہاری کردی
از ہیچ پیمبرؑ نیاید این کار
واللہ ای حسینؑ کاری کردی

غالبؔ : زخونی کہ در کربلا شد سبیل
ادا کرد وامِ زمانِ خلیلؑ

(یعنی امام حسینؑ نے کربلا میں خون بہا کر خلیل اللہ پر جو اللہ کا قرض تھا چکا دیا)

بھونؔ امروہوی : ہند میں کاش حسینؑ ابن علیؑ آجاتے
چومتے ان کے قدم پلکیں بچھاتے ہندو
ان کے خیمے بھی لگے گنگا کنارے ہوتے
ان کے گھوڑوں کو بھی جل اس کا پلاتے ہندو
جنگ کرنے یہاں شبیرؑ سے آتا جو یزید
اُس کو راون کی طرح دھول چٹاتے ہندو
کربلا اور ہیں امروہا کے اعداد بھی ایک
کاش خود کو بھی شہیدوں میں لکھاتے ہندو
اے بھونؔ کیسے مسلمان تھے شہؑ کے قاتل
دل میں اکثر یہ خیال اپنے ہیں لاتے ہندو

مائی جائسی : انسانیت ہے آج بھی منت کشِ حسینؑ
صدیاں اگرچہ گزریں ہیں احساں کیے ہوئے

دلورام کوثری : قرآن اور حسینؑ برابر ہیں شان میں
دونوں کا رُتبہ اک ہے دونوں جہان میں
کیا وصف ان کا ہو کہ ہے لکنت زبان میں
پیہم ندا یہ غیب سے آتی ہے کان میں
قرآں کلامِ پاک ہے شبیرؑ نور ہے
دونوں جہاں میں دونوں کا یکساں ظہور ہے

ہادی ہے ایک، ایک ہدایت کی ہے کتاب
سرور ہے ایک، ایک فضیلت کی ہے کتاب
ہے اِک امامؑ، ایک رسالتؐ کی ہے کتاب
حضرتؐ کا یہ نواسہ وہ حضرت کی ہے کتاب
ان دونوں پہ تمام فضائل تمام ہیں
دونوں یہ بوسہ گاہِ رسولؐ انام ہیں

شبیرؑ بے مثال ہے قرآں ہے لاجواب
اِک ان میں منتخب ہے تو اِک ان میں انتخاب
ہیں خانۂ خدا میں رسولؐ فلک جناب
اس زانو پہ حسینؑ ہیں اُس زانو پہ کتاب
قرآں ہے اِس بغل میں حسینؑ اُس بغل میں ہیں
دونوں شریک آپ کے علم و عمل میں ہیں

بسم اللہ کی شبیہ ہیں اَبرو حسینؑ کے
والّیل کا ظہور، ہیں گیسو حسینؑ کے
اب کوثریؔ خدا سے دُعا کر بصد فغاں
دنیا میں آخرت میں خدا دے دو جہاں

قرآن و اہل بیتؑ مرے پیشوا رہیں
میں ان سے ہوں جدا نہ یہ مجھ سے جدا رہیں
قرآں ہے فائق کتب جملہ انبیاء
شبیرؑ ہے تمام شہیدوں کا پیشوا

مرزا بیجاپوری : اے حسینؑ علی سلام علیک
شاہِ جملہ ولی سلام علیک
جد ہے تیرا محمدؐ مرسل
سرور انبیاؑ سلام علیک
فاطمہؑ ہور علیؑ کے دریا کا
توں دُرے بے بہا سلام علیک

کامل شطاری : غم حسینؑ تو ہے سنتِ رسولؐ کریم
اسی خیال میں آنسو بہا رہا ہوں میں

کامل شطاری : کیا بتا سکوں کامل کون ہیں حسینؑ اپنے
کیا کروں شریعت کا میرے منہ پہ تالا ہے

شہید : لیا جو نام علیؑ کھل گئیں مری باچھیں
اگر حسینؑ کہا تو نکل گئے آنسو

امجد حیدر آبادی : سر دے کے راہِ حق میں شہادت خرید لی
زہراؑ کے دو ستاروں نے جنت خرید لی

پیام اعظمی : وا جس کے انتظار میں بابِ قبول ہے
وہ نقطۂ عروج فروع و اصول ہے

پیام اعظمی
سجدے میں سر ہے پشت پہ سجدوں کی آبرو
کتنی حسیں آج نمازِ رسولؐ ہے

منشی گوپی ناتھ امن : قربانیوں کی شان بہ نامِ حسینؑ ہے
یعنی بہت بلند مقامِ حسینؑ ہے
رکھو نہ راہِ حق میں کبھی جان وتن عزیز
اے مومنو سنو یہ پیامِ حسینؑ ہے
اس کو کسی کتاب میں کرتے ہو کیا تلاش
ہر پاک دل پہ نقش کلامِ حسینؑ ہے
کافر کوئی کہے تو کہے امن کو مگر
اس کے دل وجگر میں قیامِ حسینؑ ہے

جوش : انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

عارفؔ امام : اک دیے نے بجھ کے بھی کیسا اُجالا کر دیا
حشر تک تاباں رہے گا چہرۂ دینِ خدا

دھرمیندر ناتھؔ : میں ہوں اک بندۂ احقر مگر یہ ناز ہے مجھ کو
عقیدت ہے محمدؐ سے علیؑ سے آلِ حیدرؑ سے
مری فکر و نظر کو مل رہی ہے روشنی پیہم
مدینے سے نجف سے کربلا کی خاکِ اطہر سے

عراقؔ رضا زیدی : رسولؐ عرش پہ شبیرؑ دوشِ احمدؐ پر
وہ ایک بار یہ معراج روز پاتے ہیں

اطہر حسنینؔ : ماورائے فہمِ بشر سے تری منزل ہے حسینؑ
کربلا صرف نشانِ کفِ پا ہے یوں ہے

انیسؔ : چھننے کا رداؤں کے عبث رنج و الم ہے
کیا چادرِ تطہیر کا پردہ تمہیں کم ہے؟

ہندو شاعر (نامعلوم) : مذہب کی قید ہی نہیں ذکرِ حسینؑ میں
ہر حق پرست ہوگیا شیدا حسینؑ کا
اہلِ وفا تو پڑھتے ہیں کلمہ رسولؐ کا
ہم ہندوؤں نے پڑھ لیا کلمہ حسینؑ کا

دنیائے عقل جتنا بھی سمجھی ہے آج کل
اُس سے بہت بلند ہے رتبا حسینؑ کا

نجم آفندی : مرکز بنا کے آج حسینؑ نشان کا
آپس کے اختلاف کو قربان کیجیے

اقبال : زندہ حق از قوتِ شبیریؑ است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

اقبال : بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالہ گردیدہ است

آل رضا : اک فخر سا محسوس ہمیں ہوتا ہے
جب کوئی بھی کہتا ہے ہمارے ہیں حسینؑ

مظہر جان جاناں : بنا کردند خوش رسمی بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

انیس : میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

مسکیؔن : دنیا میں اسی کو بادشاہی بھی ملے
عقبیٰ میں اسی کو روشنائی بھی ملے
جو دل سے کرے رجوع سوئے حسینؑ
شاہی بھی ملے و دل کشائی بھی ملے

نجم آفندی : سب نے اپنی جبیں جھکائی ہوتی
دل تک ہر ایک کی رسائی ہوتی
آجاتے جو اس پریم نگر میں کہیں
بھارت میں حسینؑ کی خدائی ہوتی

حالیؔ : کیا پاس تھا قولِ حق کا اللہ اللہ
تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہؑ
میں اور اطاعتِ یزیدِ گمراہ
لاحول و لا قوۃ الا باللہ

احسنؔ مارہروی : لیتا ہے شقی کا نام کب کوئی کہیں
لیکن لقب نیک ہے ہر دل میں مکیں
ہے نامِ بد نیک کی نسبت کا یہ فرق
لاکھوں ہیں حسینؑ اور یزید ایک نہیں

* * *

للتاؔ پرشاد : پیدا کیا اک نیا ثنا خواں تو نے
ہندو کو بنا لیا مسلماں تو نے

صد آفریں تجھ پہ اے حسینؑ مظلوم
غم سے کیا شاد کو بھی گریاں تو نے

کنور مہندر سنگھ سحرؔ : زندہ اسلام کو کیا تو نے
حق و باطل دکھا دیا تو نے
جی کے مرنا تو سب کو آتا تھا
مر کے جینا سکھا دیا تو نے

انیسؔ : اس دبدبے سے زیر کیا روم و شام کو
حکمِ جہاد پھر نہ ہوا تو امام کو

اقبالؔ : تا قیامت قطع استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

شہیدؔ : درِ شبیرؑ پہ بہرِ لحد دو گز زمیں مانگی
رسالتؐ تو نہیں چاہی خدائی تو نہیں مانگی

عارفؔ امام : آنکھ خالی ہو جس کی اشکوں سے
اس کے دل میں خدا نہیں ہوتا
میں الجھتا خود اپنے آپ سے ہوں
دوسروں سے خفا نہیں ہوتا

نصیرؔ : بے نقطہ حرف جو ہو جائیں تو جانوں نہ عجب
شعر کہتا ہوں میں شبیرؑ کی تنہائی پر

انیسؔ : ہوگا وہی اس سال جو کچھ ہے ترے جی میں
کمتی نہیں سرکارِ حسینؑ ابن علیؑ میں

نامعلوم : قبروں سے وہ ہنستے ہوئے ہوویں گے برآمد
اور پائیں گے قصرِ گہر و لعل و زبرجد

نامعلوم
جو دشمنِ زہراؑ و علیؑ ہے وہ ہے مرتد
ایماں کے عدد گن لو کہ ہیں "محبِ محمدؐ"

نامعلوم
کافر کا جگر سینہ میں یاں خوف سے شق ہے
گر غور کرو نام علیؑ کو تو بحق ہے

میر رضی میرؔ : جمع تھے ظلم و ستم کے مقابلے میں حسینؑ
علیؑ کی مثل تھے حق کے معاملے میں حسینؑ
بلند تھے سرِ محفل نبیؐ کے ہاتھوں پر
غدیرِ خم میں علیؑ اور مباہلے میں حسینؑ

میر رضی میرؔ
فخر آدم کو ہے جس پردہ بشر آتا ہے
دیکھ سورج بنی ہاشم کا قمر آتا ہے

اقبال حیدر : وجہ بقائے دین و شریعت حسینؑ ہیں
اسلام تیری عزت و حرمت حسینؑ ہیں
سر اپنے کٹ تو سکتے ہیں جھکتے نہیں کبھی
اقبال ہم غلاموں کی قوت حسینؑ ہیں

نصیر الدین گیلانی : خالی درِ حسینؑ سے جاتا نہیں کوئی
بیٹھے رہو نصیر اسی در کے سامنے

دبیر : از بہرِ حسینؑ و حسنؑ اے خالقِ دانا
جو مجھ سے جلے تو انھیں دوزخ میں جلانا

انیس (ذوالفقار) : اقبال و تندرستی و آسایش و قرار
امن و امان و صبر و توانائی و وقار
علم و سکون و راحت و آرام و اختیار
رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار
آثارِ قہرِ حق انھیں معلوم ہو گئے
سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

انیس : مجھ سے یہ نہ ہووے گا کہ امت کو مٹا دوں
اللہ سزا دے گا میں کیا ان کو سزا دوں

واجد علی شاہ : غمِ حسینؑ سے سوسن کی ہے یہ پوشاک
فلک بھی نیلا ہے اور جامۂ گلستاں سرخ

انیسؔ : یوں برچھیاں تھیں چاروں طرف اُس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

انیسؔ : رخسار کو قمر جو کہوں اُس میں داغ ہے
خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے

دبیرؔ : اب مطلب حمزہ ہمیں ذاکر یہ سنائے
حمزہ کی سپر پشت پہ مولاؑ تھے لگائے

انیسؔ : کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہیں نڈھال

جمالؔ احمدی : عصرِ دوراں نے کردیے خلق یزید سینکڑوں
اور ہو کاش ایک بار جلوہ گری حسینؑ کی

•••

جمالؔ احمدی : جمالؔ افسوس تو یہ ہے کوئی ان کے نہ کام آیا
کہ جو مشکل کشا بن کر زمانے بھر کے کام آیا

جمالؔ احمدی : موجِ فرات دیکھ کر آ گئی یاد اے جمالؔ
دریا دلی حسینؑ کی تشنہ لبی حسینؑ کی

جمالؔ احمدی : کاش وہ لوگ بھی سمجھ سکتے
رتبۂ سبطِ مصطفیٰؐ کیا ہے
جو سمجھتے ہیں شہ نہیں زندہ
اُن کو قرآں سے واسطہ کیا ہے

جمالؔ احمدی : تھی کربلا کی جنگ عجب جنگ اے جمالؔ
میداں کو سر کٹا کے کیا سر حسینؑ نے

جمالؔ احمدی : یہ یزید روسیہ کی فوج ہے یا اے جمالؔ
پھر چبانے کو جگر حمزہ کا ہندا آتی ہے

جمالؔ احمدی : مقبول عبادت ہوتی ہے معراج شہادت ہوتی ہے
ایک ایسا وقت بھی آتا ہے اک ایسا بھی لمحہ ہوتا ہے

ساجدؔ : یہ سجدوں پہ سجدے صبح و مسا اور اس پر تفاخر اے ساجدؔ
خود جس پہ عبادت ناز کرے وہ ایک ہی سجدہ ہوتا ہے

علی سردار جعفری :

گونگی نہیں ہے یہ زمیں
گونگا نہیں ہے آسماں
گونگے نہیں حرف و بیاں
گونگی اگر ہے مصلحت
خیموں کو ملتی ہے زباں
وہ خوں جو رزقِ خاک تھا
تابندہ ہے پائندہ ہے
صدیوں کی سفاکی سہی
انسان اب بھی زندہ ہے
کوئی یزیدِ وقت ہو
یا شمر ہو یا حرملا
نزدیک ہے روزِ جزا
اے کربلا اے کربلا

عبدالروف عروج : مورخوں سے کہو تم نے کچھ نہیں لکھا
لکھی تو صرف سلاطیں کی داستاں لکھی
تمھیں یزید کا جاہ و حشم نظر آیا
تمھیں حسینؑ کی عظمت نظر نہیں آئی

رگھبیر سرن دواکر راہی : آج دُنیا کو ضرورت ہے حسینؑ آن کی
ورنہ پھر خطرے میں ہے اب زندگی ایمان کی

نانک چند : رندہوں حرمتِ دل تیرے سہارے نکلے
ناؤ ڈوبے بھی تو کوثر کے کنارے نکلے

ٹھگر سہائے جوہر : دل میں اب تک ہے غم شاہِ شہیداں باقی
درد دل جائے تو کیوں کر نہیں درماں باقی

رگھوپتی سہائے امید: اے خاکِ شفا اس پہ بھی رحمت کی نظر ہو
اُمید بھی شبیرؑ کی اُلفت کا ہے بیمار

بے سنگھ : بے سنگھ پناہ مانگے گی مجھ سے نرک کی آگ
میں ہندو ہوں مگر ہوں میں شیدا حسینؑ کا

فیض احمد فیض : ہر دور میں ملعون شقاوت ہے شمر کی
ہر عہد میں مسعود ہے قربانیٔ شبیرؑ

کیلاش چند عیش : انسانیت کا درس جو مر کر بھی دے گیا
خلق خدا کو ایسی شہادت پہ ناز ہے

پنڈت بھوام جوش ملیسانی: یوں تو ہیں بہت دہر میں ایثار کے بندے
ایثارِ امامِ شہدا اور ہی کچھ ہے

گرسرن لال ادیبؔ: اسلاف کو بھی ان سے عقیدت تھی اے ادیبؔ
میراث میں ملی ہے محبت حسینؑ کی

درشن سنگھ : زوجِ مظلوم تری زخم رسیدہ ہمت
آج ہر درد بھری قوم کی اک ڈھارس ہے

پریم چند گپتا : صفِ پریم شہیدانِ کربلا تم کو
بہ احترام و محبت سلام کہتی ہے

موہن کمار فراقؔ : میرا بھی ان کے چاہنے والوں میں ہے شمار
مجھ کو بھی ہے فراقؔ سہارا حسینؑ کا

صباؔ اکبرآبادی : لکھنی ہے تشنگی شہِؑ عالی صفات کی
ہو جنبش قلم میں روانی فرات کی

صباؔ اکبرآبادی : تکمیل کی حسینؑ نے ہر امتحاں کی
پیری نے خود اٹھائی ہے میت جوان کی

صباؔ اکبرآبادی : نکلی کچھ اس طرح سے سواری امامؑ کی
بیت الحرم سے آئیں صدائیں سلام کی

قیصرؔ بارہوی : شمع ہوں جلوہ خصالوں سے محبّت ہے مجھے
میں اُجالا ہوں اُجالوں سے محبّت ہے مجھے
دشمنِ جذبۂ تخریب ہوں تعمیری ہوں
آدمیت مرا ایمان ہے شبیریؑ ہوں

فیض احمد فیض : مرکب پہ تنِ پاک تھا اور خاک پہ سر تھا
اس خاک تلے جنتِ فردوس کا در تھا

نجم آفندی : مولاؑ کا استغاثہ ترے حافظے میں ہے
مجلس کی حاضری سے منبر کی آگہی سے
یہ قول بھی سنا ہے سلطانِ کربلا کا
عزت کی موت بہتر ذلت کی زندگی سے

نجم آفندی : سب غم ہیں دو روزہ غمِ شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

نجم آفندی : کیسے شدید ظلم زمانے کے سہہ گئی
ندی لہو کے دیدۂ عبرت سے بہہ گئی
رکھی تھی ظالموں نے مٹانے میں کیا کسر
انسانیت حسینؑ کے صدقے میں رہ گئی

نجم آفندی : ایسے حسینؑ کا نام نہ کیوں کر حسینؑ ہو
جو کائناتِ حُسن ہے جو حُسنِ کائنات

نجم آفندی : تیرے نانا کا عمل درسِ شریعت اے حسینؑ
تیرے ہی گھر کا چلن راہِ طریقت اے حسینؑ

انیسؔ : قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

جوشؔ : تو اور تیرے حلق پہ تلوار، ہائے ہائے
زنجیر اور عابدؑ بیمار، ہائے ہائے
زینبؑ کا سر کھلے، سرِ بازار، ہائے ہائے
سر تیرا اور یزید کا دربار، ہائے ہائے
انسان اس طرح اتر آئے عناد پر
لعنت خدا کی حشر تک ابنِ زیاد پر

نامعلوم : حسینؑ یہ بھی تری جیت ہے کہ تیرا عدو
یہ کھل کے کہہ نہیں سکتا یزید میرا ہے

طاہرؔ ندیم : کنارِ عشق سجاؤں گا آبلوں کے گلاب
لبِ فراتِ محبت پہ پیاس لکھوں گا

گوپی ناتھ امنؔ : ملتے نہیں ہیں لفظ کہ کیا ہم کہیں انھیں
موزوں یہی ہے محسنِ اعظم کہیں انھیں
انسانیت سکھانے کو انسان بن کے آئے
ہندو تو یوں کہے گا کہ بھگوان بن کے آئے

دبیرؔ : ح نام ہے حق کی حمایت کے لیے
اور سین ہے سائل سے سخاوت کے لیے
ہیں نامِ حسینؑ میں کیا خوب حروف
ی نون ہے تاریخِ شہادت کے لیے (۱۰+۵۰=۶۰

جاویدؔ وششٹ : ہو درد بھری تو دل کی دنیا اچھی
جو عشق بڑھائے وہ تمنا اچھی
سن سن کے غمِ حسینؑ رو دیتی ہے
دریائے فرات سے تو گنگا اچھی

جوشؔ : جس کی رگوں میں آتشِ بدر و حنین ہے
جس سورما کا اسمِ گرامی حسینؑ ہے

نجم آفندی : حق نے رکھا شہادت عظمیٰ کا سر پہ تاج
ملتا ہے آنسوؤں سے جسے آج تک خراج

(نامعلوم) : وہ راکب دوشِ نبیؐ بلغ العلیٰ بکمالہ
(یمن راگ میں) یہ انھیں کے دم سے ہے روشنی کشف الدجا بجمالہ
نانا نبیؐ باباعلیؑ حسنت جمیع خصالہ
یعنی محمد مصطفیٰؐ صلوٰ علیہ والہ

نجم آفندی : مٹھی میں تھامے ہوئے موت اور حیات کو
کس دبدبے سے فتح کیا کائنات کو

نجم آفندی : کیا ربط آج موت کو ہے زندگی کے ساتھ
کتنے ادا شناس ہیں سبطِ نبیؐ کے ساتھ
پھر یہ ہجومِ شوق نہ ہوگا کسی کے ساتھ
مرنے کو یوں نہ جائیں گے انساں کسی کے ساتھ
سُن کر سفیرِ مرگ کے قدموں کی آہٹیں
ہونٹوں پہ جمع ہوں گی نہ پھر مسکراہٹیں

نجم آفندی : جب لے لیا حسینؑ نے میدانِ کربلا
بدلا لہو سے رنگِ بیابانِ کربلا
بے سر تھا قتل گاہ میں لاشہ پڑا ہوا
بالیں پہ فتحِ حق کا ہے جھنڈا گڑا ہوا
اُس دن سے آج تک یہ حکومت کا زور ہے
ہر سمت یا حسینؑ کا دنیا میں شور ہے

نجم آفندی : وہ شاندار موت وہ بنیادِ انقلاب
بیعت کا وہ سوال وہ دنداں شکن جواب
مجبوریٔ حیات سے کونین کو حجاب
نیزہ پہ سر حسینؑ کا مغرب میں آفتاب
صدقے ضیائے مہر و قرآن بان پر
تارے درود پڑھتے ہوئے آسمان پر

نجم آفندی : حدِ ادب پہ صبحِ قیامت رُکی ہوئی
قدموں پہ عرش و فرش کی گردن جھکی ہوئی

نجم آفندی : سجادؑ جن کے صبر کی کچھ انتہا نہیں
پوچھیں کہ شیر خوار کا قاتل ملا نہیں

نجم آفندی : ہاتھوں نے بڑھ کے گرمیٔ رفتار روک لی
آئی ہوئی حسینؑ پہ تلوار روک لی

نجم آفندی : جس کے گلے پہ ثبت ہوں بوسے رسولؐ کے
اس کے گلے پہ خنجرِ قاتل کی دھار ہو
نجم آفندی : یہ نہ قرآں میں نہ قرآن کی تفسیر میں ہے
روحِ احساس و عمل اُسوۂ شبیرؑ میں ہے

امید فاضلی : شبیرؑ استعارۂ ذبحِ عظیم ہے
ہر قطرہ اس کے خوں کا نوائے کلیم ہے
اس کا عمل چراغِ رہِ مستقیم ہے
وہ رمز آشنائے الف لام میم ہے
شبیرؑ کا وہ ربط ہے ذاتِ رسولؐ سے
وابستہ جیسے پھول کی خوشبو ہو پھول سے

امید فاضلی : حسینؑ نام تھا تیغ مسکرانے کا
حسینؑ نام ہے اسلام کو بچانے کا

امید فاضلی جسے نبیؐ و علیؑ نور عین کہتے ہیں
اسی کو عشق اسی کو حسینؑ کہتے ہیں
حسینؑ آیۂ والعصر ہیں بخطِ جلی
حسینؑ فکرِ پیمبرؐ حسینؑ علمِ علیؑ
حسینؑ کیا ہیں یہ قلب بتولؑ سے پوچھو
خدا سے پوچھو خدا کے رسولؐ سے پوچھو

امید فاضلی : حسینؑ اسمِ محمدؐ کی وہ علامت ہے
پڑھو تو مصحفِ رحمت لکھو تو رحمت ہے
نبیؐ کی یاد علیؑ کا خیال ذکرِ حسینؑ
مرا یقیں مرا ایماں مری عبادت ہے

اسیدؔ فاضلی : کتنے ہم معنی ہیں سجدہ اور حسینؑ ابن علیؑ
جس نے جب سجدہ کیا یاد حسینؑ آنے لگی
زیر خنجر وہ بھی کیا خنجر تھا جس کے فیض سے
کربلا کی روشنی کعبے کو دمکانے لگی

اسیدؔ فاضلی : خنجر کی حقیقت کیا سجدہ تو ادا ہوگا
تعلیمِ رسالتؐ پھر تعلیمِ رسالتؐ ہے

اسیدؔ فاضلی : جو شعور انبیاء پر قرض تھا
زیرِ خنجر آج وہ سجدہ ہوا

اسیدؔ فاضلی : ڈوبی ہوئے ہے شرم سے پانی میں خود فرات
اُس کے کنارے آکے بھی پیاسا حسینؑ ہے
منسوب جو رہی ہے محمدؐ کے نام سے
اس بندگی کا آخری سجدہ حسینؑ ہے

اسیدؔ فاضلی : حسینؑ وہ کہ گلا جس کا بوسہ گاہِ رسولؐ
قرار جانِ محمدؐ سکونِ قلب بتولؑ
ہُوا ہے دہر میں جس کے لیے وفا کا نزول
کئے ہیں جس نے مرتب جہاں میں حق کے اُصول
انھیں اُصولوں کا حاصل وہ ایک سجدہ ہے
جبینِ وقت پہ صدیوں سے جو دمکتا ہے

امید فاضلی : وہ روشنی کہ جس کی جلالت رسولؐ ہیں
جس دین جس یقین کی قسمت رسولؐ ہیں
وہ انقلاب جس کی علامت رسولؐ ہیں
وہ ارتقا کہ جس سے عبارت رسولؐ ہیں
اس ارتقا کا عزم و جوانی حسینؑ ہیں
دریا ہیں مصطفیؐ تو روانی حسینؑ ہیں

امید فاضلی : شبیرؑ دلِ کرب و بلا جانِ مدینہ
تنویرِ حرم، جلوۂ سلطانِ مدینہ
شمشادِ نجف، سروِ گلستانِ مدینہ
پروردۂ آغوشِ دبستانِ مدینہ
کیا وصف بھلا اُس کا ہم ایسوں سے بیاں ہو
جس وصف کو درکار محمدؐ کی زباں ہو

امید فاضلی : یقیں خلیلؑ کا، علمِ نبیؐ، علیؑ کا شعور
شعارِ فاطمہؑ، خلقِ حسنؑ، ذبیحؑ کا نور
ہوئے حسینؑ میں یک جا یہ سب تو میرے حضور
ہُوا ہے تب کہیں جا کر حسینیت کا ظہور
سرورِ بادۂ میخانۂ ازل ہے یہی
لکھا گیا جسے مقتل میں وہ غزل ہے یہی

نظام الدین ممنونؔ : سبحان اللہ وہ امامؑ غم ناک
کی مرگ تلک بندگیٔ ایزد پاک
سجدوں سے ہوا حق کے جہاں کا مسجود
ہے سجدہ گہ انام اس کی کفِ خاک

مسکینؔ : اگر سلام کہوں میں تمام قدرت کا
ادائے حق نہیں شاہا تری فضیلت کا
سلام لفظ مرکب ہے چار حرف ستیں
میں اس میں کیا کہوں کچھ حق تری حقیقت کا
تو وہ نبیؐ کا نواسہ ہے صاحب تعظیم
کہ عرش پایۂ اوّل ہے تیری عظمت کا

حسین ضیاؔ : خاکِ درگاہِ معلائے امامؑ دوسرا
دیدۂ و دل کو برنگ سرمہ دیتی ہے ضیاؔ
اس جناب پاک پر ہے جو کوئی دل سیں فدا
واجب التعظیم ہے اور عاقبت سے بے خطر

میر حسنؔ : یہ کس طرح کا زخم لگا تھا حسینؑ کے
اب تک بہے ہے خونِ حسن دل کے گھاؤ کے

انیسؔ : یہ تو نہیں کہا کہ شہِ مشرقین ہوں
مولاؑ نے سر جھکا کے کہا میں حسینؑ ہوں

انیسؔ : حملہ کریں چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسماں سمیت الٹ دیں زمین کو

انیسؔ : لاکھ تلواریں تھیں اور تنہا شہِ دلگیر تھے
ایک سینہ چاند سا تھا اور ہزاروں تیر تھے

انیسؔ : تو خداوند خداوندوں کا ہے بارِ الٰہ
ہیں برابر تری سرکار میں سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشق جاں باز ہے البتہ سوا
اے خوشا حال کہ مجھ سے ہو ترا عشق ادا
حلق پر تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے
لب پہ ہو نام ترا دل میں تری یاد رہے

اشرفؔ رفیع : سوارِ دوشِ رسالتؐ مآب ہو نہ سکا
کوئی حسینؑ و حسنؑ کا جواب ہو نہ سکا

انیسؔ : نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

شورشؔ : مجھ میں وہ بوتا کہاں ان کی ثنا خوانی کروں
خود رسولؐ اللہ ہیں شورشؔ ثنا خوانِ حسینؑ

نامعلوم : سال قتلش بگفت غمگینی (یعنی بے دینی نے دین کا سر کاٹ دیا۔ باقی ی اور نون سے تاریخ نکلتی ہے۔)

سرِ دیں را برید بے دینی ۔ دین=ی+ن=10+50=60ہجری

آصف مدراسی : سجدے میں تھے حسینؑ دو عالم سے بے خبر
سیکھے تھے اپنے باپ سے طرز اس نماز کا

میر عبداللہ مسکین دہلوی : محمدؐ نے علیؑ کو لحمک لحمی جو فرمایا
حسینؑ اس لحمک لحمی کا اک لختِ جگر آیا
تو جو ظالم نے اس مظلوم کی گردن کو کٹوایا
اُسے پوچھو وہ خنجر کس کی گردن پر ہے چلوایا

میر تقی میر : قصہ کوتہ میرؔ کہاں تک آلِ عباؑ کے دکھ سنیئے
رویئے کڑھیئے ماتم کریئے کوٹیے چھاتی سر دھنیئے
جیسے کباب بروئے آتش جلئے شام و سحر بھنیئے
چپ رہ ظالم خوب نہیں اب آگے بات بڑھائی ہوئی

سوداؔ : وہ علیؑ ابن ابی طالب و دامادِ رسولؐ
وہ علیؑ جس سے بیاہی تھی محمدؐ نے بتولؑ
وہ علیؑ جن کا سخن ہووے گا محشر میں قبول
اس کے فرزند تری تیغ سے ہوویں مقتول

درگاہ قلی : پکھراج غم سے زرد زمرد ہے زہر نوش
سوتی کے دل میں چھید ہے نیلم سیاہ پوش
اس دکھ سے آتشِ دل یاقوت ہے خموش
مرجاں لہو و لعلِ بدخشاں لہو لہو

ظہور الدین حاتمؔ : نہ میں سُنّی نہ شیعہ نے کافر
لیک لعنِ یزید کرتا ہوں

حاتمؔ حاتمؔ تمام عمر تو رونے سے منہ نہ موڑ
ماتم ہے دوستوں کو شہِؑ کربلا کا فرض

محمد صادق : ہے دعا صادق کی یارب یہ برائے اہل بیتؑ
(دامادِ شاہِ عالم) جز غمِ شبیرؑ کچھ دیجو نہ غم میرے تئیں

سیماب اکبر آبادی: وہ جو کہتے ہیں شہادت ہر زمانے میں ہو عام
"جذبۂ صادق" سے ہوسکتا ہے اس کا انصرام
پوچھتا ہوں ان سے، تیرہ سو برس سے آج تک
کیوں نہ انسان نے لیا اس جذبۂ صادق سے کام؟
کیوں خدا کی راہ میں دیتی نہیں یہ اپنی جان؟
آج بھی لاکھوں مجاہد ہیں کروڑوں ہیں امام؟
روح ہے اسلام کی مدت سے مرجھائی ہوئی
جوش میں آتا نہیں کیوں ان کا خونِ لالہ فام؟

سیمابؔ اکبرآبادی : ہر طرف اسلام پر طاری ہے یک گونہ جمود
سر فروشانہ یہ کیوں کرتے نہیں کچھ انتظام؟
سب زبانی ہیں یہ باتیں، بے حقیقت بے دلیل
منصب ابنِ علیؑ کا ہوچکا ہے اختتام؟
سبطِ شاہِ مشرقین، اب کوئی بن سکتا نہیں
بزمِ عالم میں ''حسینؑ'' اب کوئی بن سکتا نہیں

انیسؔ : کعبہ اِدھر تھا جلوہ نما اور اُدھر کنشت
دوزخ کی آگ اِدھر تھی اُدھر گلشنِ بہشت
گیتی اِدھر کرم کی اُدھر تھی ستم کی کشت
یاں کارِ نیک ہوتے تھے واں فعل ہائے زشت
شیطان تھا اُس طرف تو اُدھر کردگار تھا
میدان میں مقابلۂ نور و نار تھا

مونسؔ : غیر کی مدح کروں شہ کا ثنا خواں ہو کر
مجرئی اپنی ہوا کھوؤں سلیماں ہو کر

مونسؔ : بلبل کو گُل پسند ہے گُل کو ہوا پسند
ہم بوترابیوں کو ہے خاکِ شفا پسند
یہ اپنی اپنی چاہ ہے اے ساکنِ بہشت
تجھ کو ارم پسند ہمیں کربلا پسند

منیر شکوہ آبادی : ترا جد شہِ انبیا و ملائک
شہِ قاب و قوسین فخر الاطائب
اسی پر ہے نص، آ تقیا فی جہنم
خدا سورۂ قاف میں ہے مخاطب
علیؑ بحرِ ذُخار علمِ لدنی
علیؑ ہے مغشت الوریٰ النوائب
ائمہ تری نسل سے تا بہ مہدیؑ
بروجِ امامت کے ہیں نو کواکب
نبیؐ کے یہی جزو ہیں اقربا ہیں
سب ان کے سوا من قبیل الاجانب
ترے سب عزادار و اربابِ ماتم
ہوئے مستحقِ نعیم و مواہب

جوش ملیح آبادی : جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا، وہ حسینؑ
جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا، وہ حسینؑ
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا، وہ حسینؑ
جس نے سب کچھ کھو کے، پھر بھی کچھ نہ کھویا، وہ حسینؑ
وہ کہ سوزِ غم کو، سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مُسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

جوش ملیح آبادی : ہے رسالتؐ کی سپر جس کی امامت، وہ حسینؑ
جس نے رکھ لی نوعِ انسانی کی عزت، وہ حسینؑ

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کردیا
خون نے جس کے دو عالم میں اُجالا کردیا

اولاد حسین شاعر : تو مری آل کا ہے فخر یہ کہتے تھے خلیلؑ
اپنے ماتھے سے عرق پوچھتے تھے اسماعیلؑ
چلی آتی تھی یہ آوازِ خداوندِ جلیل
بشر ایسے بھی ہوا کرتے ہیں اے میکائیلؑ
درس ہے کرب و بلا چشمِ بصیرت کے لیے
کہو اب کون مناسب ہے خلافت کے لیے

امید فاضلی : مصطفیؐ نور ہیں اس نور میں شامل ہے حسینؑ
علم سرکار ہیں تعلیم کا حاصل ہے حسینؑ
جس میں دھڑکن دلِ زہراؑ کی ہے وہ دل ہے حسینؑ
ایک لمحہ سہی صدیوں کے مقابل ہے حسینؑ
نام اسلام کا اس نام سے تابندہ ہے
اے اجل دیکھ حسینؑ ابن علیؑ زندہ ہے

یاور عباس : نامِ حسینؑ صبر کی طاقت کا نام ہے
میدانِ کربلا ہے کسوٹی اصول کی

امید فاضلی : حسینؑ وہ کہ نہ جن پر چلا فسونِ اجل
حسینؑ عشق کی تکبیر ہیں سرِ مقتل

حسینؑ کرب و بلا میں اذانِ صبحِ ازل
تلاشِ حق ہو تجھے تو درِ حسینؑ پہ چل
یہی وہ در ہے جہاں سے حیات بختی ہے
انھیں کے در سے خرد کی زکات بٹتی ہے

عزیز لکھنوی : تفسیرِ کتابِ دیں پناہی تو ہے
زینت وہ تختِ بادشاہی تو ہے
واللہ کہ اے شہیدِ دشتِ غربت
مجموعۂ اخلاقِ الٰہی تو ہے

میر ضمیر لکھنوی : پہچانتے ہو کس کی مرے سر پر ہے دستار
دیکھو تو عبا کس کی ہے کاندھے پر نمودار
یہ کس کی زرہ کس کی سپر کس کی ہے تلوار
میں جس پہ سوار آیا ہوں کس کا ہے یہ رہوار
باندھا ہے کمر میں جسے یہ کس کی ہے ردا
کیا فاطمۂ زہرا نے نہیں اس کو ہے سیا

جوش ملیح آبادی : وہ ظلمتوں کے دام میں زہراؑ کے مہرو ماہ
تارے وہ فرطِ غم سے جھکائے ہوئے نگاہ
وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوائیں تھمی ہوئی
وہ اک بہن کی بھائی پہ نظریں جمی ہوئی

نجم آفندی : ملا کیا کیا نہ ہم کو بانیٔ اسلام کے گھر سے
عمل کی عزم کی معراج وابستہ ہے اس در سے
حسینؑ ابن علیؑ نے فطرتِ انساں کو چمکایا
زمانہ بے خبر تھا ورنہ آزادی کے جوہر سے

نجم آفندی : سبطِ نبیؐ سے دینِ خدا کا قیام ہے
کلمہ حسینؑ کا ہے محمدؐ کا نام ہے
دنیا میں یا حسینؑ کا نعرہ جو عام ہے
یہ دشمنِ حسینؑ سے اک انتقام ہے
سینے پہ کائنات کے نقشِ دوام ہے
انسانیت حسینؑ کے اُسوہؑ کا نام ہے
اپنی طرف سے چھیڑ نہ اپنی طرف سے جنگ
یہ مسلکِ حسین علیہ السلام ہے

نجم آفندی : شہیدِ ظلم کلیجے ہلا دیے تو نے
حسینؑ درد کے دریا بہا دیے تو نے
جراحتوں میں نمک بھر دیا تشکر کا
اذیتوں میں تبسم کھلا دیے تو نے
زمینِ کرب و بلا پر شہیدِ کرب و بلا
ہزار کعبۂ معنی بنا دیے تو نے

نجم آفندی : پانی کی بندشوں پہ حقارت کی اک نظر
عزت کی موت سے وہ نگاہیں لڑی ہوئی
اک ذاتِ سرفروش اور اک ذاتِ کردگار
مرکز سے کائناتِ دو عالم ہٹی ہوئی
سجدہ کہ جس پہ سجدۂ کون و مکاں نثار
حسرت سے کربلا کی زمیں دیکھتی ہوئی

نجم آفندی : ہر ایک ذرہ بے حس میں اک تڑپ بھر دی
دماغ وضع کیے دل بنا دیے تو نے

نجم آفندی : شہیدِ ظلم غریب الدیار کیا کہنا
حسینؑ درد کے پروردگار کیا کہنا

نجم آفندی : حسنؑ نے صلح کرکے آبرو اسلام کی رکھ لی
جب آیا جنگ کا موقع حسینؑ ابن علیؑ آئے
حسنؑ کے دشمنوں کو یہ سزا ملنا ضروری ہے
بھرا ہو گھر میں سیم و زر تو ذہنی مفلسی آئے
مجھے تو مدح کے جادہ کی منزل تک پہنچنا ہے
خودی آئے مری تقدیم کو یا بے خودی آئے

نجم آفندی : اے حسینؑ ابن علیؑ اے کارسازِ حریت
تو نے مرگ و زندگی دونوں کو آساں کر دیا

نجم آفندی : تیری ہی کہانی کہنی ہے تیرا ہی سبق دہرانا ہے
اسلام کو زندہ تو نے کیا اسلام ہے زندہ تیرے لیے

نجم آفندی : یہ کس نے جھکایا ہے سر طاعتِ خالق میں
کیا سر ہے کہ سجدے سے قاتل کو اٹھاتا ہے

نجم آفندی : اسلام کو دیتا ہے ہر سال حیاتِ نو
کیا تو نے کہا غافل یہ ذکر پرانا ہے

نجم آفندی : زباں پہ شکر نگاہوں میں دردِ دل میں تڑپ
نبیؐ کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا

نجم آفندی : شہیدِ ظلم زمانہ شہید ہے تیرا
ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

نجم آفندی : عالمِ امکاں میں ہے آج وہ ملت بلند
دل سے لگائے ہوئے جو ترا پیغام ہے

نجم آفندی : اُس کے در پہ سجدے کر اے غرورِ انسانی
جس نے آدمیت کی آبرو بچائی ہے

نجم آفندی : تیری ہی کہانی کہنی ہے تیرا ہی سبق دہرانا ہے
اسلام کو زندہ تو نے کیا اسلام ہے زندہ تیرے لیے

نجم آفندی : یہ کس نے جھکایا ہے سرِ طاعتِ خالق میں
کیا سر ہے کہ سجدے سے قاتل کو اٹھاتا ہے

نجم آفندی : اسلام کو دیتا ہے ہر سال حیاتِ نو
کیا تو نے کہا غافل یہ ذکر پرانا ہے

نجم آفندی : زباں پہ شکر نگاہوں میں درد دل میں تڑپ
نبیؐ کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا

نجم آفندی : شہیدِ ظلم زمانہ شہید ہے تیرا
ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

نجم آفندی : عالمِ امکاں میں ہے آج وہ ملت بلند
دل سے لگائے ہوئے جو ترا پیغام ہے

نجم آفندی : اس کے در پہ سجدے کرا ے غرورِ انسانی
جس نے آدمیت کی آبرو بچائی ہے

نجم آفندی : فاطمہؑ کی گود کا پالا جگا کر قوم کو
سو رہا ہے کربلا کی منزلِ بیدار میں

نجم آفندی : وہ تیرے صبر کی آغوش و لاشۂ اصغرؑ
یہ دل یہ دل یہ ترا اختیار کیا کہنا
یہ دل میں دردِ محبت یہ نجم جوشِ سخن
یہ تیرا خامۂ عالم نگار کیا کہنا

نجم آفندی : چاند نے زہراؑ کے مستقبل درخشاں کر دیا
قومیت کی روحِ آزادی کو جولاں کر دیا

نجم آفندی : تحقیق کا جنون ہے فکرِ عمل نہیں
کیا ڈھونڈتے ہو کرب و بلا کی کتاب میں

نجم آفندی : میدانِ کربلا کو اپنا لہو پلا کر
دنیا میں حریّت کا مرکز بنا رہے ہیں

نجم آفندی : اگر انساں کو عرفانِ غمِ شبیرؑ ہو جائے
شعورِ حریّت دنیا میں عالم گیر ہو جائے

نجم آفندی : جو حریت کی راہ بنا کر گئے حسینؑ
راہیں نکل رہی ہیں اُسی شاہراہ سے

نجم آفندی : کیوں اس کی یادگار منائیں نہ اہلِ دل
جذباتِ حریّت کا جو پروردگار ہو

نجم آفندی : یہ حریت فکر یہ بیداریٔ اقوام
اک کوشش تقلیدِ حسینؑ ابن علیؑ ہے

نجم آفندی : ذلت کی زندگی سے عزّت کی موت اچھی
الفاظ ہیں کہ ساری دنیا پہ چھا رہے ہیں

نجم آفندی : زمانہ بے خبر تھا ورنہ آزادی کے جوہر سے
اللہ رے صداقت سادات کے لہو کی

صادقینؔ : میں عقل کے افکار کو ٹھکراتا ہوں
اور قلب کا اقرار بجالاتا ہوں
اے ابن علیؑ تیری بدولت واللہ
اللہ پہ ایمان لیے آتا ہوں

صادقینؔ : پیاسے ہیں مگر مالک زمزم ہیں حسینؑ
لاریب بہ فیہ فخر دو عالم ہیں حسینؑ
کافر کا کبھی ساتھ نہیں دے سکتے
کٹوائیں گے سر ہاتھ نہیں دے سکتے

صادقینؔ : وہ خون تھا روشنائی، تختی مقتل
اس پر وہ رواں ہوا بناتا ہوا کل
بہتا تھا تو بن جاتا تھا ایمان کا لفظ
انسان کا عرفان کا قرآن کا لفظ

مجمعؔ : ناز پروردۂ آغوشِ رسالتؐ ہے حسینؑ
معنیٔ صبر ہے مفہومِ شجاعت ہے حسینؑ
قایدِ سجدہ گزارانِ شہادت ہے حسینؑ
بزمِ ہستی میں پیمبرؐ کی امانت ہے حسینؑ
موت کی شان دکھانے کے لیے پالا تھا
جانِ اسلام بچانے کے لیے پالا تھا

منظرؔ عباس : بیعتِ فاسق و فاجر نہ کرے گا شبیرؑ
تا ابد زندہ رہے ایسے مرے گا شبیرؑ

شفا ادیمؔ : حسینؑ مطلعِ حق ہے، حسینؑ منبعِ نور
حسینؑ قربِ الٰہی حسینؑ وجد و سرور
حسینؑ درد کا خالق، حسینؑ صبر و صبور
حسینؑ جانِ دو عالم حسینؑ شکر و شکور
درِ حسینؑ پہ جو مانگنے کو جاتا ہے
مئے الست کا بھرپور جام پاتا ہے

شفا اوجم

حسینؑ خلق کا آغاز ہے حسینؑ انجام
حسینؑ بادۂ عرفاں کا ہے چھلکتا جام
حسینؑ نامِ خدا ہے خدا کا اصلی نام
حسینؑ قربِ الٰہی کا سب سے اُونچا بام
حسینیوں کو خدا کی طلب ضرور نہیں
حسینؑ مل گیا تو پھر خدا بھی دُور نہیں

جوشؔ : کیا صرف مسلمانوں کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

نجم آفندی : منزلِ شبیرؑ تک نجم نہ پہنچیں گے ہم
آہ و بکا تک اگر جوشِ ولا رہ گیا

نجم آفندی : دنیا میں وقت نجم کا اچھا گزر گیا
مولاؑ کے غم میں غم تو خوشی میں خوشی رہی

نجم آفندی : نجم تیرہ سو برس سے آج تک قبرِ حسینؑ
معبدِ اہلِ وفا ہے سجدہ گاہِ عشق ہے

نجم آفندی : ان کی نعلینِ مبارک میرے سر آنکھوں پہ نجم
تاجداروں سے ہیں برتر کفش بردارِ حسینؑ

نجم آفندی : بن گئی انسان کا معبد زمینِ کربلا
نجم جب عز و عمل کی زندگی لائے حسینؑ

نجم آفندی : نجم ہو اگر نسبت اُسوۂ حسینؑ سے
ایک شعرِ مدحت میں خلد کا قبالا ہے

نجم آفندی : نجم میں ہوں شاعرِ بزمِ حسین ابن علیؑ
میرا نغمہ ہے فقط سازِ حقیقت کے لیے

نجم آفندی : خون شبیرؑ کا اسلام کی بنیاد میں ہے
ایسی محکم نہ نظر آئے گی تعمیر کوئی

نجم آفندی : پڑھ کر نماز عصر کی شبیرؑ زیرِ تیغ
اک عصرِ نو کی خلق میں تعمیر کر گئے
سمجھے نہ حق شناس بھی منزل حسینؑ کی
اتنا ہی کہہ سکے یہ بڑا کام کر گئے

نجم آفندی : ہے غل و زنجیر میں جکڑا ہوا پیغامبر
خون میں ڈوبا ہوا شبیرؑ کا پیغام ہے

کر چکے تسخیر کوفہ سوگوارِ حسینؑ
اب اسیرانِ بلا کا قصد سوئے شام ہے

انیسؔ : شبیہہِ امامؑ زماں کھینچتے ہیں
تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں

دبیرؔ : خاکساروں کا ہر اک دھبے سے دامن پاک ہے
گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی

نجم آفندی : جھوٹ سے ٹکرا کے سچے بول شعلے بن گئے
ہر زبانِ گنگ کو شمشیر عریاں کردیا
ڈھے گیا قصرِ امارت ہل گئی بنیادِ ظلم
کار گاہِ عیش کو خوابِ پریشاں کردیا
اضطرابِ معنوی دے کر بنایا دل کو دل
زندگی کو زندگی انساں کو انساں کردیا

نجم آفندی : صدیوں سے ہے دنیا میں یونہی معرکہ آرا
کوئی تو حقیقت ہے جو ہے دل کو گوارا
رکتا نہیں اس درد کے طوفان کا دھارا
قدرت کا ہے خود اس کی اشاعت میں سہارا
سب غم ہے دو روزہ غم شبیرؑ وہی ہے
تیرہ سو برس بعد بھی تاثیر وہی ہے

نجم آفندی : غمِ حسینؑ کے ادنیٰ تصرفات ہیں یہ
ہر ایک قوم کو اس غم میں نوحہ گر دیکھا

نجم آفندی : اشکِ غمِ حسینؑ میں ہے لطفِ زندگی
رونا اگر نہ آئے تو جینا حرام ہے
بے ماتمِ حسینؑ سحر ہے نہ شام ہے
جس دن یہ غم تمام ہے دنیا تمام ہے

نجم آفندی : حق کو باطل سے جدا کرنے کو اٹھے تھے حسینؑ
اقتضا یہ وقت کا تھا بیچ میں تلوار آئے

نجم آفندی : کیا حسینی کارواں میں تھا شعورِ زندگی
بڑھ گیا جوشِ عمل جب مرنے والے کم رہے

نجم آفندی : سب کچھ لٹا کے دین کی ہستی بچائی ہے
اے قوم تو حسینؑ کی گاڑھی کمائی ہے

نجم آفندی : سجدے سے سر کسی کا اٹھا روشنی ہوئی
عشرہ کی صبح آئی قیامت بنی ہوئی

نجم آفندی : وقتِ نمازِ عصر کا آنکھوں کو انتظار
کانوں میں وہ اذاں علی اکبرؑ کی دی ہوئی

وہ گرد و پیش مجمعٔ ارواحِ انبیاء
دنیا ادب سے حدِ نظر پر رُکی ہوئی

مجرم آفندی : عالم ہے تو قرآن پہ عامل بھی ہو
خاکِ درِ اہلِ بیتؑ منزل بھی ہو
اے دوست تری عبا قبا کے نیچے
اللہ کرے درد بھرا دل بھی ہو

حمایت علی شاعرؔ : طلوعِ صبح کا منظر نگاہ میں رکھنا
پھر اپنی آنکھ کو شبنم سے باوضو کر کے
جمالِ سبطِ پیمبرؐ نگاہ میں رکھنا

حمایت علی شاعرؔ : رسولؐ پاک کا ہر لفظ اک اشارہ ہے
"خدا کو مجھ سے تو مجھ کو حسینؑ سے جانو"
حسینؑ دینِ محمدؐ کا استعارہ ہے

حمایت علی شاعرؔ : حق کا عجب قرینۂ اظہار تھے حسینؑ
مسجد کے واسطے سے جو سوچا تو یہ کھلا
گنبد نبیؐ کی ذات تو مینار تھے حسینؑ

حمایت علی شاعرؔ : یہی نہیں کہ جگر پارۂ بتولؑ تھا وہ
عمل تھا، علم تھا، کردار تھا، اصول تھا وہ
عمل کے بعد، نمائندۂ رسولؐ تھا وہ

حمایت علی شاعرؔ : نبیؐ کا دل تو نظر بوترابؑ کے مانند
وہ شخص جس کا تصور کروں تو روشن ہو
افق سے تا بہ افق، آفتاب کے مانند

حمایت علی شاعرؔ : قرآں کی حفاظت تو خدا نے کی ہے
اسلام کی بنیاد، محمدؐ نے رکھی
تکمیل، امامِ شہداء نے کی ہے

حمایت علی شاعرؔ : گرمی ہے اور پیاس کی شدت ہے اور حسینؑ
دریا ہے موج موج تو دشمن ہے فوج فوج
حدِ نگاہ تک یہ قیامت ہے اور حسینؑ

مولانا محمد علی جوہرؔ : دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جوہرؔ : کہتے ہیں لوگ سب ہے پردۂ ظلمات پر خطر
کچھ دشت کربلا سے سوا ہو تو جانیے

جوہرؔ
قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آل رضاؔ :
چڑھا تھا رنگ جو پانی پہ سب اتار دیا
کرلے کے چلّو میں دریا کے منہ پہ مار دیا

آل رضاؔ :
کسی میں دم ہو تو ٹوکے دلیر آتا ہے
ترائی والو سنبھل جاؤ شیر آتا ہے

آل رضاؔ :
یہ آج خیمے میں کوندا سا جو لپکتا ہے
کہاں ہیں حضرتِ عباس؟ کیا چمکتا ہے

اوجؔ :
اس شان سے شہید کوئی اور کم گرا
پہلے زمیں پہ آپ گرے پھر علم گرا

عارفؔ :
دفن تو کر دیا بچّے کو بہرحال مگر
شہؑ سے تربتِ علیؑ اصغر کی بنائی نہ گئی

عارفؔ :
لشکرِ شام سے جس دم حُرِ ذی شاں نکلا
غل ہوا ابرِ سیہ سے مہِ تاباں نکلا

انیسؔ : کیا ہوش تھا کیا فہم تھا کیا عقل تھی کیا دل
کیا حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل

انیسؔ : جینے کی شاہِ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینے کو جلا دے کے مر گئے

انیسؔ : بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

انیسؔ : پہلو میں جو تجھ کو میں نہیں پاتی ہوں بیٹا
تکیوں سے تصور میں لپٹ جاتی ہو بیٹا

انیسؔ : مجھ کو تو جدائی تری تڑپاتی ہے اصغرؑ
مجھ بن تجھے کس طرح سے نیند آتی ہے اصغرؑ

رعنا رفیع : لشکرِ شبیرؑ میں چھوٹے بڑے کا کیا سوال
جنگ کی قوت برابر ہے جوان و پیر میں

رعنا رفیع : اللہ مسلماں کوئی اکبرؑ کو بچا لے
دنیا میں یہی آخری تصویرِ نبیؐ ہے

شمیمؔ امروہوی : ایسا تو زبردست کوئی شیر نہیں ہے
عباسؑ کے تو نام میں بھی زیر نہیں ہے

دلگیرؔ : کہتی تھی بانو الٰہی کیجیو وارث کی خیر
آج کیوں سر سے ڈھلی جاتی ہے چادر بار بار

دلورام کوثریؔ : اللہ طو غنی کوثریؔ اتنا چالاک
گنگا سے جو پھسلا لب کوثر نکلا

گیانؔ چند : اعجاز ہے یہ خونِ حسینؑ شہید کا
رکھتا نہیں ہے نام کوئی اب یزید کا

جوشؔ : اس طرح جس سے ظلم سیہ فام ہوگیا
لفظِ یزید داخل دشنام ہوگیا

باقرؔ امانت خوانی : زلفِ سجادؑ کا سایا پڑا زنجیر بنی
شکلِ اصغرؑ جو کھینچی پیاس کی تصویر بنی
بن گئے اشکِ ندامت رہ تدبیر بنی
حُر کی تصویر کا بننا تھا کہ تقدیر بنی

انیسؔ : راحت کے دن گزر گئے یہ فصل اور ہے
اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

انیسؔ : حُسنِ رسولؐ و شانِ علیؑ کا ظہور تھا
گویا لباسِ کعبہ میں خالق کا نور تھا

نامعلوم (راگ بھیروی) : نکلے خیمے سے جو ہتھیار لگائے عباسؑ
چڑھ کے رہوار پہ میدان میں آئے عباسؑ
غل ہوا فوج میں لو مشک بھی لائے عباسؑ
دیکھنا پانی کی اک بوند نہ پائے عباسؑ
غم ہے پیاسوں کا بھی جنگ کے ہتھیار بھی ہیں
لڑنے بھی آئے ہیں، پانی کے طلب گار بھی ہیں

انیسؔ : میدان میں ہم شکل نبیؐ جانے نہ پائے
زہراؑ کی کمائی پہ زوال آنے نہ پائے
وہ احمدِؐ مختار کے فرزند ہیں بٹیا
زہراؑ کے کلیجے کے وہ دل بند ہیں بٹیا
شبیرؑ سے میں دور ہوں تو ساتھ ہے بٹیا
عزت تری مادر کی ترے ہاتھ ہے بٹیا

انیسؔ : بے چین ہو تم دل مرا گھبراتا ہے بیٹا
مر جاؤ کہ اب صبر میں فرق آتا ہے بیٹا

انیسؔ : منکا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کی گود میں

انیسؔ : کیا مجھے دے گا ترا حاکم ملعون و خسیس
کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھیں پرچہ نویس
ہاں سوئے ابنِ شہنشاہ عرب جاتا ہوں
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

انیسؔ : ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوترابؑ
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئینوں کی جلا اور ہو گئی

چنداؔبائی ماہ لقا : نہ ہو چنداؔ زمانے میں کسی سے ملتجی ہرگز
جو کہنا ہے تجھے کہہ شبرؑ و شبیرؑ سے اپنے

سردار نقویؔ : راہِ عرفاں میں کبھی وہ بھی مقام آتا ہے
حُر پہ جب ثانیٔ زہرا کا سلام آتا ہے

مجتبیٰ حسینؔ : فراتِ مشکِ سکینہؑ تمام دشت میں فوج
قمرِ وفا کا دمکتا ہوا بہ حدِ اوج
یہی شبیہِ علیؑ ہیں یہی ہے شانِ رسولؐ
پسندِ خاطرِ زہراؑ جو ہیں یہی ہیں وہ پھول
زمیں کو دستِ بریدہ امان دیتے ہوئے
بطرزِ خاصِ شہادت اذان دیتے ہوئے

قیصر بارہوی :

مریم سرشت قلب، جگر ہاجرہ مثال
مقصد کی تیغ جذبۂ خیر النساء کی ڈھال
معصومؑ نگاہ میں آیات کا جمال
زخمی کمر سے باندھے ہوئے انما کی شال
یہ طرزِ جنگ حرمت قرآں کے واسطے
پیغمبری ہے عالمِ نسواں کے واسطے

قمر جلالپوری :

دم بھر میں قتل سینکڑوں کفار ہو گئے
خم کیا کمر میں آگیا تلوار ہو گئے

شدید لکھنوی :

نوحۂ غم کی کسک دہر کے ہر ساز میں ہے
خطبۂ بنتِ علیؑ وقت کی آواز میں ہے

نجم آفندی :

اہل زمیں کی آج ستاروں پہ ہے نظر
ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر
ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر
مردانِ حق پرست کا جانا ہوا گر
عباسؑ نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند میں حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے

علی رضا نقوی (خاک کربلا) :

لالہ و گل کی سب نکہتیں جذب ہیں
راحتیں جذب ہیں الفتیں جذب ہیں

دینِ اسلام کی عظمتیں جذب ہیں
آسمانوں کی بھی رفعتیں جذب ہیں
گل بنے ہیں یہیں پر شرارے بہت
تجھ پہ بکھرے پڑے ہیں ستارے بہت

جوشؔ : اصغر میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآب کا

آل رضا : دلوں پر تا قیامت حکمراں ہیں کربلا والے
فنا کو اس طرح سے فتح کرتے ہیں بقا والے

(نتھونی لال وحشیؔ "معراج عشق" میں کھتری کی شہادت لکھی جوان کے عقیدت میں امام پر قربان ہو گیا اور اس مرثیے میں ہندوؤں کے روایتی تہذیبی سماجی تہذیب کی بھی عکاسی کی ہے۔)

نتھونی لال وحشیؔ : اللہ رے تشنگی مرے ذوقِ صفات کی
گنگا سے ہم کنار ہیں موجیں فرات کی
ہر ھمیر علم و فضل کی ہے انجمن وہاں
حضرت کے ایک صحابی ہیں بابا رتن وہاں
تھا گرز اس کے ہاتھ میں یا بھیم کی گدا
جس کو گھما رہا تھا صفوں میں وہ برملا
کھینچی کماں جو معرکۂ گیر و دار میں
ارجن کے تیر چلنے لگے کار زار میں

بوچھار تھی لہو کی جہاں کے رواق میں
ہولی منا رہی تھی ستمگر عراق میں
غُل تھا کمک حرم کو ملی ہے کنشت سے
کرشن کی رُوح جھانک رہی ہے بہشت سے

صباؔ اکبرآبادی : بے شیر کا مزار نہیں حدِ صبر ہے
تلوار سے کھدی ہے سپاہی کی قبر ہے

صباؔ اکبرآبادی : اس بندگی کی داد ذرا آسمان دے
پیری پڑھے نماز جوانی اذان دے

صادقینؔ : وہ اسمِ گرامی جو لکھا کاغذ پر
رنگوں میں اتر آئی صفا کاغذ پر

وحیداخترؔ : یہ زباں تیر بھی، نشتر بھی ہے، شمشیر بھی ہے
خنجر و نیزہ بھی ہے، طوقِ گلو گیر بھی ہے
تشنگی کہتی ہے لب تختۂ تقریر بھی ہے
تیغِ عباسؑ بھی، مظلومیٔ شبیرؑ بھی ہے
آب میں اس کی ہے لب تشنگیٔ اصغرؑ بھی
کاٹ میں اس کی ہے شامل نگہِ سرورؑ بھی

وحید اختر : اس کی خوشبو میں شہیدوں کی مہک ملتی ہے
درد میں عونؑ و محمدؑ کی جھلک ملتی ہے
کرب میں زخمِ عزیزاں کی تپک ملتی ہے
غیظ میں گھر کے اُجڑنے کی کسک ملتی ہے
گھٹتی آواز میں تنگئ رسن کا ہے نشاں
کانپتے ہاتھوں میں بازو کی چبھن کا ہے نشاں

وحید اختر : قدرت الفاظ پہ ایسی شعراء بھی حیراں
ندرت الفاظ میں وہ، گوش بر آوازِ جہاں
وہ رَوانی ہے دُعا دیتی ہے احمدؐ کی زباں
وہ صفائی ہے کہ پڑھتا ہے قصیدہ، قرآں
لیتے ہیں رُوحِ امیں درس سخن زائی کا
سیکھ لے طرز مسیحا بھی، مسیحائی کا

آل رضا : شمع لے کر روئے اکبرؑ دیکھنے بیٹھی تھی ماں
صبح محشر تک ٹھہرنا تھا شب عاشور کو

مونس : دو معرکے تا حشر نہ بھولے گا زمانہ
وہ باپ کا قصہ تھا یہ بیٹے کا فسانہ
خیبر میں اکیلے اسدؔاللہ کا جانا
مشکیزہ لیے نہر پہ عباسؑ کا آنا

اُس قلعہ کا در حیدرؑ کرارؑ نے توڑا
دیواروں کو لوہے کی علمدارؑ نے توڑا

انیسؔ :
خادم شہِ دیں کے ہیں تو عباسؑ علی ہیں
اس عہدے کے لائق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

دبیرؔ (عون و محمد سراپا):
رودار ہے خورشید پہ اَبرو نہیں رکھتا
اَبرو مہ نو رکھتا ہے پر رُو نہیں رکھتا
قد رکھتا ہے طوبیٰ پہ یہ گیسو نہیں رکھتا
سنبل کے ہیں گیسو قدِ دل جو نہیں رکھتا
گر آنکھ ہے نرگس کی تو بینائی نہیں ہے
غنچہ کے دہن ہے تو یہ گویائی نہیں ہے

نفیسؔ :
علیؑ کا دبدبہ و رعب و جرات و صولت
حسنؑ کا حُسن حسین حسینؑ کی سب شوکت

آلِ رضاؔ :
کتنا پانی ہے جو بے وقت برس جاتا ہے
اور کبھی قافلہ پیاسوں کا ترس جاتا ہے
سامنے رکھ دیے تبلیغ کے جو دفتر تھے
کبھی قرآن تھا ہاتھوں پہ کبھی اصغرؑ تھے

امید فاضلی : پاسبانیٔ حسینؑ ابن علیؑ کے واسطے
سوگئیں صدیاں تو کیا روحِ وفا بیدار ہے

امید فاضلی : شبیرؑ کی صورت میں قرآن نظر آیا
عباسؑ کی سیرت میں تفسیر نظر آئی

امید فاضلی : شبیرؑ سے بھائی نے لشکر کا علم پایا
عباسؑ سے جرأت نے تعلیم وفا پائی

امید فاضلی : اللہ اللہ لمس زانوئے حسینؑ
ازسرِ نو آج حُر زندہ ہوا

امید فاضلی : اک طفل شیرخوار ہے اور حرملا کا تیر
تاریخ چیخ اٹھی یہ کیسی لڑائی ہے

امید فاضلی
کم سن ہی سہی قوتِ دیں ہیں اصغرؑ
شبیرؑ امانت ہیں امیں ہیں اصغرؑ
الفاظ سے ممکن نہیں جس کی تفسیر
وہ پارۂ قرآنِ مبیں ہیں اصغرؑ

امید فاضلی : تاریخ جس کا لا نہ سکی آج تک جواب
عباسؑ ایسا لفظ کتابِ وفا میں ہے

امید فاضلی : دیکھنا دکھنے نہ پائے اس کا دل
حرزِ جانِ مصطفےٰ ہے فاطمہؑ
آگ کس کس کو جلائے گی امید
ہر درِ دل پر لکھا ہے فاطمہؑ

دبیر : خاقانی و فردوسی و سعدی و نظامی
شاہوں کی مدد سے ہوئے آفاق میں نامی
عباسؑ ہیں اس بندۂ درگاہ کے حامی
دیتا ہے سخن لکھ کے مجھے خطِ غلامی
ہیں دو ہی دبیر اس میں نہیں ایک کو شک ہے
منبر مری جاگیر مقام اس کا فلک ہے

تعشق لکھنوی : شاہ کہتے تھے خیالِ رنجِ اصغرؑ ہے ضرور
دل میں تھوڑی سی جگہ اے داغ اکبرؑ چھوڑ دے

نجم آفندی : خطبۂ سجادؑ ہو یا ہو رجز شبیرؑ کا
ان کا ایک اک حرف شرحِ عزتِ اسلام تھا

نجم آفندی : مایا نے جنھیں ٹھکرایا تھا وہ مایا روپی بندے تھے
یہ ایشر روپی بندے ہیں یاں مایا ٹھوکر کھاتی ہے

نجم آفندی : کربلا کو بنا گیا کعبہ
کس کو منہ پھیرنے کا یارا ہے
اُس مکاں سے بلند ہیں شعلے
حق نے تارا جہاں اُتارا ہے

تعشق لکھنوی : حضرتِ سجادؑ راہِ شام سے واقف نہ تھے
ہاتھ پکڑے تھی رسن رستہ بتانے کے لیے
کھیلتی تھیں خاک سے طفلی میں زینبؑ بارہا
مشق کی تھی کربلا میں خاک اڑانے کے لیے

شاداںؔ دہلوی : عباسؑ کو ملی ہے وراثت میں یہ صفت
مشکل کشا کا لال بھی مشکل کشا ہوا

شاداںؔ دہلوی : یہ وفا کا ایسا سورج ہے کہ جو
ڈوب کر بھی روشنی دیتا رہا

شاداںؔ دہلوی : اسلام کی تاریخ میں عباسؑ کا کردار
اک قرضِ وفا ہے جو اترتا نہیں سر سے

•••

شاداںؔ دہلوی : حسینیتؑ کا وہ پرچم نہ شاداںؔ سرنگوں ہوگا
بنایا تھا جو بعدِ کربلا زینبؑ کی چادر سے

شاداںؔ دہلوی : اے ناشگفتہ غنچۂ بستانِ کربلا
ہر پھول تیرے غم میں گریباں دریدہ ہے

شاداںؔ دہلوی : اذاں میں آج بھی اکبرؑ کا نام آتا ہے
یہ افتخار ہے ہم صورتِ نبیؐ کے لیے

شہیدؔ : لب پہ شہؑ کے شکر ہے اور حلق پر شمشیر ہے
دیکھنا یہ فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر ہے
اے مسلمانوں علی اکبرؑ کو زندہ چھوڑ دو
یہ نبیؐ کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے
دل تڑپ جاتا ہے آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں اشک
کیا حسینؑ ابن علیؑ کے نام کی تاثیر ہے

شہیدؔ : کربلا تک گھیر کر شبیرؑ کو لایا تھا حُر
کفر پہنچا حدِ آخر پر تو ایماں ہوگیا

شہیدؔ : حسینؑ لاش پہ اصغرؑ کی ڈال دیجے عبا
ملایکہ کی عبادت میں فرق آتا ہے

دبیرؔ : چاروں کتب حق کا شرف ان سے جلی ہے
یہ سورۂ اخلاص حسینؑ ابن علیؑ ہے

سرمدؔ : آنانکہ غمِ تو برگزیدند ہمہ
در کوی شہادت آرمیدند ہمہ
در معرکۂ دوکون فتح از عشق است
باآنکہ سپاہ او شہیدند ہمہ

داغؔ : حج زیارت کرچکے اب کربلا کو بھی چلو
داغؔ مدت ہوگئی تم کو یہاں بیٹھے ہوئے

فراقؔ : خون شہید کا ترے آج ہے زیبِ داستاں
نعرۂ انقلاب ہے ماتمِ رفتگاں نہیں

جوشؔ : نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرت الناسے
نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ نہ عباسؑ

انیسؔ : ننھی سی قبر کھود کے اصغرؑ کو گاڑ کے
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

انیسؔ : ثانی بھی میرے لال کا کوئی جہاں میں ہے
اللہ سے ملا ہوا اکبرؑ اذاں میں ہے

دبیرؔ : ساری تعلّیاں شعراؑ کی فضول ہیں
بس انتہا ہوئی کہ شبیہِ رسولؐ ہیں

دبیرؔ : ہم سب کا جو بن خضر اور الیاس کا ہوگا
ششمہ نہ بیاں مرتبہ عباسؑ کا ہوگا

دبیرؔ : عباسِؑ علی روحِ شہِ جن و بشر ہیں
یہ طائرِ روحِ شہِؑ مظلوم کے پر ہیں

دبیرؔ : محشر میں بجھائے گا عزاداروں کی جو پیاس
عباسؑ ہے عباسؑ ہے عباسؑ ہے عباسؑ

دبیرؔ (عباسؑ) : ہے "عین" سرِ اسم کہ ہوں گے یہ علمدار
"بے" سے ہے بشارت کہ یہ ہے بازوے سالار
ایمان کا آغاز "الف" سے ہے نمودار
ہے "سین" سے سقائے سکینہؑ یہ خوش اطوار

امینؔ (عون ومحمدؑ) : یہ بے حجابیاں شہِؑ والا کے سامنے
پھیلا کے پاؤں سوتے ہو آقا کے سامنے

میر انیسؔ (عباسؑ): عین اس کا ہے وہ چشمہ کہ فیض اس کا ہوا عام
یہ علم کا آغاز ہے اور شرع کا انجام
با سے برکت اور الف اوّل اسلام
ہے سین سعادت پہ اسی نام کا اتمام

یہ اسم مقدس تو سعیدِ ازلی ہے
اعلیٰ نہ ہو کیوں کر کے شریک اس کے علیؑ ہے

سعید شہیدی : عباسؑ لینے آئے جو میدان کی رضا
زینبؑ بس اپنے بازوں کو دیکھتی رہی

نجم آفندی : جب ضرورت اک علیؑ کی پھر ہوئی میدان میں
چھ مہینے کا علیؑ مردانہ وار آہی آ گیا

نجم آفندی : قسم کھاتا ہوں تیرہ سو برس کے دورِ ماتم کی
تری چھ ماہ کی ہے عمر، عمرِ خضر سے بہتر

نجم آفندی : تہذیب لاشِ اصغرؑ ناداں پہ نوحہ گر
اخلاق کی نگاہ سے عالم گرا ہوا

انیسؔ : نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

رئیسؔ امروہوی : ہم کو اصغرؑ نے بتایا کہ شہادت کیا ہے
ہم کو اکبرؑ نے سکھایا کہ حمیت کیا ہے
ہم نے قاسمؑ سے لیا درس کہ غیرت کیا ہے
ہم نے عباسؑ سے سیکھا کہ شجاعت کیا ہے

عشق کے درد رسیدوں سے سبق ہم نے لیے
زندہ رہنے کے شہیدوں سے سبق ہم نے لیے

رئیس امروہوی : ہم نے فضہؑ سے یہ سیکھا کہ ولا کیا شے ہے
ہم کو باقو نے سکھایا کہ رضا کیا شے ہے
ہم کو زینبؑ نے بتایا کہ وفا کیا شے ہے
ہم کو عابدؑ نے دکھایا کہ دعا کیا شے ہے
جتنے رستے ہیں اسی منزلِ مقصد سے ملے
عشق کے درس ہمیں عون و محمدؑ سے ملے

قسیم امروہوی : کیا مرتبہ ہے، تو نے جو پایا ہے اے حسینؑ
سر دے کے دینِ رب کو بچایا ہے اے حسینؑ
طرزِ جہادِ صدق سکھایا ہے اے حسینؑ
یوں حق کو روشناس کرایا ہے اے حسینؑ

قسیم امروہوی : باطل کی پھر نمود بہ طرزِ جدید ہے
پھر اے حسینؑ تیری ضرورت شدید ہے

ہلال نقوی : پھر زندگی پہ جبرِ سیاست ہے سر بسر
اہلِ ہوس ہیں بجل الٰہی جہان میں
اونچا جہالتوں کا سر پُر غرور ہے
ہم انقلابیوں کی نظر ہے حسینؑ پر

انیسؔ (حُر) : تارے نور کی جانب اسے لائی تقدیر
ابھی ذرّہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ منیر

انیسؔ : انکار آسماں کو ہے راضی زمیں نہیں
اصغرؑ تمہارے خوں کا ٹھکانہ کہیں نہیں

سیمابؔ اکبرآبادی: سجادؑ اسیر جور ہوئے صد حیف کسی نے یہ نہ کہا
یہ پاؤں ستونِ کعبہ ہیں زنجیر کسے پہناتا ہے

نجمؔ آفندی : جوانا مرگ تھے عباسؑ بھی اکبرؑ بھی قاسمؑ بھی
وفا داروں میں آئی تھی جوانی بے وفا ہو کر

نجمؔ آفندی : حضرت زینبؑ (خطبہ زینبؑ)
یک بہ یک اٹھا فضا میں زینبِؑ کبریٰ کا ہاتھ
ہاتھ کا اٹھنا کہ سناٹا سا تھا چھایا ہوا
کربلا میں نذر دو بیٹے دیئے جس ہاتھ نے
اس میں تھراہٹ کہاں مجمع تھا تھرایا ہوا
ظلم و بدعت کی رسن جس ہاتھ کو جکڑے ہوئے
دستِ قدرت کی طرح نفسوں پہ جو چھایا ہوا

جعفر فصیح : یقیمون الصلوٰۃ ان کی صفت میں ہے وہ عابدؑ تھے
ہے دنیا کی آلاش سے پاکیزہ وہ زاہد تھے

دلا خوف علیہم تھے وہ راکع تھے، وہ ساجد تھے
وہ سب تھے اولیا اللہ وہ غازی وہ مجاہد تھے
انھیں تھی عید عاشورہ میں لذت عیدِ قرباں کی
فنافی اللہ منزل آخری ہے اہلِ عرفاں کی

فصیح : کہاروکے باپ نے کہ اے پسر تو امام زادہ ہے صبر کر
یہی ذلتیں ہیں شرف ترا نہ ملول ہو نہ ہو چشم تر
اسی زندگی میں تو ہے مزہ کہ جو موت سے ہے شدید تر
نہیں سر کٹانے میں برتری نہیں ناگوار وہ اس قدر
ہمیں ہر نفس دمِ تیغ ہے ہمیں ہر قدم پہ جہاد ہے
یہی درد اپنی پسند ہے یہی رنج اپنی مراد ہے
یہ خدا کا فضل ہے شکر کر یہ لقب بھی فوزِ عظیم ہے
نہ تو تُو ذلیل وحقیر ہے نہ پدر علیل وسقیم ہے
یہ تفضلاتِ کریم ہے یہ عطائے ربِّ رحیم ہے
دلِ داغ دار تو باغ ہے یہ سموم بادِ نسیم ہے
نہ یہ زخم کھانے میں ہے مزہ نہ حلاوتیں ہیں یہ حرب میں
کہیں کیا جو ملتی ہے لذتیں ہمیں تازیانوں کی ضرب میں
بخدا کہ پاؤں کا آبلہ مجھے تاج سر سے زیاد ہے
یہ خلش جو اس میں ہے خار کی مرا دل شگفتہ وشاد ہے
یہ ہوائے تند جو چلتی ہے بخدا کہ بادِ مراد ہے
اسی قیدِ ظلم میں ہر نفس مرا نفس صرف جہاد ہے

میں قدم قدم پہ شہید ہوں میں نفس نفس پہ قتیل ہوں
نہ اسیر ہوں نہ مریض ہوں نہ سقیم ہوں نہ علیل ہوں
یہ خدا کا مجھ پہ کرم ہوا کہ جہادِ نفس ہوں کر رہا
یہ بڑا جہاد ہے اے پسر کہ میں پہلے موت سے مر رہا
نہ جسد رہا نہ کفن رہا نہ نشاں رہا نہ اثر رہا
نہ ہوا رہی نہ ہوس رہی نہ تو دل رہا نہ جگر رہا
نہ فنا رہی نہ بقا رہی جو رہا تو نام قدیر کا
نہ ہو مضطرب ہے تو خلف بخدا شہیدِ کبیر کا
ہوئیں راہِ حق میں جو ذلتیں ہمیں عزتوں سے زیادہ ہیں
ہمیں قید ہونے کا غم نہیں کہ خوشی میں خرم وشاد ہیں
ہمیں کی ہیں جو جو وصیتیں شہِ بے کساں نے وہ یاد ہیں
ہمیں درد و رنج پسند ہیں جو اسیرِ ابنِ زیاد ہیں
کریں ظالموں کو جو بددعا تو دوبارہ جوش تنور ہو
کوئی حرفِ شکوہ ادا کریں تو جہاں میں شورِ نشور ہو

فصیح : تمہیں کیا خبر نہیں کوفیو کہ نبیؐ کی آل ہیں ہم حزیں
ہیں نبیؐ کی عترتِ طاہرہ، ہیں بناتِ سیّدِ مرسلینؐ
ہوئے ہم اسیر تو کیا ہوا نہ فقیر ہیں نہ تباہ دیں
ہمیں کپڑے اپنے نہ لاکے دو یہ تصدقات روا نہیں
یہ صدقہ حرام ہے آلؑ پر ہمیں مالِ خمس حلال ہے
ہمیں اس کا لینا روا نہیں یہ طریق اہلِ ضلال ہے

فصیح : روایت ہے کہا یوں شہؑ سے آکر بوثمامہ نے
کہ یا حضرت زوالِ شمس کے اوپر نظر کیجے
تمنا ظہر کے پڑھنے کی ہے رن میں جماعت سے
نمازِ آخری پڑھ پڑھ کے پھر تلواریں کھائیں گے
کہاں پھر یہ جماعت اور کہاں تم سا امامؑ آقا
کہاں پھر یہ سجود اور یہ قعود اور یہ قیام آقا
کہا شہؑ نے جزاک اللہ تو ہے دین کا یاور
نہ بھولا تو لڑائی میں زوالِ خسرو خاور
مجھے تو نے دلایا یاد وقتِ طاعت داور
عبادت اور ریاضت ہے تری مقبول کر باور
نہ بھولا تو جو وقتِ ظہر تلواروں کی دھاروں میں
قلم نے لوح پر لکھا تجھے طاعت گزاروں میں

شہیدؔ : دم توڑتا ہے فرزندِ جواں اور عشقِ خدا میں گم ہے پدر
پیش آئیگی جو پیش آئی ہے سجدے میں یہاں پیشانی ہے

شہیدؔ : اذاں عاشور کے دن کی اذاں کیسی اذاں ہوگی
خصوصیت یہ ملی تھی فقط اللہ اکبرؑ کو

شہیدؔ : حسن خود کہتا ہے کھا کر رُخِ اکبرؑ کی قسم
یہ محمدؐ ہی محمدؐ ہیں پیمبرؐ کی قسم

شبیہ : چپہ چپہ پر زمینِ کربلا اترائے گی
ذرہ ذرہ سجدہ گاہِ انبیا ہو جائے گا

شبیہ : کفرِ مطلق کل تھا حُر ایمانِ کامل آج ہے
کس جگہ سے کس جگہ پہنچا دیا تقدیر نے

شبیہ : کیا کہوں گھوڑے سے کس طرح زمیں پر آئے
ہاں کسی نے شہِ بے کس کو اتارا تو نہیں

محی الدین سیف : اشکِ عزا کا آج ہے دریا چڑھا ہوا
ہے موتیوں سے دامنِ ایماں بھرا ہوا
دراصل ہے نشانیٔ ایماں غمِ حسینؑ
منکر کو اعتراف نہیں ہے تو کیا ہوا

نامعلوم : جب تک عزا ہے جان و دلِ بوترابؑ کی
قائم بنا ہے دینِ رسالتؐ مآب کی

انیس : ثانی کوئی زہراؑ کا نہ ہوگا نہ ہوا ہے
ہاں حضرتِ زینبؑ کو جو کہیے تو بجا ہے

نامعلوم : کیا جانیے کیا خاکِ شفا بن گئی ہوگی
جب خاک کھلے سر کی ردا بن گئی ہوگی

نجم آفندی : تیرہ سو برس سے چرچے ہیں ان جیوٹ مرنے والوں کے
تڑپے نہیں خود خنجر کے تلے دنیا کو تڑپتا چھوڑ گئے

نجم آفندی : پاؤں عابدؑ کے کہاں زنجیر کی ایذا کہاں
کربلائے شام تک نالے کیے زنجیر نے

نجم آفندی : وہ بچوں کے تیور وہ ماؤں کی ہمت
وہ گودوں کی دولت خدا کے حوالے
وہ قرآں کی تبلیغ پیاسی رگوں سے
لبوں پر تلاوت زبانوں پہ چھالے
وہ تیغوں پہ سجدے وہ سجدوں پہ تیغیں
وہ خنجر گلوں پہ وہ سینوں پہ بھالے
وہ زخموں کی کثرت وہ بارش لہو کی
وہ فوجوں کے بادل میں دھنس جانے والے
رضائے خدا پر جو سب کچھ لٹا دیں
رضائے خدا جن کو اپنانے والے
اسی دھن میں نالے کیے جاؤ نجمی
یہ نوحے ہیں دنیا ہلا دینے والے

نجم آفندی : ایک ہی دن کے لیے تھی جنگِ عاشورہ فقط
آج تک جاری ہے تیری انقلابی کارزار

نجم آفندی : انسان ہوتا ہے غم اٹھانے سے بلند
تمکینِ سلف کا بھید پانے سے بلند
جن کو ہے ولائے راکبِ دوشِ نبیؐ
ہو جاتے ہیں وقت اور زمانے سے بلند

نجم آفندی : ذہنیت میں آج تک باقی ہے کیوں یہ تیرگی
جلوہ گر ہے جب دماغ و دل میں نورِ کربلا
پست ہو دنیا میں ایسا اُس کا آئینِ حیات
ہائے جس ملّت کے سر میں ہو غرورِ کربلا

نجم آفندی : بے خبر افراد کو رازِ عزاداری بتا
خندہ زن قوموں کو وجہ گریہ و زاری بتا
منکرِ تاثیر کا بڑھ کر کلیجہ تھام لے
چیخ اٹھے گا شہیدِ کربلا کا نام لے
اُسوۂ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر
اُٹھ صفِ ماتم بچھا کر قوم کی تنظیم کر
بات ایسی کہہ جو دستور العمل ہو کام دے
کربلا سے جو تجھے پہنچا ہے وہ پیغام دے

نجم آفندی : شبیرؑ کے کرم سے ہے توحید سر بلند
عباسؑ کے علم سے ہے اسلام کا نشاں

اس کا علم ہے رونقِ ہر منبر و ضریح
وہ آج بھی ہے دینِ خدا کا نگاہباں

نجم آفندی : دونوں نواسے پشت پہ سجدے میں تھے رسولؐ
کیا یہ بھی ہیں عبادتِ حق کے لوازمات

قمر جلالوی : اصغر جگر کو تھام کر روتی ہے فوجِ شام
تم تیر کھا کے آئے ہو یا تیر مار کے

عابدہ کرامت : لاش سے لاش تک گیا ہوگا
مرا مولاؑ تو تھک گیا ہوگا

سوداؔ : ٹک تو پیارے لب کو کھول
غوں غاں کو مادر سے بول
تجھ بن میرے نورالعین
کیوں کر ہو اس دل کو چین

مصحفی : بولو تو کوئی روحِ پیمبرؐ کے واسطے
تسکینِ دل کرو مرے حیدرؑ کے واسطے
سر تھا بنا حسینؑ کا افسر کے واسطے
یا نوکِ نیزہ و دمِ خنجر کے واسطے؟

مرزا دبیرؔ : ماں کہتی تھی نجف میں انھیں لے کے جاؤں گی
شاہِ نجف کا ان کو مجاور بناؤں گی
انگلی پکڑ کے گرد لحد کے پھراؤں گی
ہے ہے انھیں کو قبر میں اب میں سلاؤں گی
منت کے طوق اتر چکے پروان چڑھ چکے
یسیں کا وقت آگیا قرآن پڑھ چکے

شمیمؔ امروہوی : مدح خوانوں کو مگر فکرِ عزا بھی ہے ضرور
واہ وا کا جو یہ غل ہے تو بکا بھی ہے ضرور

جوشؔ ملسیانی : مشکیزۂ بے آبِ علمدارؑ کی روداد
کچھ بر لبِ سوفار ہے کچھ بر لبِ دریا

ساحرؔ لکھنوی : مومن کے حق میں رحمتِ باری ہے مرثیہ
گوشِ ستم پہ ضربتِ کاری ہے مرثیہ
دربارِ فن پنج ہزاری ہے مرثیہ
ملکِ سخن میں لاکھ پر بھاری ہے مرثیہ
اک ضربِ عشق ہے دلِ بیدار کے لیے
اک سانی ہے ضمیر کی تلوار کے لیے
دریائے فکر و فن کی روانی ہے مرثیہ
تیغِ زبانِ شعر کا مانی ہے مرثیہ

لیلائے شاعری کی جوانی ہے مرثیہ
تاریخ نے کہی وہ کہانی ہے مرثیہ
ہے فردِ جرم فوجِ ضلالت شعار بھی
کردارِ اہلِ بیتؑ کا آئینہ دار بھی

ریاض خیرآبادی : احباب کا ذکر کیا عدو روتے ہیں
سب بہرِ امامؑ نیک خو روتے ہیں
روشن ہے یہ صاف لعلِ احمر سے ریاضؔ
اس رنج میں پتھر بھی لہو روتے ہیں

عقیل شاگرد (اوج) : آنے سے محرم کے یہ حرمت پائی
مجلس میں جگہ پائی کہ نعمت پائی
رویا جو عقیلؔ شہؑ کو سوتی رو لے
اشکوں کی بدولت ہے یہ دولت پائی

نجم آفندی : آج اُس سے عبادت باقی ہے آج اُس سے نمازیں قائم ہیں
کل ایک مصلا بچھا تھا جو تیروں کی بوچھاروں میں

نجم آفندی : اے چرخ جس کے ہاتھ میں ہو نظمِ کائنات
وہ کربلا سے شام تلک ساربان رہے

نجم آفندی : تا قیامت ماتمِ شبیرؑ مٹ سکتا نہیں
ظلم سب کچھ ہو چکے یہ سعی بے جا بھی سہی

نجم آفندی : اے ہند کے مزدور سپوتو اِدھر آؤ
مظلوم ہو مظلوم سے دل اپنا لگاؤ

نجم آفندی : ہندو ہوں کہ مسلم ہوں وہ غم خوار ہے سب کا
ہوتا ہے اُسے درد غریبوں کے تعب کا

نجم آفندی : اشکِ عزا کی تہ میں ہے طوفاں چھپا ہوا
دنیا میں نجم چشمِ حقیقت مگر نہیں

نجم آفندی : تصدق میں شہیدانِ وفا کے وہ بھی دن آئیں
حسینؑ کارواں کا رُخ یہ قومی کارواں سمجھے

نجم آفندی : باطل کا زور توڑ دو ذکرِ حسینؑ سے
باطل میں اور حق میں جہاں کارزار ہو

نجم آفندی : بازو بھی ریسمان میں طوق اور گلو بھی تھا
کامل تھا ظلم آگ بھی تھی اور لہو بھی تھا

نجم آفندی : واقف نہیں بشر جو پیمبرؐ کے نام سے
مانوس ہیں حسین علیہ السلام سے

منعم کو شکرِ نعمت حق کا سبق دیا
نجم آفندی : جس نے غریب قوم کو جینے کا حق دیا

نجم آفندی : ماتم نے طرز فاش کیے اہلِ شام کے
ہم نے بتا دیا وہ مسلماں تھے نام کے

نجم آفندی : نجم اُڑا کر کے ہماری خاک کے ذرّے ہمیں
یا نجف لے جائیں گے یا کربلا لے جائیں گے

نجم آفندی : صلہ میں خلد وہ دیں گے تو نجم کہہ دیں گے
تمہارے نقشِ قدم پر نثار کرتے ہیں

نجم آفندی : اے نجم میں شاعر ہوں سرکارِ امامت کا
نظمیں مری پہونچیں گی دربارِ پیمبرؐ میں

نجم آفندی : نجم اپنی زندگی ہے وقفِ مدح اہل بیتؑ
شاعرِ سرکارِ اہلِ بیتؑ کہلاتے ہیں ہم

مونسؔ : ردائے بنتِ زہراؑ لوٹنے کو لوٹ لی لیکن
پشیماں بھی ہوئے پیوندِ چادر دیکھنے والے

نامعلوم : بے سبب دنیا میں پیہم زلزلے آتے نہیں
یہ زمیں اب تک علیؑ اصغر کو بہلانے میں ہے

تقی عابدی : ردائیں چھین کر کیا کر لیا نسلِ امیہ نے
ابد تک ان کے سر پر آیتِ تطہیر باقی ہے

تقی عابدی : کوئی خطرہ نہیں اُس وقت تک دینِ محمدؐ کو
عزاخانوں میں جب تک ماتمِ شبیرؑ باقی ہے

نجم آفندی : علیؑ کی مدح میں اَسرار کھلتے ہیں دو عالم کے
نہیں یہ ذوق تو محدود ہے دنیا سخن ور کی

نجم آفندی : مدحت ہے حسینؑ ابن علیؑ کی مرا جادہ
گزرے ہیں پیمبرؐ بہت اس راہ گزر سے

نجم آفندی : جو حسینؑ پر گزری وہ جفا نہ بھولیں گے
بھول جائیں گے سب کچھ کربلا نہ بھولیں گے

محمد علی جوہرؔ : روز ازل سے ہے یہی ایک مقصدِ حیات
جائے گا سر کے ساتھ ہی سودائے کربلا

محمد علی جوہرؔ : بنیاد جبر و قہر اشارے میں ہل گئی
ہو جائے کاش پھر وہی ایمائے کربلا

محمد علی جوہرؔ : جب تک کہ دل سے محو نہ ہو کربلا کی یاد
ہم سے نہ ہو سکے گی اطاعت یزید کی

قطبؔ شاہ : رسم عزائے قتل جگر گوشۂ رسولؐ
از قلبِ شاہ شہرہ آفاق عالم است

مہاراجہؔ محمود آباد : حشر کے دن خاطرِ مداحِ سرورؑ دیکھنا
خود بڑھے گا میری جانب حوضِ کوثر دیکھنا

نجمؔ آفندی : اللہ اللہ یہ ترا ذوقِ عبادت اے حسینؑ
زیرِ خنجر تھی تجھے سجدے کی فرصت اے حسینؑ

نجمؔ آفندی : تیری ہی رفتار ہے تخلیق معیارِ خلوص
جذب کی لو تیرے ضبطِ غم کی قوت اے حسینؑ
اپنے نانا کے عوض تو نے شہادت کی قبول
السلام اے خاتمِ کارِ نبوت اے حسینؑ

نجم آفندی : کتنے غم نا آشنا اس راز سے واقف نہیں
تیرا غم ہے دیدہ و دل کی طہارت اے حسینؑ

نجم آفندی : تیرا طرزِ فکر تیرہ سو برس کے بعد بھی
وقت کی ظلمت میں ہے روشن حقیقت اے حسینؑ

نجم آفندی : مقتل میں ہیں حسینؑ یہ قدرت لیے ہوئے
دو انگلیوں میں نبضِ مشیت لیے ہوئے

نجم آفندی : دشمن ہیں تیغ و تیر کی طاقت لیے ہوئے
شبیرؑ ہیں مزاجِ نبوت لیے ہوئے

نجم آفندی : قرآں کی زباں بھی ہوتی نہ مستند
آتا اگر نہ حرف مودّت لیے ہوئے
ساری شریعتوں کا خلاصہ ہے ایک لفظ
کتنی نبوتیں ہیں امامت لیے ہوئے

نجم آفندی : یہ گریہ نہیں ہے یہ آنسو نہیں ہیں
یہ دادِ وفا ہے جو دی جارہی ہے

نجم آفندی : قتلِ اولادِ نبیؐ پر نعرۂ تکبیر تھے
ہائے کیا مصرف ہوئے ہیں نعرۂ تکبیر کے

نجم آفندی : خلقِ عظیم سے اُسے نسبت ہو کس طرح
جو قوم چھ مہینے کے بچے کو مار دے

نجم آفندی : کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں
دھبہ نہیں آسکتا تطہیر کی چادر میں

نجم آفندی : مولاؑ کے غلاموں میں جبرئیل بھی ہیں میں بھی
بس فرق ہے اتنا سا میں در پہ ہوں وہ گھر میں

نجم آفندی : نکھرتے ہیں غمِ شبیرؑ سے اخلاقِ انسانی
یہی غم ہے کہ جس سے زندگی کی آبیاری ہے

نجم آفندی : نہیں یہ شان کسی درد کے فسانے کی
غمِ حسینؑ میں قدرت ہے دل نبانے کی

نجم آفندی : یہ اک ادنیٰ سی کرامت ہے غمِ شبیرؑ کی
آدمی انسان بنتا ہے غمِ شبیرؑ سے

نجم آفندی : غمِ حسینؑ ہے یوں فکر پُر اثر انداز
خود اپنے دل کو بھی اپنے سخن کی تاب نہیں

نجم آفندی : تربیت کی ذہنِ انساں کی غمِ شبیرؑ نے
صاحبِ دل بن گئے جو غم کے خوگر ہو گئے

نجم آفندی : پھر جائیں دن جو ذوقِ عمل بھی نصیب ہو
اب تک غمِ حسین بحدِ خیال ہے

نجم آفندی : سب سے عظیم حُسنِ عمل ہے غمِ حسینؑ
کتنی مخالفت ہو اٹل ہے غمِ حسینؑ
اس غم کے ساتھ فکر و نظر بھی جو ہو نصیب
ہر عقدۂ حیات کا حل ہے غمِ حسینؑ

شاداںؔ دہلوی : جو سبق مجلس شبیرؑ سے ملتا ہے ہمیں
وہ کہاں ملتا ہے دنیا کے دبستانوں میں

شاداںؔ دہلوی : آنسو کو دین آہ کو ایماں بنا دیا
مجلس کو یوں نجات کا ساماں بنا دیا

شاداںؔ دہلوی : جس کے سینے میں غم کی دولت ہے
اس کو عرفانِ آدمیت ہے

شاداںؔ دہلوی : انقلابِ فکر کی بنیاد ہے ذکرِ حسینؑ
حلقۂ ماتم زمانے کو دبستاں ہوگیا

شاداںؔ دہلوی : قیمتِ اشکِ عزا کا سب کو اندازہ ہوا
جب انھیں اشکوں سے تربت میں چراغاں ہوگیا

شاداںؔ دہلوی : کربلا ہے آج بھی توفیقِ انساں کا کمال
کتنے گلشن یاد آتے ہیں یہ صحرا دیکھ کر

شاداںؔ دہلوی : ہم کو ان کی مودّت کا دعویٰ تو ہے
اپنے اعمال پر بھی نظر چاہیے
تجھ کو اعزازِ رومالِ زہراؑ ملا
اور کیا تجھ کو اے چشمِ تر چاہیے

شاداںؔ دہلوی : غمِ شبیرؑ ہے اپنی ثقافت
عزاداری اساسِ زندگی ہے

شاداںؔ دہلوی : دعائے سیدہؑ کے سائے میں آباد رہتے ہیں
عزاداری ہو شامل جن کی تہذیب و ثقافت میں

شاداںؔ دہلوی : زمانہ ہم سے نہ ٹکرائے کربلا کی قسم
ثباتِ عزمِ حسینؑ کے ورثہ دار ہیں ہم

شہیدؔ : میں کس کا ہوں غلام فرشتوں کو کیا خبر
خاکِ شفا ضرور ہو میرے کفن کے ساتھ

شہیدؔ : مخالفوں سے یہ کہہ دے شہیدؔ کیا غم ہے
غمِ حسینؑ کو خالق نے لازوال کیا

شہیدؔ : عزا داروں کی ٹکڑی آ گئی میدانِ محشر میں
شہیدؔ آتا ہے آگے آگے میرِ کارواں ہو کر

شہیدؔ : بہا کے اشک مسلمان ہو گئے فارغ
لہو حسینؑ کا اس طرح رائیگاں ہو جائے

شہیدؔ : اسلام یہ ہے کیا تری تاریخ کا ورق
زہراؑ کی بیٹیاں گئیں دربارِ عام میں

شہیدؔ : حسینیو اٹھو باطل نے سر اٹھایا ہے
پھر آج معرکۂ کربلا عیاں ہو جائے
جہاں میں آج ہزاروں یزید ہیں مولاؑ
پھر آج تیغِ حسینی شرر فشاں ہو جائے

شہیدؔ : استقامت، حوصلہ، ایثار جرأت صبر و شکر
عزتِ اسلام رکھ لی حضرتِ شبیرؑ نے

شہیدؔ : حسینؑ ہو کے یہ دنیا کے آگے سر جھکاتا کیا
شہؑ ابرار کی ساری ریاضت رائیگاں کیوں ہو

شہیدؔ : نجف ہو کربلا ہو سامرہ ہو یا خراساں ہو
حقیقت کا پتہ ملتا ہے ان ہی بارگاہوں میں

شہیدؔ : یثرب میں کربلا میں نجف میں کہ طوس میں
دیکھا ہے میں نے جلوۂ خالق یہیں کہیں

نجم آفندی : غنیمت ہے یہ سینہ زنی قوم کی
یاد تو اسلاف کی تیغ زنی رہ گئی

ماتھر لکھنوی
اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو تڑپ کر
اور سبطِ پیمبرؐ کا کبھی غم نہیں کرتے
ہمت ہے تو محشر میں پیمبرؐ سے یہ کہنا
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

نجم آفندی : بندے جنھیں کلام ہے عترت کے باب میں
اصلاح دے رہے ہیں خدا کی کتاب میں

•••

نجم آفندی : کلام اللہ کی تفسیر ہے ہر فرد عترت کا
نظر کر ان کی سیرت پر ذرا تفسیر سے پہلے

نجم آفندی : دامنِ آلِ نبیؐ ہاتھ سے چھوٹے کیوں کر
اس سے بہتر نہیں قرآن کی تفسیر کوئی

نجم آفندی : چھوڑ کر عترت کا دامن کیا مسلماں لے گئے
روحِ قرآں چھوڑ دی الفاظِ قرآں لے گئے

نجم آفندی قرآن جس میں اترا ہے وہ گھر نہ ڈھونڈ لیں
تفسیر ڈھونڈتے ہیں جو قرآن کے لیے

نجم آفندی مظلوم کے ایثار کی قوت کو نہ پوچھو
ماتم میں یہ قوت ہے کہ دنیا کو ہلا دے

شاداں دہلوی : یہ سپر بھی ہے ہمارے لیے تلوار بھی ہے
ایک منشور عزائے شہِ ابرار بھی ہے
عصرِ حاضر کے تقاضوں سے خبردار بھی ہے
دشمنِ آل سے واقف بھی ہے ہشیار بھی ہے
ایک کردار ہے تاریخ کا اور زندہ ہے
اپنے ماحول کا حساس نمائندہ ہے

زیبا ردولوی (تحریکی زبانی) : کہتا ہے یہ جھنجھوڑ کے ذہنِ جدید کو
پہلی شکست مجھ سے ہوئی ہے یزید کو

وسیم عون : آج شبیرؑ کے روضے سے کفن کی صورت
اپنی تربت کے لیے میں نے خریداری کی

(برصغیر میں عزاداری کے جو حوالے ہمیں ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ یکم محرم سے اربعین تک یعنی چالیس روز تک سبز کپڑے پہن کر روضہ خوانی کرتے تھے۔ خواجہ باسط کے مرید علی باسطی نے یوں کہا ہے۔)

باز برخواں روضہ ای عالی جناب — تاشود از گریہ خلقی فیض یاب
باز موج اشک را دریا برار — چرخ را از نالہ زیر پا بیار
باز قوالان خود را یاد کن — مرثیہ خوانی دگر ارشاد کن
باز گوئی واحسینا وا حسینؑ — باز کن ارشادِ ذکر یا حسینؑ
باز دستِ خویش را بر سینہ زن — پنجۂ خورشید بر آئینہ زن
باز دستار از سرِ خود دور کن — زاں سرِ انوار جہاں پر نور کن

باز خود را برفگن برروے خاک
خاک را گل کن دگر از اشک پاک

شیخ اشرف بیجاپوری:

ہجرت نبیؐ نوسو نو — کہیا اشرف نو سریو
تانو دھریا نو سرہار — لیکن یہ سب دکھ کا بھار

حاتم : حاتم تمام عمر تو رونے سے منہ نہ موڑ
ماتم ہے دوستوں کو شہؑ کربلا کا فرض

محمد علیم تحقیقؔ : مومناں گر ہے تمہیں دولتِ ایماں کی طلب
نعمتِ فیض کی اور بخششِ یزداں کی طلب
رات دن دل پہ رکھو دیدۂ گریاں کی طلب
غم یہ حسنینؑ کا تحقیقؔ بنا جاتا ہے

انیسؔ : جلسہ نہیں مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
یاں رونے کی لذت ہے رلانے کا مزا ہے

چرنؔ داس : یہ نہ سمجھو کہ فقط بزمِ عزاداری ہے
بلکہ یہ درس گہہِ صبرو رضا کاری ہے

شورشؔ : قصاص لوں گا شہیدوں کے خونِ ناحق کا
یزیدیوں کے مقابر پہ مسکراؤں گا

فصیحؔ : سلام لکھتا ہوں میں حرم میں قلم سے زم زم ٹپک رہا ہے
سر اپنا کعبے کے سنگِ در پر سیاہ پردہ پٹک رہا ہے

دبیرؔ : سر کاٹ کے شبیرؑ کا اس جور و جفا سے
خنجر کو لگا پوچھنے زہراؑ کی ردا سے

نقیؔ عابدی : اہلبیتِ مصطفیٰؐ میں کون ہیں شامل نقیؔ
فیصلہ یہ کردیا احمدؐ نے چادر اوڑھ کر

نقی عابدی

سیلاب انقلاب کا دھارا حسینؑ ہے
ذبحِ عظیم بن کے جو آیا حسینؑ ہے
کافر بتوں کو توڑنا آسان تھا خلیلؑ
مسلم بتوں کو توڑنے والا حسینؑ ہے

خواجہ محمد باسطؔ :

باز ماتم دار شو تا اربعین
در عزائے ابن خیر المرسلینؑ

وجہیؔ (دکنی) :

تج باج آج ہندو مسلمان کی رکھیں
دستا رہے خراب یہ سنسار یا حسینؑ

اشرفؔ بیابانی:

نبیؐ محمدؐ حق رسولؐ — کینا جن پہ فقر قبول
دوئے نواسے اُن بل جانوں — حسنؑ حسینؑ جن کا ناتوں
علیؑ کے ای دوئے فرزند — بی بی فاطمہؑ کے دل بند

افضل قادری (ہم عصر خواجہ بندہ نواز):

زمیں اس غم سوں ہے در جوش افضل
فلک گردید نیلی پوش افضل
ملائک سب ہوئے بے ہوش افضل
کنوں زیں داستاں خاموش افضل
گیا از بدعت کفار قائم

نجم آفندی : کیا مالک اشتر نے جھنجوڑی ہیں صفیں
ہر جنگ میں صاف کرکے چھوڑی ہیں صفیں
تیرے لیے ہے نفس کا میدان جہاد
کچھ تو نے برائیوں کی توڑی ہیں صفیں

نجم آفندی : خبر بھی ہے تجھے ہمنامِ عباسؑ
کہ ساتھ اس نام کے شرطِ وفا ہے

نجم آفندی : کربلا دے مجھے معیارِ عمل کی توفیق
کل جو تھا بس وہی موضوعِ فغاں آج بھی ہے

نجم آفندی : حق پرستی خود شناسی ہمت و عزم و عمل
مل کے ان اجزا سے بنتی ہے تو لائے حسینؑ

نجم آفندی : اب ہم میں نہیں جذبۂ انصارِ حسینؑ
اپنی تھی جو منزل ہوئی جاتی ہے پرائی

نجم آفندی : اقوالِ حسینؑ ہیں عمل غیر حسینؑ
یہ دین کے الفاظ میں دنیا طلبی ہے

نجم آفندی : اللہ وہی قوم ہو سب سے پیچھے
جس قوم میں ہو معرکۂ کرب وبلا

نجم آفندی : کیا یہ ہے زندگی کا نصب العین
یہ ہے تقلیدِ سیّدِ کونین
دل دکھاتے رہو غریبوں کا
اور کہتے رہو حسینؑ حسینؑ

نجم آفندی : ہر قوم کو ہے دعوتِ فہم و ادراک
ہر دور میں ہے غور طلب فکرِ حسینؑ
اخلاق کا معیار سمجھنا ہے اگر
آ مجلسِ غم میں اور سُن ذکرِ حسینؑ

نجم آفندی : اے دوست زمانہ کی ہر اک چیز ہے فانی
تا حشر رہے گی مگر اس غم کی جوانی
سو رنگ سے آفاق میں ہے مرثیہ خوانی
ہر دور میں اس درد کی ہے یاد دہانی

نجم آفندی : وہ درد ہے دل جس کو بھلا ہی نہیں سکتا
وقت اس کی حدوں کو کبھی پا ہی نہیں سکتا
ہاتھ اُس کو زمانے کا مٹا ہی نہیں سکتا
پانی کبھی یہ آگ بجھا ہی نہیں سکتا

نجم آفندی : ملی نہ اُسوۂ شبیرؑ سے مدد جب تک
یزیدِ وقت کوئی بے نقاب ہو نہ سکا

نجم آفندی : ذہن میں اُسوۂ شبیرؑ کا معیار آئے
ہاتھ میں صبر کا دامن ہو کہ تلوار آئے

آل رضا : فکر انگیز ہوا کرتا ہے اکثر یہ خیال
درس آموز ہے کتنی یہ عزائی تنظیم
مرثیہ کا یہ تقاضہ ہے کہ مجروح نہ ہو
شعریت اور حقیقت کی رثائی تنظیم

جمیل مظہری : تم نے دنیا کو کبھی ظلم سے نفرت نہ دلائی
رائیگاں ہوگیا ہر فلسفۂ شیون و شین
میرا کیا مُنہ جو کروں اہلِ ولا پر تنقید
صورتِ حال ہے خود رسمِ عزا پر تنقید

جمیل مظہری : مجلسیں بھی نہ بنیں مدرسۂ بیداری
اور یہ زنجیروں کی جھنکار میں ماتم داری
سوچو! کیا تم نے دیا دیدۂ بینا کے لیے
ہاں تماشا تو ہے چشمِ تماشا کے لیے

جمیل مظہری : یوں تو ہر شام محرم کی ہوئی شامِ حسینؑ
حیرتیانِ تماشہ نے سُنا نامِ حسینؑ
کان تک اُن کے گئی نوحہ و ماتم کی صدا
ذہن تک اُن کے نہ پہنچا کبھی پیغامِ حسینؑ

جمیل مظہری : عباسؑ! جس کی روح ہے تشنہ دہاں وہ قوم
دیتی ہے مسجدوں میں جو رسماً اذاں وہ قوم
سوزِ علیؑ بھی جس کے دلوں تک نہ آسکا
خونِ حسینؑ جس پہ ہُوا رائیگاں وہ قوم
اس کو علوئے عزم و شعورِ حیات دو
تم سے نجات مانگ رہی ہے نجات دو

اشرف رفیع : راہ پر بھٹکے ہوئے ذہنوں کو لانے کے لیے
کربلا شمع ہدایت ہے زمانے کے لیے
کفر کا ماحول ہو یا ہو فضا اسلام کی
ماتمِ شبیرؑ ہے سارے زمانے کے لیے

رعنا رفیع : شبیرؑ کے کردار سے وہ درس لے رعناؔ
جس صاحبِ ہمت میں شجاعت کی کمی ہے

نسیم امروہوی : فطرت بھلا سکے گی نہ احسانِ کربلا
گہوارۂ عمل ہے بیابانِ کربلا

نسیم امروہوی : عضب ہے تم رہِ علم و عمل سے بھاگے ہو
حسینؑ کا تو سپاہی وہ ہے جو آگے ہو

نسیم امروہوی : بھرا ہے درسِ اخوت سے خود کلامِ مجید
عمل سے کر گئے اصحاب و آل بھی تائید

نسیم امروہوی : لڑو فروغ پہ ناحق نہ مصطفیٰؐ کے لیے
اصولِ دیں کی حفاظت کرو خدا کے لیے

امیرؔ : دل مرا کشتہ ہے یارب کس شہادت گاہ کا
ہر شگافِ زخم دروازہ ہے بیت اللہ کا

محمد علی جوہرؔ : یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

محمد علی جوہرؔ : جاں نثاروں نے ترے کر دیے جنگل آباد
خاک اڑتی تھی شہیدانِ وفا سے پہلے

نجم آفندی : مفہومِ شہادت کو بھلا دے ملت
مجلس کو بھی اک رسم بنا دے ملت
تقریر کا آج کوئی معیار نہیں
منبر پہ جسے چاہے بٹھا دے ملت

نجم آفندی :

اٹھا نہ قدم عمل کا بڑھنے کے لیے
ہمت کی بلندیوں پہ چڑھنے کے لیے
مولاؑ کا ہر اک معرکۂ علم و عمل
سنتے رہے ہم درود پڑھنے کے لیے

نجم آفندی :

دل میں ترے درد کی ہے لے کے نہیں
کردار میں ملتی ہے کوئی شے کے نہیں

نجم آفندی :

ہے حُبِ علیؑ سفینۂ نوح مگر
تیری بھی سفینہ میں جگہ ہے کہ نہیں

نجم آفندی :

آنسو تو بہت آنکھ کے پیمانے میں
کیا رنگ ہے زندگی کے افسانے میں
دل بھی ترا پاک ہے زباں بھی طاہر
یہ دیکھ کے پاؤں رکھ عزاخانے میں

نجم آفندی :

قول اور عمل میں مطلقاً میل نہیں
عقبیٰ کے منڈھے چڑھے یہ وہ بیل نہیں
لغزش ہے قدم میں کیا قدم رکھتے ہو
منبر ہے رسولؐ کا کوئی کھیل نہیں

نجم آفندی : یہ عمامہ یہ عبا یہ اوجِ منبر پر نشست
یہ سمجھنا ہے غلط جیسے کہ ہے گھر پر نشست
پہلے استاد دیکھ لیجے پاؤں اس قابل بھی ہیں
یہ نشستِ منبری ہے قوم کے سر پر نشست

نجم آفندی : کس دن کے لیے راہِ محبت پہ چلا
سانچے میں نہ تو صبر و قناعت کے ڈھلا
اپنی تنخواہ کی کمی پر شکوہ
افلاس پہ اہلِ بیتؑ کے صلِّ علیٰ

نجم آفندی : ہاں سرِ خفی نصِ جلی کہہ کے الٹ
اے صاحبِ زورِ ازلی کہہ کے الٹ
کیا صرف کتابوں کے الٹتا ہے ورق
دنیا کا ورق بھی یا علیؑ کہہ کے الٹ

نجم آفندی : محفل میں نشۂ مئے تولا کا چڑھا
خیبر کی خبر سن کے درود اور پڑھا
راہیں کیا کیا علیؑ کی سیرت سے ملیں
دل نعرۂ صلوٰۃ سے آگے نہ بڑھا

شہیدؔ : ہو خلوصِ قلب کا مظہر کلام ایسا تو ہو
فاطمہؑ روئیں جسے سن کر سلام ایسا تو ہو

شبیرؔ : وضو نماز سے پہلے ضرور ہے شبیرؔ
مدینہ جاتے ہو تو آؤ کربلا سے چلو

جوشؔ : فکرِ حق سوز یہاں کاشت نہیں کرسکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کرسکتی

جوشؔ : کس کی یارب یہ صدا ہے کہ فضا ہے خاموش
میں حسینؑ ابن علیؑ بول رہا ہوں اے جوشؔ
بخش دے آگ مرے سرد عزاداروں کو
ہاں جگا ڈاب میں سوئی ہوئی تلواروں کو

نامعلوم : انساں اگر ہو حق پہ تو شاہد ہے کربلا
کٹتی ہے گردنوں سے بھی تلوار دیکھنا

جمیل مظہری : کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفویؐ
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

نامعلوم : ڈوب کر پار اتر گیا اسلام
آپ کیا جانے کربلا کیا ہے

تاریخ دوسری تھی کہ داخل ہوئے امامؑ
اور تیسری کی صبح کو آئی سپاہِ شام
آنے کی شمر کے ہوئی چوتھی کو دھوم دھام
تھی پانچوں کہ دشتِ ستم بھر گیا تمام
نرغہ ہوا چھٹی سے شہِ مشرقینؑ پر
ہفتم سے بند ہو گیا پانی حسینؑ پر

جوشؔ : رن میں در آ بازوئے خیبر شکن سے کام لے
ان مواقع پر حسینؑ بانکپن سے کام لے

جوشؔ : صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
خوں فشانی بھی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

جوشؔ : دل کا یہ فرمان ہے لغزش نہ آئے پاؤں میں
جشنِ فتحِ کربلا ہو آنسوؤں کی چھاؤں میں

جمیل مظہری : حیف وہ قوم جو ہو ملّتِ شاہِ شہدا
نہ کوئی پیر تدبر نہ جوانِ غوغا

جمیل مظہری

جسم ہیں مدفنِ دل مجلسیں گورستاں ہیں
بستیاں روح کی اک وادیٔ خاموشاں ہیں

جمیل مظہری :

دریا کئی اپنی چشم پرنم میں ہیں
جو غم نہیں تم لوگوں کو اس غم میں ہیں
تم قتلِ حسینؑ کا مناتے ہو سوگ
ہم مرگِ حسینیت کے ماتم میں ہیں

آل رضاؔ : زمانے کے طبیبوں کو مبارک ان کی تدبیریں
ہمارے پاس بھی نسخے ہیں کچھ خاکِ شفا والے

آل رضاؔ : کوئی سمجھے نہ سمجھے ہم تو سمجھے اور سمجھیں گے
علیؑ والے نبیؐ والے نبیؐ والے خدا والے

آل رضاؔ : موقف ہے کربلا کا اپنی جگہ پہ قائم
میدانِ جنگ وقتی میدان فکر دائم

فضاؔ (محرم کی آمد) : پھر موسمِ فریاد و بکا آیا ہے
پھر رونے رلانے کا مزا آیا ہے
نکلے ہیں جو اشک پیشوائی کے فضاؔ
کیا ماتمِ شاہِ کربلا آیا ہے

پھر چاند محرم کا نظر آیا ہے
پھر جوش پہ ابرِ چشم تر آیا ہے
کیا خوب نصیب ہیں عزا داروں کے
فرزندِ رسولؐ ان کے گھر آیا ہے

فضاؔ (دوسری محرم): گھر چھوڑ کے خانۂ خدا میں پہنچے
پھر واں سے نواحِ نینوا میں پہنچے
تاریخ وہ دوسری محرم کی تھی
جس روز حسینؑ کربلا میں پہنچے

نامعلوم
دو میم جو اک لفظِ محرم میں ہیں
پیوند انھیں حرفوں کے ماتم میں ہیں
ہر میم کے چالیس عدد ہیں یہ کھلا
ماتم کے چھل روز دو عالم میں ہیں

قسیمؔ امروہوی :
مرثیہ نظم بھی تخلیق کا معیار بھی ہے
مرثیہ جوہرِ آئینہ کردار بھی ہے
مرثیہ جرأت و جذبات کا شہکار بھی ہے
مرثیہ مصحفِ آزادیِ افکار بھی ہے
مرثیہ حریتِ فکر کا پیمانہ ہے
گویا تردید غلامی کا یہ افسانہ ہے

سردار نقوی : فکر اسلام کی تجدید کیے جاتی ہے
کربلا ظلم کی تردید کیے جاتی ہے

سردار نقوی : کربلا راہِ شہادت کی حدِ آخر ہے
عظمتِ دین خدا کی سدِ آخر ہے

پیام اعظمی : زینبؑ کی آرزو ہے ذرا دیکھ بھال کے
عباسؑ کا علم ہے اٹھانا سنبھال کے

پیام اعظمی : وابستہ یوں علیؑ تھے رسالت مآب سے
جیسے نکل رہی ہو کرن آفتاب سے

محمد علی جوہر : پیغام ملا تھا جو حسینؑ ابن علیؑ کو
خوش ہوں، وہی پیغام قضا میرے لیے ہے

جوش : بڑھتے رہو یوں ہی پے تسخیر مشرقین
سینوں میں بجلیاں ہوں زبانوں پہ "یا حسینؑ"

جوش : اے حاملانِ آتشِ سوزاں، بڑھے چلو
اے پیروانِ شاہِ شہیداںؑ، بڑھے چلو
اے فاتحان صرصر و طوفاں، بڑھے چلو
اے صاحبان ہمت یزداں، بڑھے چلو

تلوار، شمرِ عصر کے سینے میں بھونک دو
ہاں جھونک دو، یزید کو دوزخ میں جھونک دو

فایقؔ لکھنوی : سیہ پوش اس لیے بیکس کے ماتم دار آتے ہیں
برسنے کو مثالِ ابر گوہر بار آتے ہیں

انیسؔ : اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں اشک
اللہ ہے مشتری وہ گوہر ہیں اشک
آنکھوں سے لگا کے ان کو کہتے ہیں ملک
گوہر نہیں نورِ چشمِ کوثر ہیں اشک

وحیدؔ اختر : اے علیؑ والو بنو عشقِ علیؑ کے شایاں
نام لیتے ہیں اگر ان کا تمہارے دل و جاں
غیر کی مدح سے ہرگز نہ ہو آلودہ زباں
جان جائے کہ رہے جھک نہ سکے حق کا نشاں
خاک کھائے گی ہر اک قلعہ گری کا پرچم
تا ابد دہر میں اونچا ہے علیؑ کا پرچم

جمال احمدی : جہاں کو پھر کسی انسانِ کامل کی ضرورت ہے
لہو شدت سے پھر پینے لگا انسان انساں کا

رزمؔ رودولوی : تجھ کو جو عزاداری کی توفیق خدا دے
فیضِ غمِ شبیرؑ سے اک درسِ وفا دے
ظالم سے برات ہی نہیں حاصلِ مجلس
ہمدردئ مظلوم کے جذبے بھی جگا دے
مجلس ہو وہ سر رشتۂ تنظیم مسلماں
بکھرے ہوئے دانوں کو جو تسبیح بنا دے
مجلس ہو کہ اک اُسوۂ شبیرؑ کی تبلیغ
بھٹکے ہوئے ذہنوں کو جو رستہ پہ لگا دے

جوشؔ : مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار
اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار
پھر نائبِ یزید ہیں دنیا کے شہریار
پھر کربلائے نو سے ہے نوعِ بشر دوچار
اے زندگی! جلالِ شہِ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزمِ حسینؑ دے

جوشؔ : اے دوستوں فرات کے پانی کا واسطہ
آلِ نبیؐ کی تشنہ دہانی کا واسطہ
شبیرؑ کے لہو کی روانی کا واسطہ
اکبرؑ کی ناتمام جوانی کا واسطہ
بڑھتی ہوئی جوان امنگوں سے کام لو
ہاں تھام لو حسینؑ کے دامن کو تھام لو

جوشؔ : تم حیدری ہو سینۂ اژدر کو پھاڑ دو
اس خیبرِ جدید کا در بھی اکھاڑ دو

جوشؔ : الٹے رہو کچھ اور یوں ہی آستین کو
الٹی ہے آستیں تو پلٹ دو زمین کو

امیدؔ فاضلی : حسینیت ہے تسلسل نبیؐ کی سیرت کا
ہے زندہ نام اِسی نام سے صداقت کا
سرِ حیات پہ یہ تاج ہے شہادت کا
کفِ وفا میں علم ہے یہی شجاعت کا
بڑا علم ہے بڑی اس کی ذمہ داری ہے
کہ اِس کے سائے میں ذکرِ حسینؑ جاری ہے

امیدؔ فاضلی : آتی ہے ارتقا کے صحیفوں سے یہ صدا
ٹوٹے گا سنگِ شب سے نہ آئینہ صبح کا
جس روشنی کو حق نے کہا دینِ مصطفیٰؐ
جاگے تو وہ حرا ہے جگائے تو کربلا
وابستہ اس کے نام سے صدیوں کا خواب ہے
تاریخ کا یہ سب سے بڑا انقلاب ہے

نجمؔ آفندی : ہمیں نزع میں صرف عزا دیکھ کر
موت بھی کچھ دیر در پہ ٹھہر جائے گی

نجم آفندی : اسرارِ حقیقت مرے افکار ہیں اے نجم
تفسیر مرے شعر کی پوچھو عرفا سے

لتا پرشاد شاد : اہلِ دیں ڈوب کے ہستی میں ابھرنا سیکھو
شیر سا عزم کے میداں میں اترنا سیکھو
بہرِ ایثار ضرورت سے گزرنا سیکھو
قوم کے واسطے اس طرح سے مرنا سیکھو
یہ نہ سمجھو کہ فقط بزمِ عزاداری ہے
بلکہ یہ درسِ گہہِ صبر و رضا کاری ہے

مصطفیٰ زیدی : ہر دور میں مظلومیت کی داستاں لکھی گئی
لمحوں کی زنجیروں میں سطرِ جاوداں لکھی گئی
جتنا شعارِ محتسب دشوار تر ہوتا گیا
اتنا ذکرِ خونِ ناحق مشتہر ہوتا گیا

مصطفیٰ زیدی : غیر تو رمزِ غمِ کون و مکاں تک پہنچے
کربلا تیرے یہ غم خوار کہاں تک پہنچے

رئیس امروہوی : عظمتِ کربلا سے قائم ہے
حق کی ہر عظمتِ قدیم و جدید
تو ہے ہر انقلاب کا مظہر
اے عزا خانۂ حسینؑ شہید

سعید شہیدی : اے مسلمانوں کہاں سے آگیا تم میں فساد
مجلسوں کو آہ تم سمجھے نہ بزم اتحاد
دیکھ لو راہیں کھلی ہیں آج بھی تعلیم کی
سمجھو ماتم کی صفوں میں روح ہے تنظیم کی

جوش : دوسرے عالم میں ہوں دنیا سے میری جنگ ہے
تاج شاہی سے قدم بھی مَس کروں تو ننگ ہے

نجم آفندی : ہر ذرۂ وطن کو اے نجم دل بنادو
ہندوستاں میں آقا تشریف لا رہے ہیں

نجم آفندی بھاشا کے رسیلے شبدوں میں دُکھ روپ کہانی کربل کی
محنت پہ سوارت ہو نجمی یوں کون کسے سمجھاتا ہے

نجم آفندی : یہ مجلس غم ظلم مٹانے کے لیے ہے
دنیا کو رہِ راست دکھانے کے لیے ہے
انسان کو انسان بنانے کے لیے ہے
محدود نہیں سارے زمانے کے لیے ہے

نجم آفندی : اس دیش کی آنکھیں بھی نجمی پیاسی تھیں حسینؑ درشن کی
بھارت میں اُجالا پہنچا ہے کربل میں دِرس دکھایا تھا

نجم آفندی : ایسا تھا کہاں شمع سرِ طور کا دن
جلوے سے قریب کا ہو یا دور کا دن
وہ ٹھوکریں کھاتی پھرے تاریکی میں
جس قوم کے ورثے میں ہو عاشور کا دن

نجم آفندی : رُت ہند کی بدلے گی محرم کی بدولت
نجمی یہ بہار آئے گی ماتم کی بدولت

نجم آفندی : دیارِ ہند کے محبوب ہیں حسینؑ اے نجم
محال ہے کہ یہاں غم حسینؑ کا نہ رہے

نجم آفندی : تاریخ ہے گواہ کہ ہر ایک دَور میں
کیا متحد رہے ہیں غلامانِ اہلِ بیتؑ
کیوں آج ہوں نہ شاد عدو اہلِ بیتؑ کے
آپس میں لڑ رہے ہیں ثنا خوانِ اہلِ بیتؑ

نجم آفندی : خدا کی راہ میں کارِ نمایاں ایسے ہوتے ہیں
عطش پر صبر کرلیتے ہیں انساں ایسے ہوتے ہیں
سنا کر نجم قصہ کربلا والے شہیدوں کا
مسلمانوں کو سمجھا دو مسلماں ایسے ہوتے ہوں

نجم آفندی : مجلسوں سے قوم کی تنظیم ہونی چاہیے
کچھ تو حالِ زار کی ترمیم ہونی چاہیے
مقصدِ شبیرؑ کی تفہیم ہونی چاہیے
عام اب مظلوم کی تعلیم ہونی چاہیے

نجم آفندی : جس قوم نے سر کی مہمِ کرب و بلا
اُس قوم میں ملتے نہیں آثارِ حیات

نجم آفندی : اے علیؑ ابن الحسینؑ اے دردوغم کے تاجدار
ہر نفس ہے تیرا عاشورہ کے دن کا کارزار
تو نے ڈالی انقلاب انگیز مجلس کی بنا
اے علیؑ اور اے حسینؑ ابن علیؑ کے سوگوار

ریاض نوگانوی : زانوے شہؑ پہ حُرِ جری کا رکھا ہے سر
اس طرح سے بدلتی ہے تقدیر دیکھئے
جلتی زمیں پہ آخری سجدے میں رکھ کے سر
کعبہ حسینؑ کرتے ہیں تعمیر دیکھئے

نجم آفندی : احساس ہو قوم میں تو دن پھیر نہ دے
ہجرت کی یہ رات اور یہ عاشور کی شب

نجم آفندی : سبق لے کربلا سے کر وہ میدانِ عمل پیدا
جہاں ہر اک نفس اک نعرۂ تکبیر ہو جائے

نجم آفندی : تا حشر درس لیں گے دنیا میں آنے والے
ایسا پیام دے کر دنیا سے جا رہے ہیں

نجم آفندی : حیدرؑ نظر آتے ہیں آغوشِ پیمبرؐ میں
تکرارِ تجلّی ہے کعبے کے نئے در میں

نجم آفندی : جہاں میں وحدتِ عزم و عمل نے پھر نہیں دیکھا
نمونہ جو زمینِ کربلا پر تھا بہتّر کا

نجم آفندی : دعویٰ ہے دوستی کا غلط اہل بیتؑ سے
دشمن کا اہل بیتؑ کے دشمن اگر نہیں

نجم آفندی : بے نیازِ رنج دنیا ہوں غمِ شبیرؑ میں
یہ دوائے درد بھی ہے دردِ دامن گیر میں

نجم آفندی : داغوں کے شمع و گل ہیں تو آہوں کے ہیں علم
مومن کا قلب تعزیہ دارِ حسینؑ ہے

نجم آفندی : کس طرح بدل گیا معیارِ حیات
کیوں سرد ہوئی گرمیٔ بازارِ حیات

نجم آفندی : بیدرد بھی درد مند ہوسکتا ہے
ایثار پہ کار بند ہوسکتا ہے
شبیرؑ کے اُسوہ سے کوئی لے تو سبق
انسان کتنا بلند ہوسکتا ہے

نجم آفندی : سنبھلے گی نہ اپنی حالت زار کبھی
چونکیں گے نہ غفلت سے عزادار کبھی
شبیرؑ سے درس غیر قوموں نے لیا
قربانیاں جاتی نہیں بے کار کبھی

نجم آفندی : کردار پہ اپنے رکھ نگاہِ تنقید
خود اپنے لیے شاہدِ عینی ہوجا
تو مجلس و ماتم میں حسینیؑ ہے ضرور
ہر رنگ میں اے دوست حسینیؑ ہوجا

نجم آفندی : شبیرؑ نے راہِ حق میں کیا کیا نہ دیا
ہم نے ہی ثبوت کچھ ولا کا نہ دیا

نجم آفندی : اخلاق حسینؑ سے سروکار بھی ہو
دنیا کی نمائشوں سے بے زار بھی ہو
دولت سے ہے بے نیاز جو مردِ عمل
مزدور بھی ہو اور عزادار بھی ہو

نجم آفندی : آنسوؤں کا جو تقاضا ہو تو بھر دے جل تھل
کربلا والوں کے ایثار کا مقصد نہ بدل
چند لفظوں میں ہے اُسوۂ انصارِ حسینؑ
وسعتِ فکر و نظر حوصلۂ عزم و عمل

نجم آفندی : ملت میں تفرقہ کا نہ سامان کیجئے
قرآن کے ورق نہ پریشان کیجئے
جاں دی تھی اتحاد کی خاطر حسینؑ نے
پورا شہیدِ ظلم کا ارمان کیجئے
کچھ دردِ حسینؑ کے لے کر گدازِ دل
للہ اپنے دل کو مسلمان کیجئے

نجم آفندی : رہے خالی جو فکرِ منقبت سے ذکرِ مولاؑ سے
وہ لمحے زندگی کے نجم ہم نے رائیگاں سمجھے

خیرات ندیم : پکارو رنج و الم میں پکارو غربت میں
بہت ہی سہل ہے آسان ہے حسینؑ کا نام

قیس زنگی پوری : انسان اُس حسینؑ کی توصیف کیا کرے
جس کے پدر نے کعبہ کو کعبہ بنادیا
جس کے سپاہیوں نے کئی دن کی بھوک میں
تیغ و تبر کو منہ کا نوالہ بنادیا
بچوں نے جس کے معرکۂ کار زار میں
مرنے کو ایک کھیل تماشہ بنادیا
خود جس نے دوپہر میں ہمیشہ کے واسطے
جنگل کو کربلائے معلی بنادیا

کاظم جروی لکھنوی : زندہ رہنے کے لیے خاکِ شفا دیتا ہے
شہؑ کا بیمار مسیحا کو دوا دیتا ہے
سر جو شبیرؑ کی چوکھٹ پہ جھکا دیتا ہے
اپنے دامن کی ملک اُن کو ہوا دیتا ہے
اپنے بچوں کو سکھاتے نہیں ماتم ہم لوگ
نام عباسؑ کا خود ہاتھ اٹھا دیتا ہے
اِتنی دولت بھی نہیں تیرے خزانے میں یزید
جتنا اِک شہؑ کا عزادار لٹا دیتا ہے

ڈاکٹر طیب کاظمی لکھنوی:

رہا کرنے سے پہلے پر کتر دیتے ہیں طائر کے
اسیرانِ قفس پر یہ ستم صیاد کرتے ہیں
مگر حیدرؑ کے گھر کے لوگ فطرس کی قسم وہ ہیں
جو پہلے پر عطا کرتے ہیں پھر آزاد کرتے ہیں

یہ آخری دلیر حسینؑ سپاہ کا
گہوارے کا یہ چاند، دیا خیمہ گاہ کا
تارا یہ آسمان و زمیں کی نگاہ کا
لختِ جگر یہ دلبر شیرِ الٰہ کا
یوں سج رہا ہے آج یہ سرورؑ کی گود میں
مشکل کشا ہوں جیسے پیمبرؐ کی گود میں
کس شان سے چلا ہے شہادت کی راہ میں
تیر و کماں ہوں جیسے کھلونے نگاہ میں
یہ کم سنی، یہ پیاس، یہ گرمی، یہ دوپہر
یہ لُو کے تند جھونکے یہ بے شیر کا سفر
یہ نیم جاں صغیر، یہ ناوک سی رہ گزر
رو کر فرات نے یہ صدا دی کہ الحذر
پانی کے حق میں آخری حجت لیے ہوئے
قرآں ہے اپنی گود میں آیت لیے ہوئے

نامعلوم : ہم رتبۂ تسبیح نہ ہوں کیوں وہ رسن
جس کا کہ امام ہو دو عالم کا امام

نامعلوم : یہی آتی ہے ہر چکّی سے آواز
بتولؑ پاک فخر آیا ہے

جس کی مادر کا جنازہ رات کو اٹھا تھا ہائے
شام میں سر ننگے اس کو مرد و زن دیکھا کیے

مونسؔ : بازو چھدا ہے شاہؑ کا بچّہ ہے خوں میں تر
چھوٹی سی لاش چھاتی سے لپٹائے آتے ہیں

بزم آفندی=(سراپا حضرت عباسؑ)

صفائے جبیں و ابرو سے رخ پر آب ہوا
خود آب اس الف و با سے بہرہ یاب ہوا
انھیں کی وجہ سے رخ صورتِ کتاب ہوا
ابوترابؑ کے حرفوں سے آفتاب ہوا
جب آفتاب الف با سے شکل آب بنا
تو لافتیٰ سے فنا لے کے آفتاب بنا

محبؔ : مثلِ سبطین دو عالم کی حکومت ملتی
بطنِ زہرا سے جو ہوتے تو امامت ملتی

انیسؔ : سپاہِ شام سے نکلا جو حُر تو بولے شاہ
وہ آفتاب درخشاں ہوا گہن سے جدا

انیسؔ : خیمے میں ابنِ ساقی کوثر کے ہے غضب
جز اشک دیکھنے کو میسّر نہ آب تھا

انیسؔ : جب بڑھے شہؑ بہر استقبال حُر
غل تھا صدقے سیدِ ذی جاہ پر
حُر نے بیٹے سے کہا اے نورِ عین
سر کو رکھ دے جا کے پائے شاہؑ پر
چاہ پیاسے تک کبھی آتا نہیں
دوڑ کر جاتا ہے پیاسا چاہ پر

انیسؔ : لکھی شہؑ کے خالِ معنبر کی مدح
قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا

زاہدیؔ : پیاس جب علقمہ پہ جاتی ہے
اپنے بازو کٹا کے آتی ہے
پیاس صحرا میں سرفراز رہی
پیاس پانی سے بے نیاز رہی
پیاس جب حرفِ کن میں ڈھلتی ہے
تب کہیں کائنات بنتی ہے

آنسوؤں کا خراج پائے گی
پیاس ہر آنکھ کو رو لائے گی

ساجد رضوی : ہر شخص اگر واقفِ معنی ہوتا
اسرار معارف کا خزینہ ہوتا
تاریک فضاؤں میں بھٹکتا نہ خیال
گر مقصدِ شبیرؑ کو سمجھا ہوتا

نظیر : حُلّے جس کے واسطے جبرئیل لاتے تھے مدام
اس کا لاشا خاک پر سب بے کفن دیکھا کیے

آصفؔ : فدا ہوں اس پہ سلامی ہے جس کا نام حسینؑ
مرا معین مرا آقا مرا امام حسینؑ
صبا کو بھیج کہ روضہ پہ کررہا ہوں دعا
کریں قبول الٰہی مرا سلام حسینؑ
میں اپنے دل کو بہت پاک و صاف رکھتا ہوں
کہ شاید اس میں کسی دن کریں قیام حسینؑ

انیسؔ : حسینؑ اور طلب آب اے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حُجت سوالِ آب نہ تھا

انیسؔ : مجلس میں بہر نذر شہنشاہ کربلا
دستِ مژہ ہے سبحۂ گوہر لیے ہوئی

انیسؔ : مشرق سے داد خواہ نکلتا ہے ہر سحر
منہ کو لہو سے خسرو خاور بھرے ہوئے

انیسؔ : ابروؤں پر شہؑ کی کیا زیبا ہے نورانی جبیں
خوش نما ہے لوح ہر سورے میں بسم اللہ پر

انیسؔ : قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطہ دے کے ناخن پر
نہ سوجھی جب کوئی تشبیہ روئے شہؑ کے خالوں کی

دبیرؔ : کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے
ہر قصرِ سلاطینِ زمن کانپ رہا ہے
شمشیرؑ بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

دبیرؔ : امتحاں کی جو ترازو میں قضا نے تولا
حر وفاداری شبیرؑ میں پورا اترا

تقی عابدی : حیدر کی آرزو و شجاعت کا نام ہے
لبریز ہو کے جو نہیں چھلکا وہ جام ہے
جس کا وجودِ ظاہری معصوم نہ سہی
معصوم کی پناہ کا عباسؑ نام ہے

مرزاؔ : یہ ہے مختصر کربلا کی حقیقت
مدینہ اجڑ کر یہ جنگل بسا ہے

دبیرؔ : جب مصحفِ ہستی مرا برہم کرنا
سی پارۂ ایام محرم کرنا
برباد نہ جائے مری خاک اے گردوں
تیار چراغ بزمِ ماتم کرنا

دبیرؔ : آنکھیں ہیں غمِ شاہؑ میں رونے کے لیے
دل حق نے دیا ملول ہونے کے لیے
دھوتے ہیں ہر ایک شے کو پانی سے مگر
آنسو ہیں فقط گناہ دھونے کے لیے

انیسؔ : نقشِ پائے شاہؑ سے تشبیہ دیتے ہم ضرور
گر نہ ہوتا جھائیوں کا عیب روئے ماہ پر

انیسؔ : کھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی
یہ رنگِ حسینؑ اور یہ رنگِ حسنؑ ہے

انیسؔ : نیزے پہ تھا جو دھوپ میں سبطِ نبیؐ کا سر
سورج مکھی تھا مہرِ منوّر لیے ہوئے

انیسؔ : سجدہ کا نشاں دیکھ کے سب کہتے ہیں
نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

انیسؔ : قمریاں طوقِ غلامی کی گلوں میں ڈالیں
سرو گڑ جائے جو دیکھیں قدو بالائے حسینؑ
قمریاں سرو پہ کو کو کی صدا دیتی ہیں
چھپ گیا خاک میں جب سے قدِ زیبائے حسینؑ

انیسؔ : ملا نہ مالکِ کوثر کو ایک قطرۂ آب
ہنوز خلق میں دریا کو پیچ و تاب یہ ہے

انیسؔ : شبرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھ کو اٹھالے تو خوب ہے
اٹھوں جہاں سے دلبرِ شبرؑ کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

انیسؔ : باقی نہ محمدؑ ہے نہ اب عونؑ ہے بیٹا
تم بھی جو نہ پوچھو تو مرا کون ہے بیٹا

انیسؔ : بی بی نہ پوچھ کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مرجائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

انیسؔ : بچپن پہ ہمارے نہ ترس کھائے گا کوئی
کیا ہم کو پھوپھی چھین کے لے جائے گا کوئی

انیسؔ : سب کے رخوں کا نور سپہر بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

انیسؔ : خواہاں تھے زہر گلشن زہراؑ جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

حلمی آفندی : یا علیؑ کربلا میں آگ لگی
خانۂ مصطفیٰؐ میں آگ لگی
جل رہی ہے رسولؐ کی مسند
چادر فاطمہؑ میں آگ لگی

سعید شہیدی : اکبرؑ کے بعد زیست میں کیا دلکشی رہی
لیلیٰ تمام عمر یہی سوچتی رہی

سعید شہیدی : جنت کو بھول جاؤ اگر بغض دل میں ہے
دوزخ میں جھونک دے گی عداوت حسینؑ کی

انیسؔ : کسریٰ کی جو پوتی ہوں تو کچھ فخر نہیں ہے
سر تاج مرا دوشِ محمدؐ کا مکیں ہے

انیسؔ : کوئی ہدیہ ترے لایق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

انیسؔ : جنگل سے آئی فاطمہؑ زہرا کی یہ صدا
امت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا

انیسؔ : قرآن کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز
بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھے شہِ حجازؑ

نجم آفندی : ڈوبی ہوئی دکھ کے ساگر میں سورج کی سنہری تھالی تھی
اس چاند کی دس کو سانجھ تلک شبیرؑ سے دنیا خالی تھی
سرورؑ پہ حسن کی بدھوانے دو چاند کے ٹکڑے وار دیے
بچے تو جیالے تھے ہی مگر ماتا بھی بڑی دل والی تھی

نامعلوم : کہتا ہے یہ چشم سے ٹپک کر آنسو
ہم وہ ہیں کہ دوزخ کو بجھا دیتے ہیں

نامعلوم : ہے عین یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ
کھل جائے گا سب جو بند ہوں گی آنکھیں

شہریارؔ : حسینؑ ابن علی کربلا کو جاتے ہیں
مگر یہ لوگ ابھی تک گھروں کے اندر ہیں

شہریارؔ : اہلِ وفا کو شوقِ شہادت ہے آج بھی
لیکن کسی کے ہاتھ میں خنجر نظر تو آئے

انیسؔ : جب ہوئی بے پردہ اولادِ رسولؐ
پھر جہاں میں کس کا پردہ رہ گیا

انیسؔ : جس نے دیکھی بچۂ پاکِ حسینؑ
اشک پلکوں میں پروتا ہی رہا
جو ہوا تر دامنی سے منفعل
اشک سے دامن بھگوتا ہی رہا

جوشؔ : ہر چند اہلِ جور نے چاہا یہ بارہا
ہو جائے محو یادِ شہیدانِ کربلا
عباسؑ نامور کے لہو سے دُھلا ہوا
اب بھی حسینیت کا علم ہے کُھلا ہوا

نامعلوم : ڈوبتے سورج سے پوچھا یہ اُبھرتے چاند نے
کن غریبوں کے جنازے ہیں یہ ریگِ گرم پر

سعید شہیدی : عصر کے اجالے میں گھر لٹا کے بیٹھی ہوں
پھر نہ لوٹ لیں اعدا شام ہونے والی ہے

میر انیسؔ : فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے
سادات کی بستی کے اجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے
گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے
گل رو، صفتِ غنچہ کمربستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

میر انیسؔ : نرگس ہے بیاباں میں کھڑی ششدر و حیران
اس سوگ میں سنبل کے بھی ہیں بال پریشان
ہر سرو ہے مثلِ علم آہ نمایاں
اور ملتے ہیں پتے کفِ افسوس کو ہر آں
ماتم ہے ہر اک گل کا گریباں پھٹا ہے
فریاد کی غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہے

میر انیسؔ : تھا بسکہ روزِ قتل شہؑ آسماں جناب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب

تھی سپرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

میر انیسؔ : ملبوسِ بدن لے گئے سب لوٹنے والے
سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
پہلوے مبارک پہ گڑھے رہ گئے بھالے
کیوں چرخ یہ حال اس کا جسے فاطمہؑ پالے
شبیرؑ کا سر نیزۂ خولی کی انی پر
تف دہر پہ اور خاک ہے دنیائے دنی پر

غیورؔ : ڈراونا جنگل ہے رات اندھیری ستارے کچھ جھلملا رہے ہیں
پڑے ہیں ریتی پہ چند لاشے جو اپنا غم آپ کھا رہے ہیں
نہ کوئی زخموں کا دھونے والا نہ کوئی مُردوں پہ رونے والا
پرند کچھ کر رہے ہیں نالے درند کچھ خاک اڑا رہے ہیں
شکستہ ہتھیار کچھ پڑے ہیں یہ لوگ شاید یہاں لڑے ہیں
لڑے تو وہ ہوں گے جو بڑے تھے نظر تو بچے بھی آ رہے ہیں

امیدؔ فاضلی : لہجہ احمدؐ کا علیؑ کے لفظ عابدؑ کی زباں
پوری اک تاریخ کا حاصل ہے خطبہ شام کا

امید فاضلی : بولے عابدؑ کہ شہادت ہے فضیلت اپنی
(مرثیہ علم وعمل)
سر کٹانا سرِ مقتل ہے سعادت اپنی
جان دینا رہِ حق میں ہے عبادت اپنی
تیغ کی دھار پہ چلنا تو ہے فطرت اپنی
کاش تو جانتا عابدؑ کو ڈرانے والے
کب ڈرے موت سے احمدؐ کے گھرانے والے
جہل کی دھوپ ڈھلی علم کے بادل چھائے
منبرِ احمدؐ مختار پہ سجادؑ آئے
لبِ بیمار سے قرآن خدا بول اٹھا
عقدہ مشکل تھا تو خود عقدہ کشا بول اٹھا
وارثِ علمِ فصاحت کے گہر رولتے تھے
یا پسِ پردۂ سجادؑ علیؑ بولتے تھے

امید فاضلی : تاریخ سے کہہ دو کہ دمِ خطبۂ سجاد
کیا نہج بلاغہ کی فصاحت ہے ذرا دیکھ

تعشق : حضرتِ سجادؑ راہِ شام سے واقف نہ تھے
ہاتھ پکڑے تھی رسن رستہ بتانے کے لیے

فصیح : ہے سلام اس پہ جو قیدی بھی ہے بیمار بھی ہے
پاؤں میں آبلہ ہے آبلہ میں خار بھی ہے

سورج نرائن ادب : آج دنیا برائے منزلِ امن
رہبری تیری چاہتی ہے حسینؑ

ورما : رگ رگ میں تیری خونِ صداقت ہے اے حسینؑ
تیرے عمل میں عکسِ نبوت ہے اے حسینؑ
قائم نماز تیری بدولت ہے اے حسینؑ
تیری جبین لوحِ شریعت ہے اے حسینؑ

رام لال : کربلا میں اک بہانہ تھا حسینؑ ابن علیؑ
لینے والے نے لیا تھا امتحانِ مصطفیٰؐ

حالی : اے کلمۂ حق اے شیرِ یزداں
جس وقت ہو تو پردے سے عریاں
ہوں تیرے جس دم انصار تھوڑے
دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے
عالم ہو تیرا جب ناشناسا
حالی کو رکھیو اپنا شناسا

حالی : کتنوں نے مانا ساحر نبیؐ کو
کتنوں نے جانا کافر علیؑ کو
طوفاں اٹھائے اہلِ ھدیٰ پر
بہتاں باندھے زین العباؑ پر

نکلے ائمہ اکثر وطن سے
خالی ہوا رے ابن حسنؑ سے
کتنوں کی باندھیں ذلت سے مشکیں
کتنوں کے رسی ڈالی گلے میں
مرتد بتایا اہلِ یقیں کو
ٹھہرایا زندیق اربابِ دیں کو

واجد علی شاہ : جہادِ نفس عبادت میں مجھ کو ہے منظور
وضو کے وقت پلٹتا ہوں آستینوں کو

دبیرؔ : محتاجوں کو اغنیا نے زر بخشا ہے
درماندوں کے آرام کو گھر بخشا ہے
احمدؐ کے نواسے کی سخاوت دیکھو
دشمن کو رہِ دوست میں سر بخشا ہے

دبیرؔ : حق عاشقیِ حق کا ادا شہؑ نے کر دیا
دشمن کو راہِ دوست میں خوش ہو کے سر دیا

دبیرؔ : سمجھے ہیں نامرادیٔ دنیا کو یہ مراد
غم ان کے دل میں شادؔ ہے دل ان کا غم میں شادؔ

انیسؔ : اللہ نے پیدا کیا کعبے میں علیؑ کو
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو
پایا جو تردد کا محل سرورِ دیں نے
عمرے سے دیا حج کو بدل سرورِ دیں نے
اعمال میں حج کے تو یہ ہے حکم خدا کا
پشّے کو نہ دو عالمِ احرام میں ایذا
گر کھولتا احرام نہ پیارا وہ نبیؐ کا
کعبے میں گلا کاٹتے فرزندِ علیؑ کا

دبیرؔ : نعرہ سنا اذاں کا خیامِ امامؑ سے
اور اقتلو الحسینؑ کا غل فوجِ شام سے

دبیرؔ : کب اسلحہ کسی کو دیا ہے حسینؑ نے
تقسیم سب کو صبر کیا ہے حسینؑ نے

دبیرؔ : ہے دونوں جہاں میں یہ امام الثقلین ایک
جس طرح خدا ایک ہے اُس طرح حسینؑ ایک
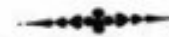
دبیرؔ : جس کا غبار نور ہے وہ خاکسار ہوں
حق جس سے برقرار ہے وہ بے قرار ہوں
فاقے کی جس کو عید ہے وہ روزہ دار ہوں
جس کا وطن ہے عرش پہ وہ بے دیار ہوں

کعبہ ہے جس کا گھر میں وہ عالی مقام ہوں
تسبیح جس کی خاک ہے میں وہ امام ہوں

دبیرؔ : اللہ کر نہ ذبح شہِ مشرقین کو
میں بھیک مانگتی ہوں مجھے دے حسینؑ کو

دبیرؔ : پہنچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے
چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرّا کے رہ گئے
چادر پسر کے چہرے سے سرکا کے رہ گئے
آنکھیں جھکا کے بولے کہ یہ ہم کو لائے ہیں
اصغر تمہارے پاس غرض لے کے آئے ہیں

دبیرؔ : چاہوں تو بیٹھے بیٹھے اک انگلی سے زین پر
گردوں کی ڈھال چیر کے رکھ دوں زمین پر

انیسؔ : طاقت اگر دکھاوں رسالتؐ مآب کی
رکھ دوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

مونس/انیسؔ : ابر نیساں نے جو دیکھا کرمِ دستِ حسینؑ
پائے اقدس پہ لگا لوٹنے داماں ہو کر

خلد بھی حر نے لیا حور بھی لی کوثر بھی
پڑ گیا لوٹ میں شبیرؑ کا مہماں ہو کر

دبیرؔ : اب یوں کتب میں منزلِ آخر کا ہے بیاں
زہراؑ کا چاند اوّلِ شب کو ہوا رواں
منزل دراز، رات سیہ، راہ بے نشاں
جنگل مہیب، خارِ مغیلاں یہاں وہاں
تن غازیوں کے کانٹوں سے انگار ہو گئے
آلودہ خار سے گلِ بے خار ہو گئے

دبیرؔ : سنبل صفت قبا ہوئی ہر گل کی تار تار
پلکوں کی طرح بھر گئے چشمِ زرہ میں خار
زینب حسینؑ کے لیے ہو ہو کے بے قرار
کہتی تھی ڈھال روک لو منہ پر بہن نثار
کانٹے غضب ہیں باگ اٹھائے ہوئے چلو
اکبر کو بھی سپر میں چھپائے ہوئے چلو

جوش ملیح آبادی : جس اک عدد میں دولتِ ذبحِ عظیم تھی
تو نے اِس اک عدد کو بہتّر بنا دیا

تعشق : مولاؑ نے کہا اس لیے اصغرؑ کو کیا دفن
چھوٹا ہے یہ خورشید لقا اور بڑی دھوپ

انیسؔ : حسینؑ تیغوں کے آگے سے کس طرح ہٹتے
بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے

انیسؔ : ''ح'' سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامئ امت
سمجھیں گے اسی ''سین'' کو سب سینِ سعادت
''ی'' اس کی بزرگی میں ہے ''یٰسین'' کی آیت
ہے ''ن'' سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حُسن میں دس حصے زیادہ ہے حسن سے

دبیرؔ : دستِ خدا کا قوتِ بازو حسینؑ ہے
محبوبِ حق کا زینتِ پہلو حسینؑ ہے
بازارِ دیں کا یوسفِ خوش رو حسینؑ ہے
اور جنسِ معرفت کی ترازو حسینؑ ہے
ایمان اس کی جان یہ ایماں کی جان ہے
قرآں فقط دہن ہے یہ گویا زبان ہے

انیسؔ : پیری پہ مری رحم کر اے خالقِ ذوالمنن
طے جلد ہو اب مرحلۂ خنجر و گردن
قتلِ علی اکبرؑ کی خوشی کرتے ہیں دشمن
تجھ پر مرے اندوہ کا سب حال ہے روشن

مظلوم ہوں مجبور ہوں مجروح جگر ہوں
تو صبر عطا کر مجھے یارب کہ بشر ہوں

انیسؔ

شکوہ نہ زباں سے غمِ اولاد میں نکلے
موتی ہے وہ آنسو جو تری یاد میں نکلے

انیسؔ :

قاتل جو چھری خشک گلے پر مرے پھیرے
خالص رہے نیت کوئی تشویش نہ گھیرے
کٹنے پہ رگوں کے یہ سخن لب پہ ہو میرے
قربان حسینؑ ابنِ علیؑ نام پہ تیرے
بہنوں کی نہ ہو فکر نہ بچوں کی خبر ہو
اس صبر سے سردوں کہ مہم عشق کی سر ہو

انیسؔ :

عاشق کو نہیں دوریٔ معشوق گوارا
سر جلد کٹاؤ یہ ہے خالق کا اشارا
مشتاقِ اجل ہے اسداللہ کا پیارا
اب خنجرِ بے آب ہے اور حلق ہمارا
طالب ہوں رضا مندیٔ ربِ دوسرا کا
صد شکر کہ وقت آگیا وعدے کی وفا کا

انیسؔ :

تو صبر میں ایوبِ خوش انجام ہے شبیرؑ
اب سجدے میں جھک عصر کا ہنگام ہے شبیرؑ

انیسؔ : کچھ فکر نہ تھی اور فقط یادِ خدا تھی
تکبیروں کے نعرے تھے نمازوں کی صدا تھی

انیسؔ : جلد گردن پہ رواں خنجرِ برّاں ہوئے
اے خوشا وہ جو تری راہ میں قرباں ہوئے

انیسؔ : ترے سجدے میں یہ سرتن سے جدا ہوجائے
عہدِ طفلی کا جو وعدہ ہے وفا ہوجائے
آج احمدؐ و حیدرؑ کے گریباں پھٹیں گے
اٹھارہ نبیؐ فاطمہؑ کے حلق کٹیں گے

انیسؔ : عشقِ گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے
چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگے تیر
دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رگ میں بو الفتِ اللہ کی نکلے

دبیرؔ (رباعی غیر منقوط) : اعدا کو اُدھر حرام کا مال ملا
حر کو اسد اللہ کا ادھر لال ملا
واللہ کلاہِ سرِعام ہوا حر
حلّہ ملا معصومہؑ کا رومال ملا

انیسؔ (ایک بند میں جنگ کربلا)

اکبرؑ نے اذاں دی ہوئے شہؑ محوِ عبادت
اور بعد عبادت ہوئے ایک ایک سے رخصت
میدان میں طالع ہوا خورشیدِ امامت
اور پیاسوں کو آنے لگے پیغامِ شہادت
توقیر شہادت کی بہتّر پہ ہوئی ختم
آغاز ہوئی حُرؑ سے اور اصغرؑ پہ ہوئی ختم

دبیرؔ (جذبات حضرت زینبؑ)

اکبرؑ کے سنانے کو یہ کہتی تھی زباں سے
اے عونؑ و محمدؑ تمہیں لاؤں میں کہاں سے
جو کام کیا، پوچھ کے مجھ سوختہ جاں سے
اب قدر ہوئی پیاروں کی جب چھٹ گئے ماں سے
کیا جان کے دم بھرتی تھی ہمشکل نبیؐ کا
سب کہنے کی باتیں ہیں، نہیں کوئی کسی کا
پھر بانو کے پاس آکے یہ فرمایا بہ رقت
لو بھابی یہ ملبوس، یہ اکبرؑ کی امانت
بچپن کے بھی کرتے ہیں، جوانی کی بھی خلعت
اللہ مبارک کرے اب تم کو یہ خدمت
تم والدہ ان کی ہو، پدر سرورؑ دیں ہیں
یہ آج کھلا، ہم کوئی اکبرؑ کے نہیں ہیں

پھر رونے لگی بیٹھ کے واں زینبؑ ناچار
ہمشکل نبی لپٹے یہ کہتے ہوئے اک بار
میری پھوپی اماں مری مالک، مری مختار
میں تو ہوں غلام آپ کا، کیوں آپ ہیں بیزار
ہم چاہتے ہیں تم ہمیں چاہو کہ نہ چاہو
اللہ، اب اک بات پہ بندے سے خفا ہو

انیسؔ : عباسِؑ علی شیرِ نیستانِ نجف ہے
کیوں شیر نہ ہو شیرِ الٰہی کا خلف ہے
فخر ان کو غلامی کا حسینؑ ابن علیؑ کی
مادر کو کنیزی کا شرف بنتِ نبیؐ کی
شہ سوتے تو تکیے پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ
مانندِ قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ
تھراتا ہے خورشیدِ جلال و حشم ایسا
جھک جاتی ہے شاخِ سرِ طوبیٰ علم ایسا
آئینہ تصویرِ یداللہ ہیں عباسؑ
شبیرؑ تو خورشید ہیں اور ماہ ہیں عباسؑ
اقبال و جلال ان کا زمانے پر جلی ہے
وہ نورِ محمدؐ ہے تو یہ نورِ علیؑ ہے

دبیرؔ : جب مشرکوں سے حُرِ مسلماں جدا ہوا
ظلمت سے نور، کفر سے ایماں جدا ہوا
نکلا تو غرق دوستیِ پنجتنؑ میں تھا
حرفِ گنہ نہ پھر کسی جزو بدن میں تھا
حُر کو کبھی نہ دیکھا تھا اس زیب وزین سے
انساں فرشتہ بن گیا مل کر حسینؑ سے
اصحاب گرد لاش کے تھے شور وشین میں
حُر مسکرا رہا تھا کنارِ حسینؑ میں

دبیرؔ : بانو نے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھ کر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغرؑ

انیسؔ : نیم وا چشم سے حُر نے رخِ مولاؑ دیکھا
زیرِ سر زانوے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُرِ جری کیا دیکھا
ننگے سر احمدِؐ مختار کی پیاری آئی
دیکھیے، آپ کے نانا کی سواری آئی

انیسؔ : قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دمِ بازپسیں

کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اڑھا دیجیے مولاؑ، مجھے نیند آتی ہے
کہہ کے یہ، گود میں شبیر کے لی انگڑائی
آیا ماتھے پہ عرق، چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا، ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی!
چل بسے حُرِ جری، پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

رجز حضرت قاسمؑ : آٹھوں پہر لگائی ہے چورنگ بارہا
ہم بے خطا ہیں تیر بھی اپنے ہیں بے خطا
چلّہ نشیں کمان کے گوشے میں ہے قضا
نیزہ ہے اپنا زہر اگلنے میں اژدہا
پر زہر سے عیاں اثرِ لطف و قہر ہے
مومن کو زہر مہرہ ہے کافر کو زہر ہے

دبیرؔ : کوئی نہ رہا کنبے میں میرے علی اکبرؑ
سب مر گئے اک مرنے سے تیرے علی اکبرؑ

دبیرؔ :

عبدالقمر نحس کا تو داغ جگر ہے
میں چاند علیؑ کا ہوں ارے یہ بھی خبر ہے
خورشید پرستی سے تری کیا مجھے ڈر ہے
قبضے میں طنابِ فلکِ شمس و قمر ہے
جب قبلے کو ہم نے رخِ امید پھر آیا
مشرق کی طرف شام کو خورشید پھر آیا

دبیرؔ (سراپا علی اکبرؑ):

ایمن میں طور، طور میں یہ برقِ طور ہیں
گردن میں سر ہیں سر میں یہ عقل و شعور ہیں
سینے میں دل ہیں دل میں نشاط و سرور ہیں
چہرے میں آنکھ آنکھ میں تل تل میں نور ہیں
گلشن میں پھول پھول میں بو بو میں عطر ہیں
روزوں میں عید عیدوں میں یہ عید فطر ہیں

دبیرؔ :
(علی اکبرؑ فن نیزہ گری)

گر برچھیوں والوں نے ذرا آنکھ نکالی
پہنچا وہیں نیزہ لیے ابن شہِؑ عالی
بالکل ورق چشمِ عدو کردیا خالی
چلی صفتِ نقطۂ شک صاف اٹھالی
اللہ رے صفا آنکھ نے دیکھی نہ جھلک بھی
چلی تو سناں لے گئی جھپکی نہ پلک بھی

دبیرؔ : پروانۂ شمعِ رخِ تاباں ہوئیں زہراؑ
محسن کو لیے گود میں قرباں ہوئیں زہراؑ

دبیرؔ : ثابت قدم ایسا کوئی پیروں میں کہاں ہے
(حبیب ابن مظاہر) ثابت قدمی پاؤں سے رعشے میں عیاں ہے
سر ہلتا ہے پر ہر کفِ پا رن میں جمی ہے
جنبش میں ہے لَو، شمع کو ثابت قدمی ہے

انیسؔ : ہے سب کو آرزو رخِ روشن کے دید کی
تصویر ہو رسولؐ خدائے مجید کی
کیوں کر جدا نگاہ سے بیٹا کریں تمھیں
آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھا کریں تمھیں

انیسؔ : اخلاق میں شوکت میں، شجاعت میں نبیؐ تھا
سایہ جو نہ ہوتا تو رسولِ عربیؐ تھا

انیسؔ : تھی دوسری تاریخ محرم کی کہ ناگاہ
وارد ہوا اس دشت میں اک بندۂ اللہ
تاریخ ششم کو تو زمانہ ہی پھرا تھا
دو لاکھ سواروں میں وہ مظلوم گھرا تھا
بند اُس پہ ہوا ساتویں تاریخ سے پانی
مرنے لگے اُس سیّد مظلوم کے جانی

دسویں کو ہوئی شہ کے تن و سر میں جدائی
تم نے بھی نبیؐ زادے کی تربت نہ بنائی

انیسؔ : بے اذن جہاں پاؤں ملک نے نہ دھرا تھا
ہیہات وہ گھر لوٹنے والوں سے بھرا تھا
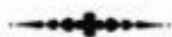
انیسؔ : خیال آگیا دنیا کی بے ثباتی کا
چلے جہان سے اصغرؑ تو مسکرا کے چلے

انیسؔ : قربان تولاے حبیبؑ ابنِ مظاہر
جاں باز جہاں دیدۂ فن جنگ کے ماہر
جب شہہؑ کی طرف تیر لگاتے تھے ستم گار
یہ بڑھ کے اسے روکتے تھے سینے پہ ہر بار
طفلی سے یہ فوج شہہ نامی میں رہے تھے
تر سٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے
جو عشق تھا سلمانؓ و ابوذرؓ کو نبیؐ سے
ان کو وہی الفت تھی حسینؑ ابن علیؑ سے
پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت
تھرانے لگے عضو بدن گھٹ گئی طاقت
کہتے تھے تن و جاں شہہؑ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبیرؑ کے صدقے

پھر لاش درِ خیمہ پہ لائے شہِ عالم
ماتم کیا بے کس کا بچھا کر صفِ ماتم
ہے ہے مرے سلماں مرے مقداد اباذر
ہے ہے مرے عمار مرے مالکِ اشتر
تازیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

انیسؔ : دوزخ سے جو آزاد کیا حُر کو خدا نے
کھلوا دیے فردوس کے در عقدہ کشا نے
زانو پہ رکھا سر کو امامِ دوسرا نے
اعلیٰ کیا ادنیٰ کو بزرگوں کی دعا نے
کس لشکرِ بدخو سے بگڑ کر نکل آیا
دو لاکھ ستم گاروں سے لڑ کر نکل آیا
کعبے کی طرف دیر میں گر دیر سے پہنچا
شر نے اُسے روکا تھا مگر خیر سے پہنچا

دبیرؔ : گنجینۂ علوم خدا داد کون ہے
جبریل سے فرشتے کا استاد کون ہے

دبیرؔ : بابا کی خاک خلق کو خاکِ شفا ہوئی
عابد کو قید میں نہ میسّر دوا ہوئی

نیسؔ اسلام اگر یہی ہے تو اسلام کو سلام
کھل جائے گا کھینچے گی جو کل تیغ انتقام

وحیدؔ ہاشمی : یہ دل پہ منحصر ہے مبارک تمہیں ہنسی
مجھ کو غمِ حسینؑ میں رونا پسند ہے

اسرار زیدی : بدن پہ زخم سجے تھے نڈھال چہرہ تھا
فرات سامنے بہتا تھا اور وہ پیاسا تھا

نجمؔ آفندی : شبیرؑ نے کی دین کی تاریخ مکمل
کچھ دفترِ ایثار کے اوراق تھے سادے

ناصرؔ کاظمی : ہر ایک شخص کو ادراک ہو نہیں سکتا
یہ اہلِ درد سے پوچھو کہ کربلا کیا ہے

اب لڑیں گے جنگ اطمینان سے رن میں حسینؑ
دفن کر دی میّت بے شیر فرصت ہو گئی

بخاری : جلتے ہوئے چراغ تھے اور سیاہ شام تھی
کرب و بلا پہ چھا گیا اک دیا بجھا ہوا

شہزاد احمد : یہ واقعہ عجیب ہے اے کربلا کی شام
دو آفتاب آج لہو میں نہا گئے

سلیم کوثر : صرف جرأت ہی پہ موقوف نہیں سچائی
حق کے اظہار کو کچھ نام و نسب ہوتے ہیں

انیسؔ : کیا شہادت کی خوشی تھی شاہؑ کو
زخم جو کھایا بدن پر کھل گیا

وحید الحسن : حیوانیت کی ذیل میں ڈھونڈو یزید کو
انسانیت کی فرد میں یہ نام ہی نہیں

شاہد نور : حرم کیا ہے عبادت کس کو کہتے ہیں خدا کیا ہے
یہ سب کچھ جان لوگے یہ سمجھ لو کربلا کیا ہے

عاصی کرنالی : انساں کو حشر تک کے لیے قید جبر سے
آزاد کر گئے ہیں اسیرانِ کربلا

نامعلوم عداوت بناوٹ حسد نکتہ چینی
مجالس میں ہم کچھ یہی دیکھتے ہیں

اختر ہاشمی : تسکینِ جاں ہے ابن شہِ لافتیٰ کا نام
ہوتے نہ یہ تو کوئی نہ لیتا وفا کا نام

انیسؔ : خود ہے مجھے منظور کہ سرتن سے جدا ہو
تا مغفرتِ امتِ محبوبِ خدا ہو

انیسؔ : ہر زخم پہ ہے شکر ہر اک تیر پہ تکبیر
فرماتے ہیں راضی ہوں میں اے مالک تقدیر
کھانے کی نہ پانی کی نہ راحت کی طلب ہے
یارب مجھے امت کی شفاعت کی طلب ہے

دبیرؔ : کس منزلِ نیاز کے سالک حسینؑ ہیں
جب تک خدا کا ملک ہے مالک حسینؑ ہیں
عشقِ خدا کا بار نہ کہسار سے اٹھا
افلاک سے نہ عرش ضیا بار سے اٹھا
یہ کیا نہ انبیائے خوش اطوار سے اٹھا
لیکن حسینؑ بے کس و بے یار سے اٹھا
رخ زرد آدم و ملک و جن کا ہوگیا
یہ ہوگئے خدا کے خدا ان کا ہوگیا

شاداںؔ دہلوی : بشر کی فضیلت ہے یہ انتہا کی
که ساجد ہیں نوری تو مسجود خاکی

شاداںؔ دہلوی : دل بس وہی دل ہے جسے عرفانِ ولا ہے
سر وہ ہے جو شائستہ نقشِ کفِ پا ہے

انیسؔ : اک افسانہ بے کسی رہ گیا
نہ قاتل رہا اور نہ سرور رہے

دبیرؔ : مانا یزید صاحبِ دولت ہے ہم نہیں
پر وہ وہی ہے اور شرافت میں ہم ہمیں
ہوتی ہے آسماں کے مقابل کہیں زمیں
وہ تخت کا مکیں ہے تو ہم عرش کے مکیں
ممکن ہے زور و زر سے یہ رتبہ کسی کا ہو
چاہے جسے خدا وہ نواسا نبیؐ کا ہو
فوج اس کے پاس بھی ہے، پہ فوجِ خدا کہاں
صاحب علم ہزار، پہ عباسؑ سا کہاں
بیٹے بہت، پہ اکبرؑ گلگوں قبا کہاں
لاکھوں میں ایک، ثانیِ خیرالوریٰ کہاں
بھائی یزید کا کوئی مثلِ حسنؑ بھی ہے
زینبؑ سی عابدہؑ کوئی اس کی بہن بھی ہے

فرش اس کا جبرئیلؑ کا پر ہو، نہ ہوئے گا
عرشِ بریں پہ اس کا گزر ہو، نہ ہوئے گا
سلطان دیں وہ بانیِ شر ہو نہ ہوئے گا
دنیا اگر اِدھر کی اُدھر ہو، نہ ہوئے گا
پرچے غلط سناتے ہیں مخبر پلید کے
وحی خدا بھی آئی ہے گھر میں یزید کے؟
یہ جد، یہ کد، یہ سعی، یہ کوشش یہ اہتمام
یہ صف کشی، یہ مورچہ بندی، یہ قتلِ عام
اس پر مٹے ہو بس، کہ مٹے پنجتنؑ کا نام
ناحق، عبث، نشاں مرا قائم ہے تاقیام
حاشا کبھی جو آل رسولؐ اُم مٹیں
قرآں مٹے کسی کے مٹانے تو ہم مٹیں

دبیرؔ : محبوبِ پیمبرؐ ہے تو خالق کا ولی ہے
شاہِ شہداؑ اس کا خطابِ ازلی ہے
پابند رہا رشتۂ فرمان خدا کا
آ ہو ہے وہی کعبۂ تسلیم و رضا کا

دبیرؔ : تعریفِ غزالِ نبویؐ کا نہیں مقدور
ہے مشک صفت بوئے سخا شہروں میں مشہور

ہے ناقۂ دل اس کا فقط صبر سے معمور
کس رنج و مصیبت میں رہا خرم و مسرور
دیکھو تو ذرا آہوئے زہراؑ کے کرم کو
کیا دہشت عقبیٰ سے مبّرا کیا ہم کو

دبیرؔ : کیوں امتِ احمدؐ نہ کرے فخر ہر اک بار
شبیرؑ سا پایا ہے اس امت نے مددگار
ایسا تو رسولوںؑ نے نہ امت کو کیا پیار
سر ایک طرف شہؑ نے تصدق کیے دلدار
کیا ذائقہ شمشیرِ شہادت کا لیا ہے
حل ترجمۂ ذبح عظیم اس نے کیا ہے

ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
میں نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہیں
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہیں
کل سترہ سوار ہیں اور بیس گھوڑے ہیں
ہم شکلِ مصطفےٰؐ کو تو اٹھارواں ہے سال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبرؑ کا نونہال
نو دس برس کے ہوئیں گے زینبؑ کے دونوں لال
ہاں اک جواں ہیں حضرتِ عباسؑ خوش خصال

چھوٹے ہیں اور سب کوئی ان میں جواں نہیں
خط اک طرف میں بھی تو کسی کے عیاں نہیں
سنتا ہوں میں ہیں دو پسرِ شاہِ نام دار
بیمار ان میں ایک ہے اور ایک شیرخوار
زینبؑ کے دو ہیں تین حسنؑ کے ہیں گلعذار
دس ہیں عقیل و مسلم و حیدرؑ کے یادگار
زہراؑ کے جان و دل ہیں محمدؐ کے پیارے ہیں
کُل سترہ ہیں چاند تو باقی ستارے ہیں

بگڑے ابوثمامہ و سعدِ فلک سریر
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کماں میں ابنِ مظاہر نے جھک کے تیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عابس کو غیض لشکرِ بدخو پہ آگیا
غصّے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

بولے اٹھا کے نیزے کو ضرغامۂ دلیر
بس اب سزا میں ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بولے شعیبؑ ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر
بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو پھیر پھیر

آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
کثرت پہ اپنی پھولے ہیں کیا بے شعور ہیں

پہلے حُر غازیؑ نے صفیں کیں تہ و بالا
پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا
تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہؑ والا
کہرام تھا مہماں کے لیے اہل حرم میں
رونے کو بتولؑ آئی تھی میدانِ ستم میں

میدان میں مُسلم پسرِ عوسجہ آیا
تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
جس دم وہ گرا شہؑ نے بڑا رنج اٹھایا
چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے کے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

ضرغامہ و وہب و انس و مالک دیں دار
حجاج و زہیر اسدی عامرِ و عمار
عمران و شعیب و عمر و شوذب و ابرار
قربان حسینؑ ابنِ علیؑ ہو گئے یک بار
جس سمت یہ جاں باز تھے خالی وہ پرا تھا
اور دور تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

باقی جو رفیقِ شہؑ دیں رہ گئے دو چار
حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار
یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلب گار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجیے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجیے آقا

نقیؔ عابدی : مٹایا وقت نے پتھر پہ لکھی داستانوں کو
مگر عباسؑ تیری آب پر تحریر باقی ہے

نقیؔ عابدی : یوں جیت لی عباسؑ نے دریا پہ لڑائی
پانی پہ کہیں پھر کبھی پہرا نہیں دیکھا

مبارک شاہ آبرو : اس طرح ڈوبا تھا چہرہ شاہِؑ دیں کا خون میں
شام کوں جیسے شفق میں ڈوبتا ہے آفتاب

نقیؔ عابدی : رخسارِ سکینہؑ پہ طمانچوں کے نشاں تھے
اچھا ہوا عباسؑ نے چہرہ نہیں دیکھا

حیدر علی اخترؔ : نمازِ عشق ہے اختر صفِ عزائے حسینؑ
نہیں ہے فرقِ مراتب یہاں کسی کے لیے

واجد علی شاہ اختر : باغ دیں قائم ہے ان گلہائے تر کے حسنؑ سے
گیارہ تن اولاد میں ہیں بوستانِ مرتضیٰؑ

اختر زیدی : شب کو کچھ لوگ محفل سے اٹھ کر گئے صبح عاشور حُرآ کے شامل ہو
پا کے کھویا کوئی کھو کے پایا کوئی یہ بھی تقدیر ہے وہ بھی تقدیر ہے

اخلاق حسین : شرف تو دیکھو کہ بڑھ کے دانہ علیؑ کے گھر کا کہاں پہ پہنچ
خدا نے نانِ جویں خریدی بتولؑ سے مل اتیٰ کے بدلے

ارم لکھنوی : شاہیو اصغرؑ نے خاموشی میں کیا کیا کہہ دیا
تم نے دیکھی تھی کہیں اس شان کی تقریر بھی

اسیر فیض آبادی : مسکرائے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
طفل کوئی چھ مہینے کا نڈر ایسا تو ہو

حیات وارثی : حیدرؑ سا اک جری ہے تو قسمت کا اک دھنی
عباسؑ کا جواب نہ حُر کا جواب ہے

رحمان خاور : وہ اہلِ صبر تھے کیا کہیے کن گھروں کے چراغ
جلا گئے جو سرِ کربلا سروں کے چراغ

خلیق : عباسؑ نے فدا کیے یوں شہ پہ اپنے ہاتھ
جوں شمع پر پتنگ کرے بال و پر نثار

خمار بارہ بنکوی : اُف خیامِ آلِ پیغمبرؐ کے جلنے کا سماں
جس قدر پھیلا اُجالا تیرگی بڑھتی گئی

داغ دہلوی : سلام اس کو کیا جس نے نام چاروں طرف
اسی کے نام درود و سلام چاروں طرف

احسان دانش : مطمئن تفسیرِ قرآں سے بھی ہے دنیا مگر
اب ضرورت ہے کہ ہو تشریحِ کردارِ حسینؑ

دبیر لکھنوی : شمر نے چاہا کہ حضرت سے جدا عباسؑ ہوں
یہ نہ سمجھا چاند سے چھوٹے گی کیوں کر چاندنی
احمدِ مختار ہیں نورِ خدا کے آسماں
حیدرؑ و زہراؑ قمر شبیرؑ و شبرؑ چاندنی

نجم آفندی : ہاتھ رکتے ہی نہیں ہیں ماتمِ شبیرؑ سے
استفادہ کر رہا ہوں موت کی تاخیر سے

رشید لکھنوی : کہتی تھی ذوالفقار نہ تھی مجھ کو یہ خبر
شبیرؑ مجھ سے تربتِ اصغرؑ بنائیں گے

رشید ترابی : معلوم ہے پروانے حقیقت میں ہیں کتنے
وہ شمع بجھاتے ہیں کہ ہو جائے یقیں اور
اے قافلہ سالار ترابی پہ کرم کر
وہ ایک نہیں بیٹھے ہیں کچھ خاک نشیں اور

تجمل لکھنوی : ختم کیں عشقِ الٰہی کی حدیں سرورؑ نے
سجدہ تیغوں میں کیا دم تہِ خنجر توڑا

تجمل لکھنوی : جرأتِ شبیرؑ حیدرؑ کی شجاعت کا نچوڑ
کربلا ہے خندق و صفین و خیبر کا جواب

تعشق لکھنوی : سرکماں کا جھک گیا سوفار کا منہ کھل گیا
بوجھ ہے گردن پہ خونِ اصغرؑ بے شیر کا

مقصود جاوید : اصغرؑ ناداں نہیں تھے اصغرؑ دانا تھے وہ
کربلا تک آئے تھے سب کچھ سمجھ کر دیکھ کر
پیاس بھی چہرے پہ اور نورِ یقیں بھی ضوفشاں
دنگ ہیں کون و مکاں اصغرؑ کے تیور دیکھ کر

جرار اکبر آبادی : اے مورخ پہلے حلقِ اصغرؑ بے شیر دیکھ
پھر یہ لکھ اسلام پھیلایا گیا تلوار سے

حزیںؔ لدھیانوی : اے حسینؑ ابن علیؑ اے نازشِ اربابِ عشق
تیرے خوں سے ہے درخشاں گوہرِ نایاب عشق
عشق والے تجھ سے لیتے ہیں صداقت کا سبق
روح کو بھی تجھ سے ملتا ہے شجاعت کا سبق

حفیظؔ جالندھری : یہ کون حق پرست ہے مئے رضا سے مست ہے
کہ جس کے سامنے کوئی بلند ہے نہ پست ہے
ادھر ہزار گھات ہے مگر عجیب بات ہے
کہ ایک سے ہزار ہا کا حوصلہ شکست ہے
نبیؐ کا نورِ عین ہے یہ بالیقیں حسینؑ ہے

شان الحق حقیؔ : یہ سر جھکے گا نہ پیشِ باطل وہ اور ہیں سر جھکانے والے
سلام تجھ پر جہانِ باطل کو جراتِ حق دکھانے والے

اشرفؔ جائسی : جب اشک مری آنکھ سے نکلے ترے غم میں
رومال بتولؑ آ گیا اشکوں کی لڑی تک

اشفاق حسین : وہ لفظ ڈھونڈ کے آخر کہاں سے لائیں ہم
جو حسبِ حال ہو زینبؑ کی بے کسی کے لیے

اشفاق حسین : بیمار کے خیمے سے اُٹھتے ہوئے شعلوں میں
اک صبر کے کعبے کی تعمیر نظر آئی

افتخار عارف : وہی پیاس ہے وہی دشت ہے وہی گھرانہ ہے
مشکیزہ سے تیر کا رشتہ بہت پرانا ہے

پناہ علی افسردہ : عرش کے دو گوشوارے شبرؑ و شبیرؑ ہیں
مرتبہ یہ کون پاوے ان کے عزو جاہ کا

اقبال عظیم : وہ جبیں جو محوِ سجود تھی کبھی بوسہ گاہِ رسولؐ تھی
اسے شمعِ طاق حرم کہو اسے ماہتاب حرا کہو

حسین انجم : حُرسے جویائے صداقت بک نہیں سکتے کبھی
چاہے جتنے طشت ہوں دام و درم کے سامنے

انس لکھنوی : لحد برجِ خورشید بن جائے گی
بس اک ذرّہ خاکِ شفا چاہیے

باقی : موجوں کے تڑپنے کا سبب کچھ تو ہے باقی
میں سوچتا رہتا ہوں یہ اکثر لبِ دریا

تابش دہلوی : آج بھی انسانیت کی حق نمائی کے لیے
گام گام ابنِ علیؑ ہیں جادہ جادہ کربلا

حفیظ تائبؔ : یہ حوصلہ بھی ہے تائبؔ عنایتِ شبیرؑ
جو حرفِ حق میں سرِ بزمِ عام کہتا ہوں

گل بدن گل پیرہن گل رو گل افشاں گل بدوش
حفیظ تائبؔ : وہ بہارِ باغِ پیغمبرؐ حسینؑ ابنِ علیؑ

وحید لکھنوی : رُخِ حسینؑ عجب شان سے ہے زلفوں میں
کھلی ہوئی ہے خدا کی کتاب کعبے میں

وحید الحسن ہاشمی : بقائے دیں کی ضمانت ہے فاطمہؑ کا پسر
نہیں حسینؑ تو اسلام میں دھرا کیا ہے
یہ کربلا کے شہیدوں نے حل کیا ورنہ
کسے خبر تھی فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے

سید ہاشم رضا : نبیؐ کے خون کے جوہر دکھانے آئے ہیں
حسینؑ شمعِ رسالتؐ جلانے آئے ہیں

ہادی مچھلی شہری : تو نے زندہ کر دیا اسلام کو
تو نے اونچا کر دیا اس نام کو
تیرا ثانی کون دنیا میں ہوا
جام یوں کس نے شہادت کا پیا

ہلال نقوی : آب بقا کی لہر سے سیراب ہو گئے
پیاسا تو ابن ساقیٔ کوثر رہا نہیں
بازو علم کے واسطے کاٹے گئے مگر
کس دور میں حسینؑ کا پرچم اٹھا نہیں

یاور عباس : شبیرؑ کی یہ جنگ ہے العظمت اللہ
میدان نگاہوں میں ہے اللہ نظر میں

محمد فدا ناشاد : چھایا ہے کائنات پہ پھر غم حسینؑ کا
آیا ہے پھر پلٹ کے محرم حسینؑ کا
دینِ نبیؐ کو اپنے لہو سے دیا شباب
اسلام پر یہ قرض نہیں کم حسینؑ کا
عمر دراز مانگ کے روتا رہوں سدا
پھر بھی یہ غم نہ ہوگا کبھی کم حسینؑ کا
پرامن احتجاج ہے یہ ظلم کے خلاف
سینہ زنی حسینؑ پہ ماتم حسینؑ کا
ناشاد ہو گیا ہوں جو میں بے سبب نہیں
جاگیر میں ملا ہے مجھے غم حسینؑ کا

بشارت حسین ساقیؔ: کس بات کا ڈر ہے تجھے کس بات کا غم ہے
لہراتا ہوا گھر پہ جو غازی کا علم ہے

محسن نقوی : اے ربِ جہاں پنجتنؑ پاک کے خالق
اس قوم کا دامن غمِ شبیرؑ سے بھر دے
قسمت کو فقط خاکِ شفا بخش دے مولاؐ
میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے لعل و گہر دے

منظر بھوپالی : روشنی کو اصغرؑ کا نام دے دیا اس نے
انتہائے ظلمت کو حرملہ بنا ڈالا
اک ردائے زینبؑ کو چھین کر یزیدوں نے
جانے کتنی صدیوں کو بے ردا بنا ڈالا

ناصر کاظمی : ہمیں تو منزل آخر ہے آستانِ حسینؑ
یہ سر جھکے گا نہ اب اور آستاں کے لیے

نصیر ترابی : انھیں پہ ختم ہے حُسن ادا کا حُسن تمام
حسینؑ لے گئے مقتل میں جن حسینوں کو

نظیر باقری : نہ زندگی سے نہ انسان کو فنا سے ملا
وہ اک سکوں جو غمِ شاہِ کربلا سے ملا
بقائے دیں سے ملا کفر کی فنا سے ملا
وہ کارواں جو بہتّر کا کربلا سے ملا

عباسؔ رضا نیّر : یہ فصاحت یہ بلاغت یہ سلاست یہ نکات
اپنی وسعت پہ ہیں حیران علیؑ بولتے ہیں
وزن کرنے کے لیے نہج بلاغہ نیّر
لاؤ قرآن کی میزان علیؑ بولتے ہیں

واثقؔ جون پوری : حرمت کا بولا بالا کردیا
تو نے دنیا میں اُجالا کردیا
تیرا خوں تفسیرِ قرآنِ کریم
قتل تیرا معنیٔ ذبحِ عظیم

رضا علی وحشت کلکتوی: پھر بیانِ واقعات کربلا ہونے لگا
پھر اُٹھا وہ درد جو دل کی دوا ہونے لگا

رضی حیدر فریدؔ : اناالحق کہنے والو یوں فنا فی اللہ ہوتے ہیں
اُٹھا سجدے سے سرِ شبیرؑ کا تن سے جدا ہو کر

قاسم نقوی : اصغرؑ پہ ہے مباہلۂ کربلا کو ناز
جھولے تک آ گیا ہے شہادت کا راستہ

قمر لکھنوی : لکھ کر کتابِ کرب و بلا اپنے خون سے
رنگین داستانِ وفا کر رہا ہے کون

قتیل لکھنوی : شہِ دیں کی نصرت مبارک ہو اصغرؑ
بڑا دل کیا میرے چھوٹے سپاہی
قتیلؔ سخن ور شہیدوں کا خوں ہے
غم شہؑ میں تیرے قلم کی سیاہی

قمر سہارن پوری : ہر عمل شبیرؑ کا تفسیرِ قرآں بن گیا
ہر عمل مربوط تھا آیاتِ قرآنی کے ساتھ

کرامت غوری : جس نے آدمؑ کو شرف انسانِ کامل کا دیا
وہ عروجِ آدمی کی منتہا ہے کربلا
کیا کرامتؔ ہے کہ دنیا آج تک بھولی نہیں
وہ جو معراجِ بشر کی انتہا ہے کربلا

کرشن گوپال مغموم: سلام اُس حسینؑ پر درود اس کے نام پر
کلام جس کا پیار تھا پیام جس کا پیار تھا
کرشنؔ کیا مبادلہ اگر حسینؑ کو کہوں
زمیں کا اعتبار تھا فلک کا افتخار تھا

کیفی اعظمی : سر پہ تیغِ خونچکاں سجدے میں خم فرقِ نیاز
ہم ہیں کیفیؔ کیا نہ بھولے گا خدا بھی یہ نماز
وہ نمازی وہ مجاہد جس نے ہنگامِ ستیز
روک لی تھی سجدۂ خالق کی خاطر تیغِ تیز

گلنار آفریں : جب زباں پر مری گلنار نہ ہو نامِ حسینؑ
ایسا دن زیست میں میری کبھی آتا ہی نہیں

غلام حسن حسنی : سجدے کو طول کیوں نہ دے نانا نماز میں
جب پشت پر وقارِ عبادت سوار ہے

عاصی کرنالی : عدو خنجر بکف لیکن جبینِ عشق سجدے میں
حسینؑ ابن علیؑ سجدے کو سجدا کر دیا تو نے
یزیدیت کا کوئی نام لیوا تک نہیں باقی
حسینیتؑ کا ایسا بول بالا کر دیا تو نے

عثمان علی خان : بوترابیؑ ہوں فشارِ قبر کا ہو کیا ہراس
خاک دے سکتی نہیں ایذائے جسمانی مجھے
شبرؑ و شبیرؑ کی مدحت کا عثماں ہے یہ فیض
مل گیا ہے رتبۂ سعدیؔ و خاقانی مجھے

عبدالحمید عدمؔ : فاطمہؑ کا سخی منش بیٹا
آدمیت کا قرض اُتارا ہے

رفعت زمانی : زیرِ خنجر ذوقِ سجدہ جذبِ ایمانی کے ساتھ
جھک گئی محرابِ کعبہ شہؑ کی پیشانی کے ساتھ

عزت لکھنوی : کیا شوقِ تلاوت ہے کیا ذوقِ عبادت ہے
قرأت سرِ نیزہ بھی سجدہ تہِ خنجر بھی
حسینؑ ناشرِ حق لا الہ الا اللہ
رسول زادہ پھر آخر رسولؐ زادہ ہے
گلے پہ لیتے ہیں ناوک کو اصغرِؑ معصوم
ذرا سی عمر میں کیا عزم کیا ارادہ ہے

عقیل عباس جعفری: نظر آتی نہیں لیکن رگ و پے میں اترتی ہے
عجب تلوار ہے جو اصغرِ بے شیر رکھتے ہیں

غالبؔ : علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ
کرے جو ان سے برائی بھلا کہیں اس کو
نبیؐ کا ہو نہ جسے اعتقاد کافر ہے
رکھے امامؑ سے جو بغض کیا کہیں اس کو

احمد فرازؔ : حسینؑ تجھ پہ کہیں کیا سلام ہم جیسے
کہ تو عظیم ہے بے ننگ و نام ہم جیسے

مرزا شوقؔ لکھنوی : دستِ شبیرؑ سے جیسا سرِ بیعت پہ ہوا
ایسا کونین میں اب وار نہیں ہو سکتا

شوکت تھانوی : جانشیں شمرِ لعیں کے ہیں بہت سے آج بھی
جانشینِؑ شاہ کی ہم کو ضرورت اور ہے

شہاب کاظمی : وہ مدینہ ہو کہ مشہد کربلا ہو کہ نجف
ایک ہی جلوہ ہے سارے آئینہ خانوں کے بیچ
روشنی فانوس میں ہوتی ہے جیسے جلوہ گر
یوں غمِ شبیرؑ ہے دل کے نہاں خانوں کے بیچ

ضیغم بارہ بنکوی : عشقِ حق کی نماز ہیں سرورؑ
اور اس کی اذان ہیں زینبؑ
سر کو اسلام کے رِدا دے دی
کس قدر مہربان ہیں زینبؑ

طاہر سحری : نورِ وحدت کی تجلی ہیں محمدؐ بے شک
اور اس نورِ محمدؐ کا خلاصہ ہیں حسینؑ

طاہر جرولی : ہر ایک پہ احسانِ حسینؑ ابن علیؑ ہے
بچ سکتا ہے کس طرح کوئی ابرِ کرم سے

ظفر علی خان ظفر : یزیدی بھی زیادی یاد بھی آتے نہیں ہم کو
مگر اب تک حسینؑ ابن علیؑ کا نام باقی ہے

گنیش بہاری طرزؔ : تمہارا حُسن ہے پھولوں میں اور باغوں میں
تمہارے غم کی ضیا ہے دلوں کے داغوں میں
تمہارا نور ہے اسلام کے چراغوں میں
حسینؑ تم ہی دلوں میں ہو اور دماغوں میں
حسینؑ تم کو مشیت سلام کہتی ہے

شادؔ عظیم آبادی : بقا میں تھا فنا کا مرتبہ حاصل شہیدوں کو
وہاں اس پر عمل تھا موت سے پہلے ہی مرجانا
یہاں کا زندہ رہنا موت سے بدتر سمجھتا ہوں
حیاتِ جاوداں ہے کربلا میں جا کے مرجانا

شاذؔ تمکنت : آلِ عباؑ نیزے پہ ہے سورج سوا نیزے پہ ہے
شق ہو گئے سات آسماں اے کربلا اے کربلا

شاہد اکبر پوری : مقصدِ شبیرؑ جو دیتا ہے وہ پیغام لو
بن کے حُر دستِ عمل سے شہؑ کا دامن تھام لو
معنی و تفسیرِ کعبہ ہے کتاب کربلا
بعدِ احمدؐ کربلا کی خاک سے اسلام لو

آل رضا لکھنوی : لے گئے جتنی بلندی پہ شہادت کو حسینؑ
وہی معراجِ شہادت بخدا آج بھی ہے

شاہد صدیقی : خود آگہی منزل حضوری مقامِ غفلت مقامِ دوری
شعور بیدار ہو رہا ہے حسینؑ نزدیک آ رہے ہیں
علیؑ کو آواز دے کے اٹھے اگر نہیں ہے کوئی سہارا
حسینؑ کا نام لے کے بڑھئے اگر قدم لڑکھڑا رہے ہیں

شبنم رومانی : دیکھتا ہوں جو کسی رحل پہ قرآنِ کریم
چوم لیتا ہوں تصور میں علمدارؑ کے ہاتھ
ہائے وہ جذبِ وفا اُف وہ جنونِ ایثار
خود علم ہو گئے میداں میں علمدارؑ کے ہاتھ

معظم جاہ شجیعؔ : نبیؐ کا حسن ہے شانِ علیؑ ہے اکبرؑ میں
بس اب سمجھ لو کہ ان کا شباب کیا ہوگا
ملی ہے مجھ کو شجاعت علیؑ کے صدقے میں
شجیعؔ اور جہاں میں خطاب کیا ہوگا

شکیل بدایونی : جہاں پر جتنے اسرار شہادت کھلتے جاتے ہیں
شریعت اور محکم اور محکم ہوتی جاتی ہے
شکیل اسلام کے دشمن مٹے اور مٹتے جاتے ہیں
یہ قربانی مسلم تھی مسلم ہوتی جاتی ہے

آل رضا لکھنوی : سلام اس پہ جو زحمت کشِ سلاسل ہے
مصیبتوں میں امامت کی پہلی منزل ہے

سلام محسنِ اسلام خستہ تن لاشو
سلام تم پہ شہیدوں کے بے کفن لاشو

کالی داس گپتا : شبیرؑ شہید ظلم ہوئے یہ قصۂ درد و غم ہے رضا
عزت یہ پاک نگاہوں کی عبرت ہے بانیٔ شر کے لیے

اختر آصف زیدی : زنجیر کی آواز ابھی تک ہے فضا میں
صدیوں کی مسافت ہے عزاداریٔ شبیرؑ

سالک نقوی : حسینؑ لاتے ہیں لاشہ پہ لاشہ اور حرم
اک انقلاب پسِ انقلاب دیکھتے ہیں

سید سبط جعفر : جب خدا کو پکارا علیؑ آگئے
جب علیؑ آگئے زندگی آگئی
زندگی بندگی روشنی آگئی
روشنی آگئی آگہی آگئی

جوش ملیح آبادی : کیا نمازِ شاہ تھی ارکانِ ایمانی کے ساتھ
دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کے ساتھ
اہلِ بیتؑ پاک کی ہر سانس کو اے مدعی
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

سیماب اکبرآبادی: اے نہرِ فرات اے نہرِ فرات افسوس کر اپنی قسمت پر
کوثر کا ساقی آج ترے ساحل سے پیاسا جاتا ہے

تسنیم جوہرؔ : کُل کائنات ایک طرف اک طرف حسینؑ
میزانِ امتیاز میں برتر حسینؑ ہیں

علی محمد رضوی سچےؔ : جب کربلا یاد آئے گی
انسانیت شرمائے گی
مظلوم کی آواز ہے
دل میں اترتی جائے گی
پلٹیں گے پھر بہکے قدم
زندہ ہے ہل من کی صدا
مٹتا نہیں خوں کا لکھا
شبیرؑ کا حق کی قسم
اک معجزہ ہے کربلا
یہ سلسلہ ہوگا نہ کم
اونچا رہے اپنا علم

احسان شاہ : ہمارا ہے نہ تمہارا حسینؑ سب کا ہے
یہ زعم کم ہے کہ پیارا حسینؑ سب کا ہے
جنّت کے شبستاں پہ حضرت ناصح
نہیں کسی کا اجارہ حسینؑ سب کا ہے

عباسؔ جرات : جب بھی کاغذ پر قلم سے کربلا لکھتا ہوں میں
اے شہنشاہِ وفا تیری وفا لکھتا ہوں میں

حامد اسدؔ : وہ عہدِ ستم عہدِ جفا یاد رہے گا
امت نے دیا ہے جو صلا یاد رہے گا
شبیرؑ ترے آخری سجدے کا کرم ہے
تا عمر خدائی کو خدا یاد رہے گا

رضا بیگ گھایل : بتا اسلام سے ایسی محبت کون کرتا ہے
چڑھا کے سر کو نیزے پر تلاوت کون کرتا ہے
مرا رب بانٹتا ہوگا درِ شبیرؑ سے کچھ تو
وگرنہ یوں ہی روضے کی زیارت کون کرتا ہے

عارفؔ سحاب : جھلستی ریت پر وہ حق کا سجدہ کر دیا تو نے
زمینِ کربلا کے قد کو اونچا کر دیا تو نے
ترے ہونٹوں کو چھونے کی اُسے خواہش رہی مولاؑ
بروزِ حشر تک پانی کو پیاسا کر دیا تو نے

عاشق حسین عاشقؔ : اسی لیے تو ہر اک دل پہ راج کرتا ہے
غمِ حسینؑ دکھوں کا علاج کرتا ہے

حسینؑ آج بھی تنہا ہے دشتِ کربل میں
یزیدیوں کی حمایت سماج کرتا ہے

بشارت حسین ساقی :
ہم سے مقابلے کا نہ سوچو یزیدیو
ہم سر بلند ہیں کہ ہمارا حسینؑ ہے
کس کے طفیل زندہ ہے حق کائنات میں
ساقی دلِ بشر نے پکارا حسینؑ ہے

شکیل ہاشمی :
وہ بحرِ ہند کہ بحرِ عرب حسینؑ کا ہے
زمانے بھر میں ہر اک دریا اب حسینؑ کا ہے
یزید جیسے بھی رکھتے نہیں یزید کا نام
یہ معجزہ بھی جہاں میں عجب حسینؑ کا ہے

رسول تمنا :
بلند اللہ اکبر کی صدا ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ کا معجزہ ہے
نظر آتا ہے تو ہر سمت یارب
مرا دل خانۂ آلِ عباؑ ہے

صبیحہ کمال :
نورِ حق کا علم و عرفاں کا سفر ہے کربلا
فکرِ انسانی کی روشن تر سحر ہے کربلا
کربلا کے ذکر سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں
دہر کی اندھیر راتوں میں سحر ہے کربلا

مجلسِ شامِ غریباں میں صبیحہؔ نے کہا
گریۂ زہراؑ و حیدرؑ کا اثر ہے کربلا

ذیشانؔ مہدی : آج کتنے لوگ ہم آواز ہیں شبیرؑ کے
چل پڑی کربل کی جب تحریک کتنے لوگ تھے
ایک جانب حُر کھڑا تھا دوسری جانب حسینؑ
معجزہ ایسا ہوا دونوں کنارے مل گئے

جمشیدؔ دکھی : ہر یزیدِ وقت کو اک خوف دامن گیر ہے
یہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے نام کی تاثیر ہے
سر کٹانے کے لیے شبیرؑ سا کوئی نہیں
آج پھر شمرِ لعیں کے ہاتھ میں شمشیر ہے

عبدالحق تاجؔ
یزید و شمر کی میں نے طرف داری نہیں کرنی
کہ میں نے سبطِ پیغمبرؐ سے غداری نہیں کرنی
حسینؑ ابنِ علیؑ سے دوستو جو جنگ کرتا ہے
مجھے ایسے کسی لشکر کی سالاری نہیں کرنی

پروفیسر حشمتؔ : مفلسوں کی بگڑی تقدیریں بناتے ہیں حسینؑ
اپنے خوں سے دین کا چہرا سجاتے ہیں حسینؑ
کربلا عنوان آزادی ہے اعلانِ نجات
کربلا چلیئے غلاموں کو بلاتے ہیں حسینؑ

سید اسدؔ زیدی : اب تک فضا میں گونج رہی ہے تری صدا
چلتے ہیں قافلے تری بانگِ درا کے ساتھ
مانا کہ میرے ساتھ جواہر نہیں مگر
آیا ہوں تیری بزم میں اشکِ وفا کے ساتھ

مظفر حسین انجم : کتنی بے مثل ہے دنیا میں شہادت تیری
بھرا گھر بار لٹانے کی سخاوت تیری
تیری بے دست علمداری کے صدقے عباسؑ
دستِ مظلوم کا پرچم ہے عنایت تیری

ندیم نقویؔ : یہ مہلتِ اک شب کا نتیجہ ہے وگرنہ
حُر جیسے ندیمِ شہِؑ ابرار نہ ہوتے

امجدؔ اسلام امجد : ہے ان کی شان شہادت میں ایسا رنگ دوام
ہر آنے والے زمانے کی روشنی ہیں امامؑ
جہاں جہاں پہ گرا تھا حسینیوںؑ کا لہو
وہاں وہاں سے صدا آتی ہے سلام سلام

دبیرؔ
یا خدا تجھ پہ میں صدقے، مرا لشکر بھی نثار
دل فدا، جان فدا، رُوح فدا، سر بھی نثار
علی اکبرؑ بھی نثار اور علی اصغرؑ بھی نثار
تجھ پہ باقرؑ بھی نثار، عابدِؑ مضطر بھی نثار

میں نے جو کچھ ترے دربار سے پایا مولاؑ
سب تری راہ میں خوش ہو کے لٹایا مولاؑ
وہ کلیجے پہ دھرے ہاتھ پڑا ہے اکبرؑ
ہے وہ عباسؑ دلاور، وہ حسنؑ کا دلبر
ایک اِک پیارے کو قربان گِن گِن کر کیا
کی امانت میں خیانت نہ ذرا اے داور
تُو نے دولت جو تھی مجھ خاک نشیں کو سونپی
وہ امانت ترے بندے نے زمیں کو سونپی
تو شہنشاہ، شہنشاہوں کا ہے بارِ خدا
ہیں برابر تری درگاہ میں سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشقِ جاں باز ہے البتہ ہوا
اے خوشا حال کہ مجھ سے ہو ترا عشق ادا
حلق پر تیغ رہے، سینے پہ جلّاد رہے
لب پہ ہو نام ترا، دل میں تری یاد رہے

عابد جعفری :

محسن انسانیت ہے فاطمہؑ زہرا کا لال
مرکزِ رشد و ہدایت پیکرِ حسن و جمال
کر کے خاکِ کربلا کو خون سے اپنے نہال
اس زمیں کا کر دیا خلدِ بریں سے اتصال
لا کے اپنا سارا گھر کرب و بلا کے سامنے
لاج رکھ لی نوعِ انساں کی خدا کے سامنے

دبیرؔ (صنعت ردالعجز): دوسرے مصرع کے آخری رکن کو عجز کہتے ہیں، عجز کے لفظ یا الفاظ کو پہلے مصرع میں لانا۔ تجنیس کی طرح مرزا صاحب نے اس صنعت کو بکثرت استعمال کیا ہے۔ اس کی ایک بہت عمدہ مثال یہ بند ہے۔

مرحب ہے تو ہم مرحب و عنتر کے کشندے
عنتر کے کشندے ہیں کہ اژدر کے درندے
اژدر کے درندے، درِ خیبر کے کنندے
خیبر کے کنندے صفِ لشکر کے برندے
لشکر کے برندے ہیں کہ شمشیرِ خدا ہیں
شمشیرِ خدا ہیں سپرِ آلِ عباؑ ہیں

زہراؑ کا گہر، اخترِ صد برجِ شرف ہے
یہ اخترِ صد برجِ شرف، درِ نجف ہے
یہ درِ نجف، حیدرِ صفدرؑ کا خلف ہے
یہ حیدرِ صفدر کا خلف، حق کی طرف ہے
یہ حق کی طرف، مثلِ رخِ قبلہ نما ہے
یہ قبلہ نما، کعبۂ تسلیم و رضا ہے

یہ کعبۂ تسلیم و رضا، فخرِ پدر ہے
یہ فخرِ پدر، فاطمہؑ کا نورِ نظر ہے
یہ فاطمہؑ کا نورِ نظر، رشکِ قمر ہے
یہ رشکِ قمر، دُرجِ امامت کا گہر ہے

یہ درجِ امامت کا گہر، جانِ نبی ہے
یہ جانِ نبی، خاصِ خدائے احدی ہے

ترصیع
تمام یا اکثر الفاظ دو فقروں یا دو مصرعوں میں مقابل اور متحد الوزن اور متحد القوافی ہوں:

میزانِ خدا، مفتیٔ دیں، قاضیٔ فردا
سلطانِ ازل، شاہِ ابد، عروۂ وثقا
خورشیدِ نجف، بدرِ حرم، رونقِ بطحا
اقبالِ عرب، اوجِ حرم، خسروِ دنیا

بیعت کو سند ہاتھ سے، قرآں کو قلم سے
خطبے کو شرف نام سے، منبر کو قدم سے

سید سبط نبی عابدی منصفؔ:

پڑا ہے بے کفن مظلوم کا لاشا کئی دن سے
اُڑا دے گرد کی چادر صبا کہہ دے بیاباں کو
زمینِ کربلا ہم سے کوئی پوچھے ترا رتبہ
زمینِ قبر کے بدلے نہ لیں ملکِ سلیماںؑ کو
حسینی بارگہ کی شمع کا پروانہ ہے منصفؔ
قیامت تک نہ دیکھوں آنکھ اُٹھا کر باغِ رضواں کو

دبیرؔ : جب خوں میں بھری فوج کے انبوہ سے نکلی
غل یہ تھا کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی

دبیرؔ : مجنوں کی برقِ آہ تھی بن میں چمک گئی
فرہاد کا وہ تیشہ نہیں کوہ تک گئی
شیریں کی تھی کلائی کھنچی اور مڑک گئی
لیلیٰ کی تھی کمر کہ چلی اور لچک گئی

دبیرؔ : جانے میں شبِ وصل کی ساعت نظر آئی
آنے میں یہ عاشق کی طبیعت نظر آئی
حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
کج باز سر انداز ترش رو و غضبناک

دبیرؔ : کاٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو
پاؤں میں کجروی کو سروں میں غرور کو
نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو
سینے میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو

دبیرؔ : شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی
جاں ڈر سے تنِ زشت عمل سے نکل آئی

گر گر کی طرح فوج دغل سے نکل آئی
دریا میں جو تیری تو جبل سے نکلی آئی
ہلتی تھی زمیں، گاؤ زمیں کانپ رہی تھی
ساتھ اس کے جو پھرتی تھی اجل ہانپ رہی تھی

دبیرؔ : آنکھوں میں کوندتی تھی یہ پیشِ نظر نہ تھی
صف کون سی تھی ان میں جو زیر و زبر نہ تھی
یاں تھی وہاں نہ تھی جو اِدھر تھی اُدھر نہ تھی
پر یہ نہ کچھ کھلا کہ کدھر تھی کدھر نہ تھی

دبیرؔ (صنعت ردالعجز علی الصدر)

خنجر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ سپر پر
ٹھہری نہ سپر پر تو وہ سیدھی گئی سر پر
سیدھی گئی سر پر تو وہ تھی قلب و جگر پر
تھی قلب و جگر پر تو وہ تھی صدر و کمر پر
تھی صدر و کمر پر تو وہ تھی دامنِ زین پر
تھی دامنِ زین پر نہ گھوڑا تھا زمیں پر

اک آن میں اس شیر کا ترکش ہوا خالی
ترکش ہوا خالی تو وہیں تیغ نکالی
جب تیغ نکالی تو بنا جنگ کی ڈالی
ڈالی جدھر اک تیغ اجل ہوگئی حالی

حالی ہوا اعدا کو کہ اب سر نہ بچے گا
اب سر نہ بچے گا تو یہ لشکر نہ بچے گا

دبیرؔ : جب اٹھ کے گری تیغ صفِ دشمن دیں پر
سر کٹ کے ہوا ہو گئے آئے نہ زمیں پر

دبیرؔ : تیغِ نگہ کی طرح جدھر یہ پلٹ گئی
گردن سرآگے پھینک کے پیچھے کو ہٹ گئی

دبیرؔ : اس صف پہ گری تیغ تو ہٹ کر اُسے مارا
سیدھی گری اُس پر تو الٹ کر اُسے مارا
ہٹ کر اُسے مارا تو پلٹ کر اُسے مارا
بڑھ کر اُسے مارا کبھی گھٹ کر اُسے مارا
اللہ کیا صفائی ذرا خوں نہ بھرا تھا
یہ کاٹ کے نکلی بھی تو سرتن پہ دھرا تھا

دبیرؔ : شاخِ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا
پیروں کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی، اجل جدا
خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جاں نہیں
لو تیغ برق دم کا قدم درمیاں نہیں

دبیرؔ : ڈوبی سپر میں گر کے نئی چال ڈھال سے
پا کھر کے بیچ میں یہ گری سیدھی چال سے
اٹھ کر زرہ میں آئی شکوہ و جلال سے
اک جال میں تڑپ کے گئی ایک جال سے
گزری جو چار آئینے سے منہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشے کو توڑ کے

دبیرؔ : بجلی گرائی آگ لگائی رواں ہوئی
گری دکھائی خوں میں نہائی رواں ہوئی
سوئے صف آئی کر کے صفائی رواں ہوئی
تن میں سمائی دل میں در آئی رواں ہوئی
یاں تڑپی واں گری اِدھر آئی اُدھر گئی
اس چال میں یہ موت کو بھی مات کر گئی

دبیرؔ : گر چار ہوا تیغ دو سر سے کوئی سردار
اس پنجتنی نے مع ہمزاد کیا چار
یہ کاٹ تو ہے تیغ دو پیکر کے لیے عار
لشکر کے جوانوں کو مسن کر دیا اک بار
دو حصے سن و سال کیے اہلِ ہوس کے
جو تیس برس کے تھے ہوئے ساٹھ برس کے

دبیرؔ : بو کی طرح دماغوں میں آئی چلی گئی
مثلِ ہوا سروں میں سمائی چلی گئی
مانندِ شعلہ باگ اٹھائی چلی گئی
آندھی کی طرح آگ لگائی چلی گئی
سینے میں صاف آتی تھی اور صاف جاتی تھی
انداز دم کی آمد و شد کا دکھاتی تھی

انیسؔ : پھول اڑ گئے پھل اُس کا جو پہونچا سپر کے پاس
نکلی ادھر سپر سے کہ آ پہونچی سر کے پاس
سر سے اتر گئی دلِ بیداد گر کے پاس
دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس
کھولا کمر کا بند تو در آئی زین میں
زیں سے گئی فرس میں فرس سے زمین میں

چم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
آتش کسی جگہ کہیں بجلی کہیں سحاب
سیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اُس کی تاب
تیزی زباں میں وہ کہ فرشتہ کو دے جواب
جوہر سے اُس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا

کاٹھی سے اِس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جُدا
جیسے کنارِ شوق سے ہو خوبرو جُدا
مہتاب سے شعاع جُدا گُل سے بُو جُدا
سینے سے دم جُدا رگِ جان سے لہو جُدا
گرجا جو رعد اَبر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

گرمی میں برقِ تیغ جو چمکی شرر اُڑے
جھونکا چلا ہوا کا جو سن سے تو سر اُڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اُڑے
روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پَر اُڑے
ظاہر نشانِ اسمِ عظیمت اثر ہوئے
جن پر علیؑ لکھا تھا وہی پُر سپر ہوئے

انیسؔ : آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی
دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی

انیسؔ : پیاسی بھی خونِ فوج کی اور آبدار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ پہ پانی بھی نار بھی
پانی نے اس کے آگ لگا دی زمانے میں
اک آفتِ جہاں تھی لگانے بجھانے میں

(سراپا)

انیسؔ : آنکھوں کو کہئے عین تو عینِ خطا ہے یہ
پردے نہ کیوں ہوں سات کہ نورِ خدا ہے یہ
سب کو ہے چشم داشت کہ عینِ عطا ہے یہ
بیمار خود پہ سب کے مرض کی دوا ہے یہ
سرخوش بھی جام اس کی محبت کا پی گیا
دیکھا نگاہِ لطف سے جس کو وہ جی گیا

انیسؔ : احسان بھی حیا بھی مروّت بھی قہر بھی
لو موت بھی حیات بھی امرت بھی زہر بھی
بینا بھی نکتہ سنج بھی دانائے دہر بھی
تسنیم بھی بہشت بھی کوثر بھی نہر بھی
سر شرم سے جھکاتی ہے نرگس ریاض میں
جنّت سواد میں یدِ بیضا بیاض میں

انیسؔ : درجِ دہن پہ لعل و عقیقِ یمن نثار
غنچے نثار پھول تصدق چمن نثار
حسنِ بیان پہ طوطیٔ شکرِ شکن نثار
شورِ نمک پہ شاعرِ شیریں سخن نثار
فقروں میں لطف باتوں میں لذّت بھری ہوئی
قرآن کی طرح سے فصاحت بھری ہوئی

انیسؔ : ہے آسمانِ عزو شرف یہ فلک جناب
ابرو ہیں دو ہلال تو پیشانی آفتاب
منظور شمسی و قمری کا ہے گر حساب
ہاں دیکھ لیں رُخ خلفِ ابنِ بوترابؑ
باریک بیں سمجھ گئے مطلب انیسؔ کا
اُنتیس کا یہ چاند ہے وہ چاند تیس کا

دبیرؔ : تاروں کا یہ دعویٰ کہ یہ رخ بدردجی ہے
پر بدر ہے منکر یہ کہاں مجھ میں ضیا ہے
ذروں کا اشارہ ہے کہ یہ شمسِ ضحیٰ ہے
خورشید لرزتا ہے کہ یہ نورِ خدا ہے
پروانہ و بلبل میں جدا بحث کا غل ہے
وہ کہتا ہے یہ شمع ہے یہ کہتی ہے گل ہے

دبیرؔ : چشمہ ہے نور کا رخِ سلطان ارجمند
رتبے میں لاکھ کوثر و تسنیم سے دو چند
بینی سے عین چہرے پہ کی ہے جگہ پسند
بینی ہے یا کہ چشمے سے اک موج ہے بلند
روشن ضمیر چشمِ امامِ غریب ہے
بینی کو پیش بینیٔ عینک نصیب ہے
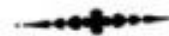
دبیرؔ : ہے لام و دال سے لب و دنداں کے آشکار
دنیا میں لعل و دُر کا ہوا ہم سے اعتبار
لب ہیں، کہ لب بلب دو مہ نو ہیں بار بار
دندان یا صفیں ہیں ستاروں کی ہم کنار
انجم بھرے ہیں برج دہانِ حباب میں
یوسفؑ نے یہ ستارے نہ دیکھے تھے خواب میں

دبیرؔ : بازار قدر آب بقا ہے ذقن سے سرد
پانی کے آگے جیسے تیمّم کا حکم گرد
رنگِ خضر ہے خضر، خط پشت لب سے زرد
یہ خضر گوشہ گیر ہے وہ خضر کوچہ گرد
ناگفتہ بہ لبوں کی ثنائے شنیدہ ہے
اک بات میں مسیح کا پردہ دریدہ ہے

(عزاداری)

انیسؔ : دربار معلّٰی ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض حسینؑ ابن علیؑ کا

انیسؔ : جلسہ نہیں مظلوم کی یہ بزم عزا ہے
یاں رونے کی لذّت ہے رلانے کا مزا ہے

انیسؔ : سب خورد و کلاں عاشقِ شاہ مدنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

انیسؔ : یہ بزم عزائے پسرِ زہراؑ ہے
بیٹھو بہ ادب یاں گزرِ زہراؑ ہے
چادر سے ہر اک کے اشک کرتی ہیں پاک
ہر چشم کے اوپر نظرِ زہراؑ ہے

دبیرؔ : جو سورۂ اخلاص کے پڑھنے میں اثر ہے
وہ مرثیۂ ذکرِ شۂ جن و بشر ہے

دبیرؔ (رباعی) : مجلس میں حضورؐ آیئے بسم اللہ
تشریف تشریف لائے بسم اللہ
کل حشر میں بھی کہوں گا انشاء اللہ
درِ خلد کا وا ہے جایئے بسم اللہ

مہدی نظمی : اسلام کے پیام کی تجدید بن گیا
ماتم فروغ مسلک توحید بن گیا

بولی سکینہؑ قول نبیؐ کیا نہیں سُنا
قرآن و اہلبیتؑ نہ ہوں گے کبھی جُدا

قرآنِ حق کا رِحل ہمارے ہی ہاتھ ہیں
قرآں ہمارے ساتھ ہے ہم اس کے ساتھ ہیں

نازل ہوا ہے گھر پہ ہمارے کلامِ حق
پہنچایا ہم نے خلقِ خدا کو پیامِ حق

ہم نے کیا بلند زمانے میں نامِ حق
حقّا ہیں ہم ادا میں امینِ تمامِ حق

بچے بھی اس گھرانے کے فخرِ کلیم ہیں
دانندۂ علومِ خدا کے علیم ہیں

امام زین العابدینؑ

انیسؔ : عابدؑ نے کہا، گو ہیں گرفتارِ مصیبت
بھر جائے زمیں خوں سے، جو دکھلائیں شجاعت
اِن کانپتے ہاتھوں میں ہے جو زورِ امامت
کیا جانئے کیا ہے جو دِکھاتے نہیں طاقت
نے ضعف کا باعث نہ نقاہت کا سبب ہے
واللہ فقط بخششِ اُمّت کا سبب ہے
برہم ہوں تو عالم کی بِنا ہو ابھی نابود
اعجاز ہے موسیٰؑ کا عصا میں مرے موجود
گلزار ہو سائے سے مرے آتشِ نمرود
آہن کو ابھی موم کروں صورتِ داودؑ
ہے زور مرے قبضے میں حیدرؑ کے برابر
دو انگلیاں ہیں تیغِ دو پیکر کے برابر
باباؑ کو جو روؤں تو اُٹھے نوحؑ کا طوفاں
عیسیٰؑ کی طرح مُردۂ صد سالہ کو دوں جاں
ہے زیرِ نگیں، خاتمِ انگشتِ سلیماں
جنّات و ملائک ہیں مرے تابعِ فرماں
پُر طوق پنہا دو! کہ جُھکائے ہوئے سر ہوں
میں سیدِ مظلوم کا مظلوم پسر ہوں
دادا کے مرے زور سے ماہر ہے خدائی
کی بت شکنی، کفر کی بنیاد مٹائی

بات ان کے رہی خیبر و خندق کی لڑائی
اِس زور پہ پھرتی سے گردن بھی بندھائی
ہے فخر کی جا، گر مری گردن میں رسن ہو
پوتے میں بھی لازم ہے کہ دادا کا چلن ہو

انیسؔ : سب جانتے ہیں صابری و جرأتِ حیدرؑ
اِک روز وہ تھا، فتح کیا قلعۂ خیبر
اِک روز یہ مظلوم ہوئے بعدِ پیمبرؐ
کچھ بولے نہ جو دادی کے پہلو پہ گرا دَر
دی آتشِ کیں خیمے کو حیدرؑ کے پسر کے
مجھ پر بھی وہی ظلم ہوا بعدِ پدر کے

انیسؔ : آگے مرے زیور مری مادر کا اُتارا
زینبؑ کی ردا چھن گئی، گھر لُٹ گیا سارا
بے جُرم طمانچہ مری ہمشیر کو مارا
یہ سب کیا اُمّت کے لیے میں نے گوارا
خوش ہو کے اسیری کے بھی دُکھ درد سہیں گے
ہم وہ ہیں کہ ہر دور میں صابر ہی رہیں گے

انیسؔ : عُریانی سے ہم لوگوں کی عزّت نہیں جاتی
پوشش نہ ہو تو کعبے کی تو حُرمت نہیں جاتی

انیسؔ : چادر نہیں سر پر تو ضرر کیا ہے ہمارا
پردہ رہے اُمّت کا یہ پردہ ہے ہمارا

انیسؔ : دستور ہے بیمار کے ہیں پاؤں دباتے
یا بیڑیاں بھاری اُسے لا کر ہیں پنہاتے
ماتم کی خبر کو ہیں مریضوں سے چھپاتے
یاں باپ کا سر کاٹ کے اس کو ہیں دکھاتے
یہ دکھ نہ کسی صاحب آزاد نے دیکھے
ہاں بعد پدر عابدؑ بیمار نے دیکھے

(زیارت کی آرزو)

دبیرؔ : شبیرؑ کے در پہ جان قربان کروں
اک جان ہے کیا جہان قربان کروں
مرتا ہوں زمینِ کربلا پر میں دبیرؔ
ہر ذرّے پہ آسمان قربان کروں

صفیؔ : جو محب جاتے ہیں حضرتؑ کی زیارت کے لیے
پیشوائی کو علمدارِ حسینؑ آتے ہیں
کربلا جاؤ رہِ خلد کے جویا ہو اگر
اسی رستہ سے تو جنت کا پتہ پاتے ہیں

عشقؔ : باغِ فردوس کا ارادہ ہے
عشقؔ ہم کربلا کو جاتے ہیں

فصیحؔ : کربلا میں تو فصیحؔ آیا خوشا حال ترا
اب تو شبیرؑ کا مجرائی ہے زوارؑ بھی ہے

انیسؔ : گھبرا رہی ہے ہند میں اب روح اے انیسؔ
چل کر بہارِ روضۂ شبیرؑ دیکھیے

انیسؔ : یارب ہو بیچ میں لحدِ ذاکرِ حسینؑ
ہو اس طرف نجف تو ادھر کربلا رہے

دبیرؔ : جلد وہ دن ہو دبیرؔ آکے کہیں اہلِ نجف
ہند سے آکے کہاں ذاکرِ مولاؑ اترا

دلگیرؔ : اگلے برس امید ہے روضے پہ علیؑ کے
دلگیرؔ ہو اے خالقِ اکبر رمضاں میں

صفیؔ : نہیں کوئی ہوس دل میں صفیؔ کے
فقط سر میں ہوائے کربلا ہے

تاثیرؔ : خدا کرے کہ یہ تاثیرؔ ہووے رونے کی
بلالیں پاس شہِ بحر و بر محرم میں

دبیرؔ : جورِ چرخِ دوں سے نالاں ہے اگر تو اے دبیرؔ
عرض کر جاکر شہِؑ عرش آستاں کے سامنے

فصیحؔ : فصیحؔ اگلے برس ہم تھے پیمبرؐ کے مدینے میں
کبھی روضے میں زائر تھے کبھی بیت الحزن میں تھے

مونسؔ : اسی در کی مونسؔ گدائی کرو
جہاں سب کی حاجت روائی ہوئی

انیسؔ : آقا انیسؔ ہند میں کب تک پھرے تباہ
گھٹتی ہے عمر بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ
ضعف اس برس بہت ہے اجل آنہ جائے آہ
بلوائے غلام کو اے میرے بادشاہ
قربِ مزار شاہؑ دو عالم نصیب ہو
بس کربلا میں اب کے محرم نصیب ہو

شاداںؔ دہلوی : زیرِ کسا، نہیں سرِ میداں ہیں پنجتنؑ
آیات کا لباسِ وفا ہے مباہلہ
قربا کا اس طرح سے تعارف بھی ہوگیا
ہیں کون اہلِ بیتؑ کہے گا مباہلہ

شاداںؔ دہلوی : نثارِ پنجتنؑ ہے روحِ تطہیر
ابھی جبریل ہیں باہر کساء سے

شاداںؔ دہلوی : بہ اذن رب ہوئے جبرئیل پنجتنؑ میں چھٹے
کساء کی ورنہ سعادت نہ تھی کسی کے لیے

شاداںؔ دہلوی : عظمتِ آلِ محمدؐ کا جو عرفاں ہوتا
اختلافات نہ ہوتے یہ مسلمانوں میں

شاداںؔ دہلوی : اسلام کیا ہے خوبیٔ کردارِ پنجتنؑ
قرآن کیا ہے آلِ نبیؐ کا قصیدہ ہے

شاداںؔ دہلوی : عہدِ وفا رسولؐ سے آلِ رسولؐ سے
جس نے کیا ہے بس وہی ایمان دار ہے
اس کربلا کے بعد کوئی کربلا نہیں
کردارِ پنجتنؑ کا یہی شاہکار ہے

شاداںؔ دہلوی : کتاب ہو نہ سکی اُن کی آج تک کافی
جنھوں نے آلؑ کو چھوڑا کتاب کے بدلے

شاداںؔ دہلوی : مدحتِ پنجتنؑ بھی اے شاداںؔ
اک وسیلہ ہے اک سعادت ہے

شاداںؔ دہلوی : فاطمہؑ ہیں ان کے والد ان کے شوہر ان کے لال
یہ کساء ہے یا حصارِ آیۂ تطہیر ہے

شاداںؔ دہلوی : نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ و خمس و جہاد
ستون ہیں آلِ محمدؐ کی دوستی کے لیے

وحید اختر :

مریم سے بھی سوا ہے فضیلت بتولؑ کی
بضعت رسولؐ کی ہے ریاضت بتولؑ کی
آیاتِ نطقِ رب میں ہے تلمیحِ فاطمہؑ
تکمیل ہے نماز کی تسبیحِ فاطمہؑ
کس کی ثنا میں آیۂ تطہیر آئی ہے
فتح مباہلہ نے قسم کس کی کھائی ہے
ذکر اس کی عظمتوں کا حدیث کساء میں ہے
انوار حق کا مجمع اسی اک ردا میں ہے
دھوکر نچوڑیں وہ تو فرشتے وضو کریں
بوندوں سے اس کی کوثر و زمزم سبو بھریں
پیوند ہیں ردا کے شرافت کے آفتاب
بخیوں سے ان کے ابھرے امامت کے آفتاب
اخلاق کیا ہے پوچھیے خلقِ عظیم سے
غربت کی قدر پوچھیے درِ یتیم سے
مفلس کے لال پلتے ہیں کیسے علیؑ سے پوچھ
یا چکی پیستی ہوئی بنتِ نبیؐ سے پوچھ
افلاسِ مصطفیٰؐ کا ہے سرمایہ دار دیں
فقرِ علیؑ و فاطمہؑ ہے اعتبارِ دیں
چکی ہے فاطمہؑ کی کہ ہے گردشِ زماں
آٹا ہے اس کا نور تو دانہ ہے کہکشاں

چکی کے ساتھ چلتا ہے دنیا کا انتظام
چلتا ہے اس سے دین کے میخانے کا نظام
یارب ریاضِ بنتِ نبیؐ رائیگاں نہ ہو
محروم نورِ حق سے کبھی یہ جہاں نہ ہو
گھٹے ہیں انگلیوں پہ کفِ دست پر نشاں
پلتے ہیں شاخِ درد کے سائے میں سیداں
ہے دستِ فاطمہؑ کی یہ تعمیر ڈھ نہ جائے
دودھ ان مشقتوں کا لہو بن کے بہہ نہ جائے
گوہر غمِ حسینؑ کے چنتی ہیں فاطمہؑ
ذکرِ حسینؑ ہو کہیں سنتی ہیں فاطمہؑ

امید فاضلی : سَلمُو صَلّ علیٰ بنتِ رسولؐ دوسرا
جس کی رگ رگ میں پیمبرؐ کا لہو دوڑتا تھا
سائباں صبر و تحمل کے لیے جس کی ردا
درسِ تسلیم و رضا جس کو خدیجہ سے ملا
حق نے تفویض کیے ان کو محمدؐ کے صفات
پائی ہے ان کے تکلم سے صداقت نے حیات
یہ وہ زہراؑ ہے جسے سایۂ رحمت کہیے
جس کو آئینۂ کردارِ رسالتؐ کہیے
ان کا کردار سند ان کا عمل دین ہوا

نام یہ سچ کے لیے باعثِ تزئین ہوا

آئینے وقت کے روشن اسی تنویر سے ہیں

مریم و آسیہ دو رخ اسی تصویر کے ہیں

ان کے در سے ہی اجالوں کو سند ملتی ہے

عصمت و علم و یقیں کو یہیں حد ملتی ہے

امید فاضلی : فاطمہ علم و عمل کا وہ مثالی کردار

تربیت ایسی کہ زینبؑ ہیں امامت آثار

زینبؑ اسلام کی "پائندہ" و روشن تصویر

صبر میں فاطمہؑ جرات میں خدیجہؑ کی نظیر

طاہرہ، عالمہ، صدیقہ رسن بستہ اسیر

جادۂ حق و صداقت میں مثالِ شبیرؑ

مصطفےؐ خو ہے یداللہ سیر ہے زینبؑ

قلبِ زہراؑ ہے خدیجہؑ کی نظر ہے زینبؑ

نورِ تطہیر کا زینبؑ کی ہر اک بات میں ہے

جلوۂ پنجتنؑ پاک اب اس ذات میں

امید فاضلی : توصیف کیا بیاں ہو کسی سے بتولؑ کی

دل ہے یہ بوترابؑ کا دھڑکن رسولؐ کی

شورش : شورش کھڑا ہوں تربت بنتِ رسولؐ پر
یہ کیا مقام ہے کہ طبیعت نڈھال ہے

شاہ عالم آفتاب (متوفی ۱۸۰۶ء)

خورشید سپہر دینِ رسولؐ الثقلین
ہیں ان کے علیؑ و فاطمہؑ نورِ دو عین
فانوسِ نبوت و ولایت کے بیچ
مانند دو شمع جلوہ گر ہیں حسنینؑ

مرزا مغل ندرت امامی: یارب بحقِ خواجۂ کونین مصطفیؐ
یارب بحقِ فاطمہؑ ناموسِ مرتضیؑ
یارب بحقِ جملہ امامانِ مجتبیٰؑ
برلا ہر اِک مرادِ امامی شتاب آج

نظام الدین ممنونؔ: سبطین کہ ہیں دو بازوئے پیغمبرؐ
ایک ایک سے رتبے میں نہیں کچھ کم تر
دونوں کو ہے دوشِ مصطفیؐ پر معراج
دونوں ہیں علوئے مرتبت میں ہمسر

ذاکر لکھنوی : انگلیاں پانچ ہیں اور ایک ہتھیلی پہ ہے جام
پنجتنؑ کی نہ محبت ہو تو پینا ہے حرام

نامعلوم : خدا کے بعد جو سب سے بڑے ہیں
ابو طالبؑ کے پہلو میں پلے ہیں

فائق لکھنوی : جب دل سے ہو ربِ ذوالمنن پر تکیہ
پھر کیا سلاطینِ زمن پر تکیہ
جھکتا نہیں سر اُس کا کسی کے آگے
جس کا ہو خدائے پنجتنؑ پر تکیہ

نامعلوم : مباہلے کی یہ صورت بتا رہی ہے ہمیں
کہ پنجتنؑ کے مقابل جو آئے جھوٹا ہے

اطہر جعفری : رب نے مباہلے میں پکارا اے پنجتنؑ
تصدیق حق کے واسطے صدیق جائیں گے

قمر جلالوی : نبیؐ کس شان سے نجران میں اللہ اکبر ہیں
علیؑ ہیں فاطمہؑ ہیں ساتھ میں شبیرؑ و شبرؑ ہیں
نصاریٰ کہہ رہے ہیں دیکھ کر ایک اک کو آپس میں
یہ کیسا کارواں ہے جس میں سب رہبر ہی رہبر ہیں

پیام اعظمی : طہارتوں کا چلا قافلہ اصول کے ساتھ
علیؑ و فاطمہؑ حسنینؑ ہیں رسولؐ کے ساتھ

رسولؐ پاک کی کچھ اور بیٹیاں تھیں اگر
مباہلے میں نہ کیوں آگئیں بتولؑ کے ساتھ

بیدمؔ : بیدمؔ یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنسأؑ حسینؑ و حسنؑ مصطفیٰؐ علیؑ

راشدؔ نقوی : علیؑ فاطمہؑ اور حسینؑ و حسنؑ کو
صداقت کے پیکر میں لائے محمدؐ

نامعلوم : شاید کہ جان جائیں آلِ رسولؐ کیا ہیں
پڑھتے رہیں مسلماں آیت مباہلے کی

امیدؔ فاضلی : آبنان ما وانفسنا خود گواہ ہیں
اس گھر کے لوگ عکسِ رسالتؐ پناہ ہیں

امیدؔ فاضلی : وہ خود بھی نور گھرانا بھی نور سے معمور
کوئی ہے عشق کا حاصل کوئی ہے جانِ شعور
ادھر علیؑ ہیں شجاعت کا مستقل دستور
ادھر ہیں اُسوۂ زہراؑ نجات کا منشور
ادھر حسنؑ نے فضائے جہاں بدل دی ہے
اُدھر حسینؑ محمدؐ نما تجلّی ہے

شہیدؔ : مجھ کو کسی سے کام نہیں میں شہیدؔ ہوں
میں تو رہوں گا حشر میں بھی پنجتنؑ کے ساتھ

ماتی جائسی : سیرتیں آلِ نبیؐ کی سورتیں قرآن کی
ہیں ہدایت ہر تمدن ہر زمانے کے لیے

محسن شبیرؔ : ولائے پنجتن محسن نبیؐ موجب شفاعت کا
لحد میں کام گر آئی تو خاکِ کربلا آئی

کامل شطاری : اگر ایماں ہے ارشادِ نبیؐ پر اور قرآں پر
محبت فرض ہے آلِ نبیؐ کی ہر مسلماں پر
نہ پوچھو خون ہے کس کس کی گردن پر شہیدوں کا
نظر آتے ہیں دھبے کیا کہوں کس کس کے داماں پر

صابر حسینی : درین حیات و پسِ مرگ نوبتِ کفن است
سرم بخاکِ نجف با دسجدہ گاہ من است

انیسؔ : پہلے کیا جس چیز کو اللہ نے پیدا
لکھا ہے کہ وہ نور جنابِ نبویؐ تھا
دس سو برس اس دن سے وہ نورِ شہ والا
استادہ رہا روبرو خالقِ یکتا

گہ حمد و ثنا گہ صفتِ قدرتِ حق تھی
اس نور پہ ہر دم نظرِ رحمت حق تھی
اس نور کو دو حصے کیا حق نے برابر
اور پھر کیے ہر حصے کے دو حصے مکرر
دو ٹکڑوں سے مخلوق ہوئے احمدؐ و حیدرؑ
پیدا ہوئے دو حصوں سے سبطینِ پیمبرؐ
زہراؑ کو پھر اُس نور سے تنہا کیا پیدا
یوں پنجتنؑ پاک کا نقشا کیا پیدا
تب کُرسی و لوح و قلم و عرشِ معلّیٰ
نجم و مہ و مہر و ملک و گنبدِ خضرا
شام و سحر و ظلمت و ضو جنت و دنیا
اللہ نے سب نورِ نبیؐ سے کیے پیدا
حق یہ ہے کہ باعث ہے وہ عالم کی بنا کا
کیا رتبہ ہے کیا فیض ہے محبوبِ خدا کا

میر انیسؔ :

ہے زیورِ عروسِ سخن پنجتنؑ کی مدح
زینت کلام کی ہے رسولِ زمن کی مدح
ہے لذتِ زباں شہِ خیبر شکن کی مدح
آرامِ جان و دل ہے حسینؑ و حسنؑ کی مدح
ہر دم یہ ذکر باعثِ عیش و سرور ہے
دل کی جو روشنی ہے تو آنکھوں کا نور ہے

فطرت کشمیری : لالہ دارد سہ نشان از ماتمِ آلِ رسولؐ
سبزیِ زہرِ حسنؑ، خونِ حسینؑ، داغِ بتولؑ

پیام اعظمی : جلوہ دکھا کے خطبۂ پروردگار کا
خاموشیوں کو رنگ دیا کارزار کا
توڑے ہیں تیری صلح نے باطل کے حوصلے
تو نے قلم سے کام لیا ذوالفقار کا

پیام اعظمی : عصمت کی فضاؤں میں کوئی نغمہ سرا ہے
تسبیح کی آواز ہے چکی کی صدا ہے
پیوند ہیں کپڑوں میں تو ہاتھوں میں ہیں چھالے
اللہ یہ بانوئے شہِؑ عقدہ کشا ہے

پیام اعظمی : یہ راز ہے حیاتِ فروع و اصول کا
اسلام کی رگوں میں لہو ہے بتولؑ کا

پیام اعظمی : شرحِ کتابِ خالقِ اکبر ہے فاطمہؑ
جاگا ہوا نبیؐ کا مقدر ہے فاطمہؑ
جنت ہے عورتوں کے لیے ان کی ذاتِ پاک
حوا کی بیٹیوں میں پیمبر ہے فاطمہؑ

شاہ فضل اللہ : تا خط ندمیدہ است بود حسن و ادا ہیچ
اسلام بجز دوستیٔ آلِ عبا ہیچ

تعشق لکھنوی : تعشق عشق و عاشق صبر و صابر
یہ پانچوں تن غلامِ پنجتنؑ ہیں

نامعلوم : کیا مرتبہ ہے صلی علیٰ آل محمدؐ
یہ پانچ بشر نورِ الٰہی سے بنے ہیں

نجم آفندی : کس طرح جگہ ملتی اغیار کو اس گھر میں
دھبہ نہیں آسکتا تطہیر کی چادر میں

نامعلوم : خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں پانچوں تن
محمدؐ است و علیؑ فاطمہؑ حسینؑ و حسنؑ

میر سوزؔ : اے امتِ حضرتِ رسولؐ الثقلین
مانگو ہو اگر دونوں جہاں کا تم چین
تو ورد کرو صبح و مسا اتنا تم
اللہ و محمدؐ و علیؑ و حسنینؑ

حسرتؔ : بارہ جو ہوئے فلک پہ یہ برج بنا
ہے بارہ اماموںؑ کا مقام اعلا

چودہ جو زمیں و آسماں سے ہیں طبق
سو چہاردہ معصومؑ کی کرتے ہیں ثنا

نسیمؔ امروہوی : نبیؑ کے لاڈلے محسن جو دینِ رب کے ہیں
نہیں کسی کے وہ مخصوص بلکہ سب کے ہیں

نظام الدین ممنونؔ : ہوں آلِ نبیؑ کا شیفتہ اور مائل
شمشیرِ محبت سے ہوں ان کی بسمل
داغِ المِ حسینؑ سے پُرخوں ہے
لالہ ہے حسینؑ یہ نہیں اپنا دل

میرنؔ سبزواری : سزد بدست یداللہ خاتمِ کونین
حسنؑ نگینِ زمرد نگینِ لعل حسینؑ

انیسؔ : پنجتنؑ کا واسطہ دے کر انیسؔ
جو خدا سے ہم نے مانگا مل گیا

اشرفؔ رفیع : ہزار ہوں بھی جو مریم مثال اے اشرفؔ
مگر بتولؑ کا پھر بھی جواب ہو نہ سکا

اشرفؔ رفیع : جب تک جہاں میں ہے حق و باطل کی کش مکش
ہر دور کو رہے گی ضرورت حسینؑ کی

انیسؔ : جز اک ردائے کہنہ نہ تھی دوسری ردا
اس میں بھی لیف خرما کے پیوند جابہ جا
بستر سے تھا کبھی نہ تنِ پاک آشنا
فرشِ زمیں تھا خوابگہہ بنتِ مصطفےٰؐ
دنیا میں جیتے جی کبھی راحت نہیں ملی
فاقوں میں گر ملی بھی تو نانِ جویں ملی

دبیرؔ : کیا قامتِ زہرا و علیؑ زیبا ہیں
ایمان کے گویا دو الف یکجا ہیں
ان دونوں کے فرزند ہیں گیارہ معصومؑ
جیسے دو الف سے یازدہ پیدا ہیں

دبیرؔ : مہدیؑ بہ خدا کل کے شہنشاہ یہ ہیں
فرماں دہ کائنات واللہ یہ ہیں
اعداد ہیں مہدیؑ و دہن کے یکساں
گویا دہنِ قدرتِ اللہ یہ ہیں

دبیرؔ : شانِ خدا ہے صلِ علیٰ شانِ فاطمہؑ
حیدرؑ کی جانماز ہے دامانِ فاطمہؑ
روزہ ہر ایک روز ہے مہمانِ فاطمہؑ
کہتی ہے عیدِ فطر میں قربانِ فاطمہؑ

بہرِ نماز قوت کی تقلید کرتی ہیں
تسبیحِ حق میں آپ کو تحلیل کرتی ہیں

شاداںؔ دہلوی : سدا سعادتِ خوشنودیٔ خدائے جلیل
دلوں کو معرفتِ پنجتنؑ سے ملتی ہے

شاداںؔ دہلوی : پانچ ہوں بارہ ہوں چودہ ہوں بہتر ہوں حضور
جس کے یہ کردار ہوں ایسی کہانی چاہیے

شاداںؔ دہلوی : کس کو ہے کتنا انتظارِ امامؑ
اب یہ معیارِ آدمیت ہے

شاداںؔ دہلوی : یہ العجل کی دعائیں قبول ہوں جب تک
مری حیات کو بیگانۂ اجل کر دے

شاداںؔ دہلوی : مفلس ہے مری فکر بھی الفاظ بھی نادار
زہراؑ کی ثنا سجتی ہے خالق کی زباں سے

شاداںؔ دہلوی : تا ابد باقی ہے اس دنیا میں اولادِ رسولؐ
سورۂ کوثر کا زندہ معجزہ ہے فاطمہؑ

شاداںؔ دہلوی : محمدؐ نے تری تعظیم کرکے سب کو سمجھایا
ترا در ہے شریعت سے شریعت ہے ترے در سے

شاداںؔ دہلوی : ٹھکرا کے تخت و تاج حسنؑ نے یہ کہہ دیا
لے لے جسے یہ ریت کی دیوار چاہیے

شاداںؔ دہلوی : سورج ملوکیت کا جھلنے لگے تو پھر
خلقِ حسنؑ کا سایۂ دیوار چاہیے
جب ظلم اپنی حد سے گزرنے لگے تو پھر
اس کے لیے حسینؑ کی تلوار چاہیے
صلحِ حسن جہادِ حسینؑ ایک بات ہے
لیکن شعورِ عظمتِ کردار چاہیے

شاداںؔ دہلوی : پائی کتاب ناطق و صامت کریم سے
ماہِ صیام کا یہ شرف یادگار ہے

شاداںؔ دہلوی : ستم گر مرگئے زندہ ہے اسلام
یہی آلِ نبیؐ کی برتری ہے

خواجہ سید ناصر فراق دہلوی (میر درد کے نواسے) 1865ء پیدائش
حمدِ حق لکھوں گا یا نعتِ نبیؐ لکھوں گا
وصفِ سبطین کا تعریفِ علیؑ لکھوں گا

زیدی النسل ہوں سید ہوں مجھے بھاٹ نہ جان
مدح غیروں کی لکھی ہے نہ کبھی لکھوں گا

فائقؔ لکھنوی : ذاتِ نبیؐ و علیؑ و آلش اصلا
تفریق ندارند بکیشِ دانا
رمزیست عیاں زجاودان احمدؐ
کز وی نہ دوازدہ امامند جدا

فضلیؔ دکنی : خداوندا بمن ہم شورِ محشر درمیاں باشد
غلامِ آلِ طٰہٰؐ بندۂ اولادِ یاسینمؐ

محمدؐ نے معراج میں جس کو پہنا
وہی یہ عمامہ وہی پیرہن ہے
مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے
کہ ہر ایک جنّت میں پرتو فگن ہے
محل اک زمرّد کا ہے رشکِ طوبیٰ
تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے
کہا سرخ اور سبز کیوں ہیں یہ دونوں
دل اس وقت کچھ خود بخود نعرہ زن ہے
کہا حاملِ وحیؑ نے سر جھکا کر
یونہی مرضیٔ حضرتِ ذوالمنن ہے

کروں مختصر عرض ہے طول اس میں
یہ قصرِ حسینؑ اور وہ قصرِ حسنؑ ہے

راجا الفت رائے الفتؔ (متوفی 1854ء)

مرا گھر دلِ پنجتنؑ ہوگیا
سلامی جناں میں وطن ہوگیا
ہوئے کیا ہی الفتؔ کے طالع رسا
غلامِ حسینؑ و حسنؑ ہوگیا

مہاراجہ کشن پرشادؔ (متوفی 1939ء)

صدقے میں پنجتنؑ پاک کے ہم شاد رہیں
عاقبت خیر ہو دنیا میں ہم آباد رہیں

سید برہان اللہ قادری (متوفی ۱۲۹۰ ہجری)

ہے سوالوں میں ترے کیسی ملاحت برہان
پنجتنؑ پاک کی ہے تجھ پہ عنایت برہان

شہوار قادری (متوفی ۱۲۳۰ ہجری)

نہیں زمانے میں مجھ کو کسی امیر سے کام
نہ بادشاہ سے مطلب نہ کچھ وزیر سے کام
مشایخوں سے نہ مقصد کسی فقیر سے کام
مدد جوان سے لیتا ہوں اور نہ پیر سے کام

مدد پہ اپنی جو شہوار ہیں گے پانچوں تن
محمدؐ است و علیؑ فاطمہؑ حسینؑ و حسنؑ

اشفاقؔ (متوفی ۱۲۷۷ ہجری)

یا فاطمہؑ حسینؑ و حسنؑ مصطفیٰؐ علیؑ
اشفاقؔ میرے ورد ہیں یہ نام شام و صبح

غیاثؔ الدین : دم بدم ہے واحدِ پاک سیں احمدؐ پہ سلام
فاطمہؑ اور علیؑ صاحبِ مسند پہ سلام
حشر میں پاویں نجات ان میں محبیں اے غیاثؔ
بول بارہ یوں امامِ آلِ محمدؐ پہ سلام

امیدؔ فاضلی : بن ولائے پنجتنؑ انساں کا دل
آئینہ تو ہے مگر ٹوٹا ہوا

امیدؔ فاضلی : یہی یقیں یہی ایماں یہی عبادت ہے
کہ پنج گانہ پڑھو پنجتنؑ کی بات کرو

امیدؔ فاضلی : زندگی ہے لہجہ حیدرؑ میں زینبؑ کا خطاب
زندگی ہم شکلِ پیغمبرؐ کی مقتل میں اذاں

اسیدؔ فاضلی : خدا کے بعد ذکرِ پنجتنؑ ہو
بغیر اس کے سخن حرفِ زیاں ہے
درِ زہراؑ کی عظمت کو سمجھنا
ہر انساں کے مقدر میں کہاں ہے

انیسؔ : جز پنجتنؑ کسی سے تولا نہ چاہیے
غیر از خدا کسی کا بھروسہ نہ چاہیے

انیسؔ : گر فلک مجھ سے ہے برگشتہ تو کیا غم ہے انیسؔ
پنجتنؑ حامی ہیں اور اللہ ہے سر پر میرا

انیسؔ : باغِ جنت میں خدائے ازلی لکھتا ہے
ڈالی ڈالی پہ نبیؐ اور علیؑ لکھتا ہے
سبز پتوں پہ حسنؑ اور کلی پر زہراؑ
سرخ پھولوں پہ حسینؑ ابن علیؑ لکھتا ہے

انیسؔ : کیا صاحبِ فقر بنت پیغمبرؐ ہے
عفت ہے لباس نورِ حق زیور ہے
فضہ ہے کنیز ابوذر ہے غلام
گھر میں یہ برائے نام سیم و زر ہے

شہیدؔ : دم نکل جائے گا ذکرِ پنجتنؑ میں اے شہیدؔ
سب کہیں گے یہ نبیؐ کی آل کا دیوانہ تھا

شہیدؔ : یہ رسالت امامت اور عصمت
جمع ہیں ایک ہی گھرانے میں

شاہ ظفرؔ : میرا وسیلہ پنجتنؑ برکت ہے اس کے نام کی
ٹلتی ہے ہر آفت بلا ہو کیوں نہ میرا دل قوی
ہے یا جنابِ پنجتنؑ وصف آپ کا قرآن میں
لولاک اور تطہیر ہے آیا تمہاری شان میں
واللہ غیر از پنجتنؑ یارا کسی کو یہ کہاں
جو اس بلا کو ٹال دے ہوئے شفیعِ عاصیاں

دبیرؔ : پانچ انگلیوں سے ہم نے چنا ایک بات کو
بس پنجتنؑ کے سامنے پھیلاؤ ہات کو

نامعلوم : چراغ و مسجد و محراب و منبر
علیؑ و فاطمہؑ شبیرؑ و شبرؑ

شہیدؔ ثالث : بارہا گفتم ترا اے شہریار
چاریارم چاریارم چار یار

ذکیہ غزل : جب زباں مہر بلب ہو تو قلم بولے گا
لوگ بے بس ہوئے مولاؑ کا کرم بولے گا
اک نیا کرب و بلا وقت یہ دھراتا ہے
بازوے شاہِ دوعالمؑ کا علم بولے گا

نامعلوم : یہ آلِ محمدؐ ہیں کہ پوشاک میں جن کی
پیوند تو مل جاتے ہیں دھبہ نہیں ملتا

نجم آفندی : پیکرِ شاعری میں نجم نورِ حیات آ گیا
راحتِ اہلبیتؑ سے جذبۂ دل سنور گئے

نجم آفندی : نجم ہم نے مدحِ اہلبیتؑ کے ہر شعر میں
فاضلِ طینت کی فطرت کو نمایاں کر دیا

جوش : تو مثالِ اہلبیتؑ پاک مر سکتا نہیں
عشق کا دعویٰ ہے اور تقلید کر سکتا نہیں

مشکور یاد : وہ سرِ زندگی ہیں محمدؐ کی اہلِ بیتؑ
جن کو زمانہ جان سکا کم بہت ہی کم

انیس : بھائی میں عزادار ہوں اور خستہ جگر ہوں
عاشورِ محرم سے میں اب تک کھلے سر ہوں

انیسؔ : میں اپنے بزرگوں کے تبرک کا ہوں خواہاں
بس ہے وہی ہم بے سروسامانوں کا ساماں
حیدرؑ کا عمامہ ہے محمدؐ کی عبا ہے
اور کہنہ سی اک فاطمہؑ زہرا کی ردا ہے

علم و ہنر و فضل کا مجمع ہے حسنؑ
خوبی و نکوئی کا مرقع ہے حسنؑ
دیوان امامت میں ہیں بارہ بیتیں
مطلع حیدرؑ ہیں حسنِؑ مطلع ہے حسنؑ

شمیمؔ امروہوی : غلامِ پنجتنؑ کو ڈر نہیں ان پانچ چیزوں کا
اجل کا جاں کنی کا قبر کا برزخ کا محشر کا
یہ پانچوں سورے اے دل پنجتن کی شان میں آئے
قمر کا شمس کا رحمان کا مریم کا کوثر کا

نامعلوم سینے پہ مرے ثبت ہے بس پنجتنؑ کے نام
میرا مذہب ہے عشق و محبت حسینؑ کی

انیسؔ : حیدرؑ کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بو
پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتنؑ کی بو

میرؔ : ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتنؑ کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

میرؔ : عاشورہ محرم ہے شہادت کی سحر ہے
سجدوں سے نمازوں سے یہ رخصت کی سحر ہے
لٹنے کا تباہی کا پریشانی کا دن ہے
اولادِ پیمبرؐ کی یہ قربانی کا دن ہے
قتلِ پسرِ سید لولاکؐ کا دن ہے
یہ خاتمۂ پنجتنؑ پاک کا دن ہے

انیسؔ : رتبے میں وہ زنان دو عالم کا فخر ہے
حوا کا افتخار ہے مریم کا فخر ہے

انیسؔ : کاغذ پہ پہلے سورۂ مریم کو دم کروں
تب فاطمہؑ کی عصمت و عفت رقم کروں

انیسؔ : شمس الضحیٰ علیؑ ہیں تو بدرالدجیٰ ہے یہ
وہ جسم ہے تو جان و دلِ مصطفیٰؐ ہے یہ
بحرِ سخا علیؑ تو گہرِ بے بہا ہے یہ
عبد خدا ہے وہ تو کنیزِ خدا ہے یہ
زاہد ہیں حق پرست ہیں خوش خو ہیں نیک ہیں
دونوں خدا کے فضل سے رتبے میں ایک ہیں

اقبال

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر

دانشِ افرنگیاں غارت گری
دیرہا خیبر شد از بی حیدری (جاوید نامہ)
(فرنگیوں کی تعلیم غارت گری ہے۔ حیدرؓ نہ ہونے سے دیر خیبر بن گئے ہیں)

پیش او نہ آسماں نہ خیبر است
ضربت او از مقامِ حیدرؓ است (جاوید نامہ)
(مردِ مومن کے لیے نو آسمانوں کی مزاحمت نو خیبروں کی طرح ہے اسی لیے وہ علیؓ کی طرح وار کر کے ان کو فتح کرتا ہے)

ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است اینجا
نہ ہر کہ نانِ جویں خورد حیدریؓ داند (پیام مشرق)
(یہاں ہزاروں خیبر اور طرح طرح کے اژدھے ہیں، ہر شخص جو جو کی روٹی کھاتا ہے وہ حیدرؓ نہیں بن سکتا۔)

گہے با حق در آمیزد گہے با حق در آویزد
زمانی حیدریؓ کردہ زمانی خیبری کردے
(بعض اوقات میں حق کے ساتھ ملکر رہا بعض اوقات حق کے مخالف ہو کر رہا یعنی کبھی حیدریؓ

کیا اور کبھی خیبری یعنی دشمنی کیا۔)

کور را بینندہ دیدار کن
بولہب را حیدرِ کرار کن

(یعنی [عشق] سے اندھے کو دیدار الٰہی سے بینا کر دے اور [عشق سے] بولہب کو حیدرِ کرار بنا دے۔)

می شناسی معنیٔ کرار چیست
ایں مقامی از مقاماتِ علیؓ ست (مسافر)

امتاں را در جہانِ بی ثبات
نیست ممکن جز بکراری حیات
تا زکراری نصیبی داشتند
در جہاں دیگر علم افراشتند
مسلمِ ھندی چرا میداں گزاشت
ہمت او بوے کراری نداشت (مسافر)

(تم جانتے ہو کرار کے معنی کیا ہیں؟ یہ حضرت علیؓ کے مراتب میں ایک مرتبہ اور مقام ہے۔ اس فانی دنیا میں قومیں بغیر کراری کے زندہ اور باقی نہیں رہ سکتیں۔)

(جب تک یہ کراری سے بہرور تھے وہ دنیا میں فتوحات کے جھنڈے گاڑ رہے تھے۔ ہندی مسلمان اس لیے میدان سے فرار ہوا کہ اس کی ہمت کراری کی خوبی یا خوشبو نہ رکھتی تھی۔)

ہم چوں آں خلد آشیاں بیدار ذی
سخت کوش و پُر دم و کرار ذی (مسافر)

(اُس جنت مکان [نادر شاہ] کی طرح بیدار زندگی کرو اور سخت کوشش کر کے باہمت اور

کرارؓ [حضرت علیؓ] کی طرح بہادری سے زندگی گزارو۔)

فقر خیبر گیر با نانِ شعیر
بستۂ فتراک او سلطان و میر

(فقر جو وہ نان جویں کھا کے خیبر کو فتح کرتا ہے اور اس کے شکار کے بستے میں سلاطین اور حکمران پڑے رہتے ہیں۔)

یہ ہے اقبالؔ فیضِ یادِ نامِ مرتضیٰؓ جس سے
نگاہِ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدریؓ و کراری

عشق بانانِ جویں خیبر کشاد
عشق در اندامِ مہ چاکی نہاد

(عشق [علیؓ کے جذبہ عشق] نے جو کی روٹی کھا کر خیبر فتح کیا، عشق [جذبۂ عشقِ] نے چاند کے جسم میں شگاف ڈال دیا۔)

فیضِ اقبالؔ ہے اسی در کا
بندۂ شاہِ لافتیٰؓ ہوں میں

(عقل ودل، باقیات مخزن، ۱۹۰۲ء)

نجف میرا مدینہ ہے مدینہ ہے مرا کعبہ
میں بندہ اور کا ہوں امتِ شاہِ ولایت ہوں

(تصویر درد، باقیات)

ترے نصیب کا آخر چمک گیا اختر
علیؑ کے سینے میں جو راز تھا کھلا تجھ پر
(بلال، باقیات مخزن، ستمبر ۱۹۰۴ء)

کرم کرم کہ غریب الدیار ہے اقبال
مرید پیر نجف ہے غلام ہے تیرا
(التجا مسافر، باقیات مخزن، اکتوبر ۱۹۰۵ء)

پوچھتے کیا ہو مذہب اقبال
یہ گنہ گار بوترابی ہے
(باقیات، روزگار فقیر، ص:۲۴۶، بیاض اعجاز، ص:۴۶)

جہاں سے چلتی تھی اقبال گزر قنبر کی
مجھے بھی ملتی ہے روزی اسی خزینے سے
ہمیشہ ورد زباں ہے علیؑ کا نام اقبال
کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے
(باقیات، بیاض اعجاز، ص:۶۵)

تو ہے اک شانِ یداللہ خلق کے ہر کام میں
فتح و نصرت ہے تری برکت سے ہر ایام میں
تیرا دامن جس نے تھاما وہ ٹھکانے لگ گیا
تیری پا بوسی میں پنہاں ہیں رموز "لافتیٰ"
(باقیات "علم" انوار اقبال، ص:۳۴)

ہو یقیں مردہ تو سنگ تجھ سے ہے بہتر سو بار
ہو یقیں زندہ تو پھر حیدرِ کرار ہے تو
(باقیات، خطاب مسلم، نوادر اقبال، ص:۴۷)

فقر سے ننگ عار کچھ مردِ غیور کو نہیں
نانِ جویں قبول ہے، ضربتِ حیدر آنہ دے

(باقیات، ذوق وشوق بیاض)

زور اس کا ید اللہی حق اس کا شہنشاہی
جو مردِ خدا توڑے بت خانۂ رنگ و بو

(محراب گل افغان کے افکار، باقیات، بیاض ہفتم)

ابو ترابؑ ہے خیبر کشا و مرحب کش
کہاں وہ حوصلہ تجھ میں کہ تو ہے ابنِ تراب

(باقیات، بیاض پنجم، غزل ۱۳)

ہے اُس کی طبیعت میں تشیّع بھی ذرا سا
تفضیلِ علیؑ ہم نے سنی اس کی زبانی

(زھد اور رندی)

حیدریؑ فقر ہے نہ دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

(جوابِ شکوہ)

تری خاک میں اگر شرر ہے تو خیالِ فقر وفنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدار قوتِ حیدریؑ

(میں اور تو)

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللہی وہی مرجبی وہی عنتری

(میں اور تو)

نہ خدا رہا نہ صنم رہے نہ رقیب دیر و حرم رہے
نہ رہی کہیں اسد اللہی نہ کہیں ابولہبی رہی
(غزل بانگ درا)

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدرؓ فقرِ بوذر صدقِ سلمانی
(طلوع اسلام)

دلِ بیدار فاروقیؓ دلِ بیدار کرارئؓ
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
(غزل بال جبریل)

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
(غزل بال جبرئیل)

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرارؓ بھی ہے
(غزل ۴۳، بال جبرئیل)

یا عقل کی روباہی، یا عشقِ ید اللہی
یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ
(غزل ۴۷، بال جبرئیل)

جمالِ عشق و مستی نے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی (قطعات بال جبرئیل)

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق (قطعات بال جبرئیل)

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بے زار ہو اپنی کرن سے (قطعات بال جبرئیل)

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدریؑ تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

(ایک نوجوان کے نام)

یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علیؑ شیعوں کا
ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں
مقصد لَحمُکَ لَحمِیْ پہ کھلی ان کی زباں
یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی برا کہتے ہیں
تیرے پیاروں کا جو یہ حال ہوا اے شافعِ حشر
میرے جیسوں کو تو کیا جانیے کیا کہتے ہیں
بُغض لِلّٰہ کے پردے میں عداوت ذاتی
دین کی آڑ میں کیا کرتے ہیں، کیا کہتے ہیں

(باقیات، فریادامت)

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدریؓ و کرّاریؓ

(غزل ارمغان حجاز)

گلستانی زِ خاکِ من بر انگیز
نمِ چشمم بخون لاله آمیز
اگر شایان نیم تیغ علیؓ را
نگاہی دہ چو شمشیر علیؓ تیز

(میری خاک سے گلستان پیدا کر میرے آنسو کو لالہ کے خون میں ملا دے۔ اگر میں علیؓ کی تلوار کے شایان نہیں ہوں تو میری نظر کو علیؓ کی تلوار کی تیزی عطا کر۔)

بدہ او را جوانِ پاک بازی
سرورش از شرابِ خانہ سازی
قوی بازوئے او مانندِ حیدرؓ
دل او از دو گیتی بے نیازی

(اس [اسلام] کو پاکیزہ جوان دے جس کی رگوں میں بادۂ اسلام کی سرشاری ہو، اس کے بازوئے حیدرؓ کی طرح مضبوط ہوں اور اس کا دل دونوں جہاں کا محتاج نہ ہو۔)

سینۂ پاکِ علیؓ جن کا امانت دار تھا
اے شہٗ ذی جاہ تو واقف ہے ان اسرار سے
واسطہ دوں گا اگر لختِ دل زہراؓ کا میں
غم میں کیوں کر چھوڑ دیں گے شافعِ محشر مجھے
ہوں مریدِ خاندانِ خفتۂ خاکِ نجف
موجِ دریا آپ لے جائے گی ساحل پر مجھے

رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں، میں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقئ کوثر مجھے
دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہل بیتؑ
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؑ مجھے

(باقیاتِ اقبال، قصیدہ مناجاتی "برگِ گل" درگاہ نظام الدین اولیا پر)

علیؑ کے علم پہ حجت تھی ذوالفقار علیؑ
غرض کہ دعویٔ صوفی ہے بے قیاس و دلیل

(باقیات، مسودہ، ص:٦١)

مجھے فقرِ یداللّٰہی عطا کر
نوا ہائے سحر گاہی عطا کر
مرے مولاؑ فقیران حرم کو
فقیری میں شہنشاہی عطا کر

(باقیات، بیاض، ہشتم ص:٢٥)

غزالانِ حرم تجھ کو مبارک
مجھے شیرِ حرم کی جستجو ہے

(باقیات، بیاض، ہشتم)

اے کہ ہم نامِ خدا، بابِ دیارِ علم تو
اُمتے بودی و حکمت رانمایاں کردہ ای

(باقیات، سرودِ رفتہ، ص:٣٠)

پروفیسر عراق رضا زیدی :

ابنِ علیؑ نے حیدری شمشیر کھینچ کر
کفر و نفاق و ظلم کی زنجیر توڑ دی
آئے نظر وہ جس میں بھی فرعون کے نقوش
شبیرؑ نے اٹھا کے وہ تصویر توڑ دی

پروفیسر فاطمہ پروین :

کرے مشکل کشائی دنیا کی مشکلوں سے خراج لیتا ہے
زندگی اس کی ہے فقیرانہ جو فرشتوں کو بھیک دیتا ہے

....

شریکِ کارِ نبوت حسینؑ زندہ باد
ہے تجھ سے دین کی رفعت حسینؑ زندہ باد
خدا کے دین کی خاطر لٹا دیا گھر کو
نہ کی یزید کی بیعت حسینؑ زندہ باد

پروفیسر سردار نقوی :

آیا جو بزمِ زیست میں یہ دلبرِ رباب
فرمایا خود سے سبطِ پیغمبرؐ نے یوں خطاب
اب درسِ کربلا کا مکمل ہوا نصاب
اس جزوِ مختصر سے بڑھی زینتِ کتاب
یوں ان کا ذکر مصحفِ کرب و بلا میں ہے
کوثر کا سورہ جیسے کتابِ خدا میں ہے

سرِّ اسمائے علیؑ داند کہ چیست

(اقبال)

علامہ اقبال نے اپنی معرکتہ الآرا تصنیف ''اسرارِ خودی'' میں ایک نظم ''در شرح اسرار اسمائے علیؑ مرتضیٰ'' لکھی جو (59) اشعار پر مشتمل مثنوی کی شکل میں موجود ہے، اس فارسی نظم میں علامہ اقبال نے حضرت علیؑ کے دس سے زیادہ نام، کنیت، عرف، خطاب وغیرہ جیسے علیؑ، ابوترابؑ، مرتضیٰؑ، یداللہ، شیرِ مرداں، کرارؑ، باب العلم، فاتح خیبر، ساقی کوثر، شیرِ حق وغیرہ سے استفادہ کر کے خوب صورت مطالب بیان کئے ہیں اور ان کے نتائج پیش کئے ہیں۔ علامہ اقبال کی اس نظم میں موجود مطالب کو چند عنوانات کے تحت پیش کیا جا سکتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ صدرِ اسلام کی مقدس اور اہم ہستیوں میں حضورؐ اکرم کے بعد سب سے زیادہ اشعار علامہ اقبال نے حضرت علیؑ پر لکھے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کی روح حضرت علیؑ کا نام آتے ہی جھومنے لگتی ہے اس لیے مخزن میں چھپی ''سپاس جناب امیرؑ'' میں اقبال نے فرمایا تھا کہ اگرچہ میں ہوش سے باہر رہ کر بھی مکمل ہوش میں ہوں، یہ کہہ سکتے ہو کہ ایک خاموش نصیری کی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں۔

از ہوش شدم مگر بہوشم
گوئی کہ نصیریؑ خموشم

علامہ اقبال ''فنا فی الرسولؐ'' ہونے کے ساتھ ساتھ ''فنا فی العلیؑ'' بھی تھے۔ خود حضرت علی حضورؐ کے عشق میں فنا فی الرسولؐ کی منزلت پر نظر آتے ہیں۔ علامہ نے اس نظم کے نویں شعر میں بتا دیا ہے کہ صرف اسرارِ زندگی کے واقف کاروں کو معلوم ہے کہ حضرت

علیؑ کے ناموں کے بعد کیا گیا ہے۔ شاید اسی لیے اکثریت ان رموز اور حقائق سے واقف نہیں۔

ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست
سرِّ اسمائے علیؑ داند کہ چیست

اس مثنوی کے پہلے حصے میں علامہ حضرت علیؑ کے چند نام اور القاب وغیرہ بیان کر کے حضرت علیؑ سے اپنی عشق واردات پیش کرتے ہیں۔ ہم یہاں اشعار کے ساتھ سلیس ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

مسلمِ اوّل شہِ مرداں علیؓ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ

از ولائے دودمانش زندہ ام
درجہاں مثلِ گہر تابندہ ام

نرگسم وارفتۂ نظارہ ام
در خیابانش چو بو آوارہ ام

زمزم ار جوشد ز خاکِ من ازوست
مے اگر ریزد ز تاکِ من ازوست

خاکم و از مہرِ او آئینہ ام
می تواں دیدن نوا در سینہ ام

از رخِ او فالِ پیغمبرؐ گرفت
ملّتِ حق از شکوہش فر گرفت

قوتِ دینِ مبیں فرمودہ اش
کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

مرسلِ حق کرد نامش بوتراب
حق یداللہ خواند در اُمّ الکتاب
ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست
سِرِّ اسمائے علیؓ داند کہ چیست

ترجمہ: ''پہلے مسلمان اور مردوں کے شاہ (سردار) علیؓ ہیں۔ حضرت علیؓ عشق کے لیے ایمان کا سرمایہ ہیں۔ میں (اقبال) آپ کے خاندان کی محبت کی وجہ سے زندہ ہوں اور دنیا میں موتی کی طرح چمک رہا ہوں۔ میں نرگس ہوں (یعنی آنکھ ہوں) اور نظارے میں کھو چکا ہوں اور علیؓ کے چمن کے راستوں پر خوشبو کی طرح بکھرا ہوا ہوں۔ اگر میری خاک سے زمزم پھوٹتا ہے تو انہی (علیؓ) کی بدولت اور اگر میری انگوری بیل سے شراب ٹپکتی ہے تو علیؓ ہی کے فیض سے۔ میں خاک ہوں مگر علیؓ کی محبت میں آئینہ بن چکا ہوں، چناں چہ میرے سینے میں آواز دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کے چہرے سے رسولؐ اکرم نے اچھا نتیجہ اور شگون نکالا ملت کو آپ کی عظمت اور دبدبے سے شان و شوکت ملی۔ آپ کے ارشادات دین مبین کی قوت ہیں، انہی کی اولاد (علیؓ کی اولاد) سے دنیا کو اسلام کے قانون اور دستور ملے۔ اللہ کے رسولؐ نے آپ کا لقب بوتراب رکھا، اللہ نے آپ کو قرآن میں یداللہ سے یاد کیا۔ ہر کوئی جو زندگی کے رازوں کو جانتا ہے اُس کو معلوم ہے کہ علیؓ کے ناموں کے بھید اور راز کیا ہیں۔''

ان اشعار کے بعد اقبال حضرت علیؓ کے لقب ابوترابؓ کے بارے میں پہلے خاکی بدن کی خواہشات اور نفس امارہ کی گمراہی پر روشنی ڈالتے ہوئے انسان سازی اور خود سازی کی ضرورت جتاتے ہیں۔ ابوتراب یعنی مٹی کا باپ جب کہ صدر اسلام میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں میں ابوجہل اور ابولہب کے نام ممتاز تھے۔ ابوترابؓ کا لقب حضرت علیؓ کو بہت پسند بھی تھا۔

خاکِ تاریکے کہ نامِ او تن است
عقل از بیدادِ او در شیون است

فکرِ گردوں رس زمیں پیما ازو
چشمِ کور و گوش ناشنوا ازو
از ہوس تیغِ دو رُو دارد بدست
رہرواں را دل بریں رہزن شکست
شیرِ حق ایں خاک را تسخیر کرد
ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد
مرتضیٰؓ کز تیغِ او حق روشن است
بوتراب از فتحِ اقلیمِ تن است

ترجمہ: ''تاریک (سیاہ) خاک جس کو بدن کہتے ہیں اس کے ظلم وستم سے عقل فریاد کرتی ہے۔ آسمانوں پر پہنچے والی فکر اس کی وجہ سے زمین میں پستی کی حامل ہو جاتی ہے۔ آنکھیں اندھی اور کان بہرے اس کی وجہ سے ہیں۔ وہ (بدن) جس کے ہاتھ میں ہوس کی دو دھاری تلوار ہے اور (نیک) راستہ چلنے والوں کے دل اس ڈاکو سے خوف زدہ ہیں۔ اللہ کے شیر (حضرت علیؓ) نے اس خاک (خاکی بدن) کو فتح کر لیا اور اس تاریک خاک کو سیاہ سے نور سے تبدیل کر دیا۔ علی مرتضیٰ ہیں جن کی تلوار سے حق روشن ہوا اور ابوتراب ہیں کیوں کہ آپ نے بدن کی حکومت پر فتح حاصل کر لی تھی۔''

ہر کہ زیں بر مرکبِ تن تنگ بست
چوں نگیں بر خاتمِ دولت نشست
حکمراں باید شدن برخاکِ خویش
تا مئے روشن خوری از تاکِ خویش
خاک گشتن مذہبِ پروانگی است
خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

ترجمہ: ''جو بھی اس (بدن) کی سواری پر زین کس کر باندھے وہ حکومت کی انگوٹھی میں

نگینہ ہے۔ اپنی خاک (بدن) پر حاکم ہونا چاہیے، تا کہ اپنی انگور کی بیل (وجدانی) کی خالص شراب پی سکے۔ جل کر خاک ہونا تو پروانے کا عمل ہے، خاک کا باپ بن (جسم پر قادر ہو جا) یہی شیوہ مردانگی ہے۔"

اقبال کے کلام کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مطالب کو نتائج سے جوڑ کر شاعری کو پیغمبری کر دیتے ہیں۔ اقبال کے درجنوں اشعار مولا علیؑ کے فقر اور قناعت پر اُردو اور فارسی میں بکھرے پڑے ہیں۔ اقبال نے قدرت، طاقت، شجاعت اور ہمت کو ایک مرد کامل، مرد فقیر، مرد قلندر، مرد حُر، مرد مجاہد اور مرد حق کے لیے لازم بتایا ہے اور اس ضمن میں حضرت علیؑ کے اسماء سے استفادہ کر کے اس نظم میں ید اللہ، شیر حق، کرارئی، فاتح خیبر وغیرہ درجنوں اشعار میں مطالب پیش کیے ہیں۔"

ان شعروں میں اقبال نے دوسری قدروں کو بھی ملایا ہے۔ جس سے مضمون دو آتشہ ہو گیا۔ کہتے ہیں۔

مرد کشور گیر از کرارئی است
گوہرش را آبرو خود داری است
ہر کہ در آفاق گردد بوترابؑ
باز گرداند ز مغرب آفتاب

کرارئی (بار بار بڑھ کر حملہ کرنا) کی وجہ سے مرد ملکوں کو فتح کرتا ہے اس موتی کی چمک دمک خودداری کی وجہ سے ہے۔ جو کائنات میں بوتراب ہوتا ہے وہی پھر سورج کو مغرب سے پلٹ سکتا ہے۔ یہاں اقبال معجزہ "ردشمس" کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لکھا ہے ایک دن خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے اور حضرت علیؑ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا چناں چہ جب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاگے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ حضرت علیؑ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ وہ نماز نہیں پڑھ سکے، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا کی پروردگار علیؑ تیری اور تیرے رسول (خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت میں مصروف تھا آفتاب کو لوٹا دے چناں چہ آفتاب پلٹا علیؑ نے

سماز ادا کی۔ اقبالؔ نے اس موضوع کو جاوید نامے میں نوائے غالب کے تحت ایک غزل میں رقم کیا ہے۔

ز حیدریم من و تو زما عجب نبود
گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

یعنی میں اور تم حیدرؓ سے وابستہ ہیں اگر ہم سورج کو مشرق کی طرف لوٹا دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

زیرِ پاش اینجا شکوہِ خیبر است
دستِ او آنجا قسیم کوثر است
از خود آگاہی یداللہی کند
از یداللہی شہنشاہی کند

ترجمہ: "یہاں دنیا میں خیبر جیسے عظیم قلعے کی شان وشوکت اس کے پیروں تلے رہتی ہے اور وہاں آخرت میں وہ حوضِ کوثر کے پانی کا تقسیم کرنے والا (ساقیٔ کوثر) ہے، وہ (علیؑ) اپنی ذات کو جاننے کی وجہ سے اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے اور اس (الوہی) ہاتھ سے شہنشاہی کرتا ہے۔"

ذاتِ او دروازۂ شہرِ علوم
زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

حضرت علیؑ کی ذات علوم کا دروازہ ہے اور آپ کے فرمان کے تابع ممالک حجاز، چین اور روم ہیں۔ اقبالؔ یہاں حضورؐ کی حدیث "میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں" کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اقبالؔ اس نظم میں اپنے پیام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں۔

سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن
تا شوی بنیادِ دیوارِ چمن

از گلِ خود آدمی تعمیر کن

آدمی را عالمی تعمیر کن

ترجمہ: ''اے نازک گل بدن تو پتھر کی طرح سخت ہو جا تا کہ تجھے چمن کی حفاظت کرنے والی دیوار کی بنیاد میں رکھا جاسکے۔ اپنی خاک میں آدمی کی تعمیر کرلے اور اس آدمی میں عالم کو سمودے۔''

علامہ نے ایک مقام پر جاوید نامہ میں کہا ہے ؎

آنچہ در آدم بگنجد عالم است

یعنی انسان اتنا عظیم ہے کہ تمام عالم اس میں سما سکتا ہے۔

گر بنا سازی نہ دیوار و درے

خشت از خاک تو بندد دیگرے

اے زجورِ چرخِ ناہنجار تنگ

جامِ تو فریادیٔ بیدادِ سنگ

نالہ و فریاد و ماتم تا کجا

سینہ کوبی ہائے پیہم تا کجا

در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات

لذّتِ تخلیقِ قانونِ حیات

خیز و خلاقِ جہانِ تازہ شو

شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو

با جہانِ نامساعد ساختن

ہست در میداں سپر انداختن

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار

با مزاجِ او بسازد روزگار

گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں
بر کند بنیادِ موجودات را
می دہد ترکیبِ نو ذرّات را
گردشِ ایّام را برہم زند
چرخِ نیلی فام را برہم زند
می کند از قوتِ خود آشکار
روزگارِ نو کہ باشد سازگار
در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست
آزماید صاحبِ قلبِ سلیم
زورِ خود را از مہماتِ عظیم
عشق با دشوار ورزیدن خوش است
چوں خلیلؑ از شعلہ گل چیدن خوش است
ممکناتِ قوتِ مردانِ کار
گردد از مشکل پسندی آشکار
حربۂ دوں ہمتاں کین است و بس
زندگی را ایں یک آئین است و بس
زندگانی قوتِ پیداستے
اصلِ او از ذوقِ استیلاستے
عفوِ بے جا سردیٔ خونِ حیات
سکتۂ در بیتِ موزونِ حیات

ترجمہ: ”اگر تو کوئی اپنی دیوار اور دروازے کا حصہ نہیں بنے گا تو کوئی دوسرا تیری خاک سے اینٹ بنا کر اپنی عمارت میں لگالے گا۔ اے (مسلمان) تو کب تک فلک کے ظلم وستم سے تنگ رہے گا کب تک تیرا اس سفالی پیمانہ پتھر کے ظلم کا فریادی رہے گا۔ کب تک گریہ فریاد اور ماتم کرے گا کب تک مسلسل سینہ پیٹتا رہے گا۔ زندگی کا مقصد عمل میں چھپا ہے اور یہی تخلیق کی لذت اور زندگی کا قانون ہے۔ اُٹھ اور نئی دنیا بنا، آتش وسوزش کو سینے میں بھرلے خلیل اللہ کا نعرہ بن جا۔ ناسازگار مخالف دنیا کے ساتھ موافقت کرنا میدان جنگ میں شکست قبول کرنے یعنی ہتھیار ڈال دینے کے برابر ہے۔ وہ مرد جو عمل میں پختہ اور خودی میں پکا ہوتا ہے وہ زمانے کو اپنے مزاج کے مطابق بنالیتا ہے اگر زمانہ اس کے مزاج کے مطابق نہ ہو تو وہ آسمان تک جنگ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے وہ پرانی دنیا کی بنیاد کو اکھاڑ کر نئی دنیا کو بناتا ہے۔ وہ گردش لیل ونہار کو برہم کر کے نیلے آسمان کا نظام بھی درہم برہم کر دیتا ہے وہ اپنی ذاتی قوت سے زمانہ تعمیر کرتا ہے جو اس کے لیے سازگار ہوتا کہ مردانہ وار زندگی بسر کر سکے۔ اگر دنیا میں مردانہ وار زندگی بسر کرنا ممکن نہیں تو مردوں کی طرح جان دے دینا زندگی ہے۔ ایک قوی اور سالم قلب والا بڑے کارنامے انجام دے کر اپنے زور اور طاقت کو آزماتا ہے۔ عشق مشکلات کو اختیار کر کے خوش رہتا ہے جیسا کہ ابراہیم خلیل اللہ آگ کے پھول چن کر۔ تجربہ کار مردوں کی ایجادات ان کی مشکل کاموں سے دلچسپی سے ظاہر ہوتی ہے۔ کم ہمت لوگوں کا ہتھیار کینہ ہے اور بس یہی ایک ان کی زندگی کا قانون بھی ہے۔ زندگی ایک ایسی قوت ہے جس کی بنیاد غلبہ پالینے کی خواہش ہے۔ زندگی کا خون (جوش) ٹھنڈا ہو جاتا ہے اگر بے موقع چشم پوشی کریں جس طرح ایک موزوں شعر میں سکتہ کا سقم ہو۔“

ہر کہ در قعرِ مذلت ماندہ است
ناتوانی را قناعت خواندہ است
ناتوانی زندگی را رہزن است
بطنش از خوف و دروغ آبستن است

از مکارم اندرونِ او تہی است
شیرش از بہرِ ذمائم فربہی است
ہوشیار! اے صاحبِ عقلِ سلیم
در کمینہا می نشیند ایں غنیم
گر خرد مندی، فریبِ او مخور
مثلِ حربا ہر زماں رنگش دگر
شکلِ او اہلِ نظر نشناختند
پردہ ہا بر روئے او انداختند
گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار
گاہ می پوشد ردائے انکسار
گاہ او مستور در مجبوری است
گاہ پنہاں در تہِ معذوری است
چہرہ در شکلِ تن آسانی نمود
دل ز دستِ صاحبِ قوت ربود
با توانائی صداقت توام است
گر خود آگاہی، ہمیں جامِ جم است

علامہ اقبال نے کہا ہے ؏

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

علامہ خوف، رسوائی، ذلت، گدائی اور کاہلی کے مخالف ہیں اسی لیے کہتے ہیں۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؒ
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

اس نظم میں علامہ کہتے ہیں: ”جو بھی ذلت کے گڑھے میں پڑا ہے اس کاہلی کو

قناعت کا نام دے رہا ہے۔ ضعیفی اور کاہلی زندگی کو چرا لیتی ہیں۔ اس کے پیٹ سے جھوٹ اور خوف پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا باطن اوصاف حمیدہ سے خالی اور اس کا دودھ بُری عادتوں کی پرورش کرتا ہے۔ اے عقل مند ہوشیار یہ دشمن جال بچھائے بیٹھا ہے اگر تو چالاک ہے اس کے دھوکے میں مت آ یہ گرگٹ کی طرح ہر وقت رنگ بدلتا ہے۔ اہل نظر اس کی شکل و صورت نہیں پہچان سکے اور اس کے چہرے پر پردے ڈال دیئے۔ یہ ناتوانی ضعیفی کی کبھی رحم اور نرمی پردہ داری کرتی ہے تو کبھی وہ عاجزی اور انکساری کی چادر اوڑھ لیتی ہے۔ کبھی وہ مجبوری میں چھپ جاتی ہے تو کبھی معذوری کے نیچے رہ جاتی ہے۔ اس نے کاہلی کا چہرہ اختیار کیا اور قوی شخص کا دل چرا لیا۔ صداقت اور توانائی (ہمت) ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اگر تو اپنے آپ سے آگاہ ہو جائے تو یہی تیرا جام جمشید ہے۔"

علامہ اقبال کے کلام میں جا بجا خیبری، حیدری، اسد اللہی، صفدری اور ستیزہ کاری وغیرہ الفاظ کے ساتھ انہی موضوعات کی عکاسی نظر آتی ہے جسے انھوں نے اس خاص نظم میں تسلسل اور پُر اثر طریقے سے نظم کیا ہے۔

زندگی کشت است و حاصل قوت است
شرحِ رمزِ حق و باطل قوت است
مدعی گر مایہ دار از قوت است
دعویٔ او بے نیاز از حجت است
باطل از قوت پذیرد شانِ حق
خویش را حق داند از بطلانِ حق
از کنِ او، زہر کوثر می شود
خیر را گوید شرے شر می شود
اے ز آدابِ امانت بے خبر
از دو عالم خُویش را بہتر شمر

از رموزِ زندگی آگاہ شو
ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو
چشم و گوش ولب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہِ حق، بر من بخند

اس نظم کے آخیر میں علامہ اقبال کہتے ہیں: ''ہماری زندگی کھیتی کے مانند ہے اور اس کی فصل قوت ہے حق اور باطل کے راز کا خلاصہ بھی قوت ہے۔ اگر کوئی دعویدار قوت کی دولت رکھتا ہے تو اس کو دعویٰ ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ باطل قوت کی وجہ سے حق کی سی شان حاصل کر کے خود کو حق جتانے لگتا ہے وہ اپنے کرتوت سے کوثر کو زہر اور خیر کو شر بنا دیتا ہے تو امانت کے آداب سے بے خبر ہے، تو دونوں عالم میں خود کو بہتر سمجھ۔ یہاں اقبال سورہ الاحزاب کی آیت (۷۲) کا اشارہ کر رہے ہیں جس میں بار امانت انسان نے اٹھایا، تو زندگی کے راز سے واقف ہو جا اور صرف اللہ کا ہو، اللہ کے سوا سب سے جاہل اور ظالم ہو جا، یہاں بھی اسی آیت کے الفاظ کا ترجمہ بے شک انسان ظالم ہے اور نادان ہے استعمال ہوئے ہیں۔ اس نظم کے آخری شعر میں اقبال کہتے ہیں اے عقل مند آنکھ کان اور ہونٹ کھول اگر اس کے باوجود تو حق کا راستہ نہ دیکھے تو مجھ پر ہنس۔

یہاں دوسرا مصرعہ اقبال نے مولانا رومؒ سے لیا ہے اگرچہ پہلا مصرعہ مولانا رومؒ کا اقبال کے مصرع کا برعکس ہے۔

(اقبال)
چشم و گوش ولب کشا اے ہوش مند
گر نہ بینی راہ حق بر من بخند

(مولانا رومؒ)
چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی راہ حق بر من بخند

سپاسِ جنابِ امیرؑ

(علامہ اقبالؒ کا وظیفہ)

مدیر ''مخزن'' بیرسٹر عبدالقادر نے مخزن ۱۹۰۵ء میں علامہ اقبالؒ کی یہ چونتیس (۳۴) شعر کی نظم ''سپاس جناب امیر'' کو اس نوٹ کے ساتھ شائع کیا۔ ذیل کی نظم درج کر کے آج ہم اُن احباب کے تقاضوں سے سبکدوش ہوتے ہیں جو پروفیسر اقبال صاحب کے فارسی کلام کے لیے اکثر دفعہ بے حد اشتیاق ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فارسی نظمیں عموماً ''مخزن'' میں درج نہیں ہوتیں تاہم احباب کے اصرار پر ہم اِسے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ یہی نظم با اظہار عقیدت شیخ صاحب صبح کے وقت پڑھا کرتے ہیں۔'' اس نظم کو مرحوم تصدق حسین تاج نے ۱۹۳۸ء میں احمد یہ پریس چار مینار سے شائع کیا جس کی ایک کاپی ان کے فرزند جناب احمد حسین نے راقمِ مضمون عنائیت کی ہے۔ اس کتابچہ کے دیباچہ میں جناب ماہر القادری لکھتے ہیں: ''حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں اشعار اس مجموعۂ میں درج ہیں اُن میں اقبال کا فطری جوہر نظر آتا ہے۔ اقبال جو علم کا جویا ہے اسے ''معہر علم کے دروازے'' پر سرنیاز خم کرنے کی ضرورت بھی تھی۔''

یہ نظم ۱۹۵۷ء جنوری کے رضا کار لاہور میں بھی شائع کی گئی۔ اِسی نظم کے تیرہ (۱۳) اشعار علامہ نے ''عشق'' کے عنوان پر اپنے فارسی کلام میں شائع کیے اور پوری نظم بعض قدیم باقیات اقبال میں موجود ہے۔ علامہ اقبال نے کبھی بھی عوام کے سامنے اپنے آپ کو مذہبی، متقی اور پرہیزگار ظاہر کرنے کی کوشش نہ کی۔ اگر قرآن کی تلاوت، نماز کی

پابندی یا نماز تہجد کا ذکر کیا تو وہ بھی ایک غیر مسلم دوست مہاراجہ کشن پرشاد کے خصوصی خطوط میں۔ علامہ کی مذہبی زندگی اور ان کے عبادات کے حالات ہمیں ان کے خادم علی بخش، ان کے قریبی رشتے دار اور بے تکلف دوستوں کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں علامہ عبادت میں خلوت پسند تھے شاید اسی لیے اس دورنی قلبی واردات کو اپنے مجموعۂ کلام کا جزو نہیں بنایا۔ کیوں کہ اس سے ان کے جذبات اور دلی کیفیات کا دریا اُبلتا نظر آتا ہے۔

اس نظم کے ۳۴ اشعار ترجمے کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اے محو ثنائے تو زبان ہا — اے یوسفِ کاروانِ جانہا

(زبانیں آپ کی تعریف میں مصروف ہیں۔ آپ جانوں کے قافلے کے یوسفؑ یعنی سردار اور پیشوا ہیں۔)

۲۔ اے بابِ مدینۂ محبت — اے نوحِؑ سفینۂ محبت

(آپ [علیؑ] شہرِ محبت کے دروازے اور محبت کی کشتی کے نوحؑ ہیں۔)

(اس شعر میں دو معروف حدیثوں کی طرف اشارہ ہے۔)

۳۔ اے ماحیِ نقشِ باطلِ من — اے فاتحِ خیبرِ دلِ من

(آپ میرے باطل افکار کو مٹانے والے یعنی صحیح راہ دکھانے والے ہیں اور آپ میرے دل کے قلعہ خیبر کو فتح کرنے والے ہیں تا کہ میرے دل میں کفری امنگوں کا خاتمہ ہو جائے۔)

۴۔ اے سرِّ خطِ وجوب و امکان — تفسیرِ تو سورہ ہائے قرآن

(آپ واجب الوجود [خدا] اور ممکن الوجود [بندے] کے درمیان رشتہ قائم کرنے والے خط مستقیم ہیں۔ قرآن کے سوروں میں آپ کی تعریف موجود ہے۔)

۵۔ اے مذہبِ عشق را نمازی — اے سینۂ تو امینِ رازی

(آپ عشق کے مذہب کی نماز ہیں اور آپ کے سینے میں رازِ الٰہی چھپا ہوا ہے۔)

۶۔ اے سرِّ نبوتِ محمدؐ — اے وصفِ تو مدحتِ محمدؐ

(آپ نبوتِ محمدؐ کے رازداں ہیں آپ کی تعریف یعنی محمدؐ کی تعریف ہے۔)

۷۔ گردوں کہ بہ رفعت استادہ است   از بامِ بلند تو فتاد است
(آسمان جو بلندی پر قائم ہے آپ کے بام کی بلندی سے نیچے ہے یعنی آپ کا مقام آسمانوں سے بلند و بالا ہے۔)

۸۔ ہر ذرۂ درگہت چو منصور   در جوش ترانۂ انا الطور
(آپ کی درگاہ ہر ذرہ جوش میں آ کر میں کوہ طور ہوں نغمہ سرائی کرتا ہے۔)

۹۔ بے تو نتواں با و رسیدن   بے او نتوان بتو رسیدن
(اے علیؑ آپ کی معرفت بغیر کوئی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچ سکتا اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کوئی آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔)

۱۰۔ فردوس ز تو چمن در آغوش   از شانِ تو حیرت آئینہ پوش
(آپ کی وجہ سے جنّت پُر بہار ہے اور آپ کی شان دیکھ کر خود حیرت دنگ ہے۔)

۱۱۔ جانم بہ غلامیٔ تو خوش تر   سر بر زدہ ام ز حبیب قنبر
(مجھے آپ کی غلامی پسند ہے مجھے آپؑ کے غلام قنبر کی نسبت حاصل ہو جائے۔)

۱۲۔ ہشیارم و مست بادۂ تو   چوں سایہ ز پا فتادۂ تو
(میں آپ کی محبت میں سرشار اور ہوشیار ہوں اور آپ کے قدموں پر سایے کے مانند پڑا ہوں۔)

۱۳۔ از ہوش شدم مگر بہ ہوشم   گوئی کہ نصیریٔ خموشم
(میں ہوش کھو کر بھی ہوش و حواس میں ہوں یعنی ایک نصیری کی طرح خاموش زندگی بسر کر رہا ہوں۔)

۱۴۔ دانم کہ ادب بہ ضبط راز است   در پردۂ خامشی نیاز است
(مجھے علم ہے کہ عشق کے راز کو چھپانا چاہیے اور نیاز محبت کو خاموش کے پردوں میں رکھنا چاہیے۔)

۱۵۔ اما چہ کنم مئے تولّا   تند است بروں فتد زمینا
(مگر کیا کروں آپ کی محبت کی شراب ایسی تیز ہے کہ دل کی بوتل سے ہونٹوں پر ابل پڑتی

ہے۔)

۱۶۔ زاندیشۂ عاقبت رہیدم جنسِ غمِ آلِ تو خریدم

(مجھے اپنی عاقبت کا خیال ہے اسی لیے تری اولاد کا غم مول لیا ہے۔)

۱۷۔ فکرم چو بہ جستجو قدم زد در دیر شد و در حرم زد

(میرے فکر نے جب جستجو شروع کی تو کبھی مندر اور کبھی کعبہ کے دروازے کھٹکھٹائے۔)

۱۸۔ در دشتِ طلب بسی دویدم داماں چو گردِ باد چیدم

(میں نے دشت طلب میں بگولے کی طرح سرگرداں رہ کر کہساروں کے دامانوں سے چیزیں جمع کی ہیں۔)

۱۹۔ در آبلہ خار ہا خلیدہ صد لالہ تہِ قدم دمیدہ

(تب جا کر میرے پاؤں میں چھالے اور ان میں کانٹے ٹوٹتے اور قدموں کے نیچے اتنا خون بہا کر سینکڑوں لالہ ظاہر ہوئے۔)

۲۰۔ افتادہ گرہ بروئے کارم شرمندۂ دامنِ غبارم

(میرے کاموں میں رکاوٹیں آئیں اور میں سرتاپا گرد و غبار میں بھر گیا۔)

۲۱۔ پویاں پےِ خضر سوئے منزل بردوشِ خیال بستہ محمل

(میں خیال کے کاندھوں پر اپنا محمل سفر باندھ کر خضر [رہنما] کے پیچھے منزل کی طرف چلتا رہا۔)

۲۲۔ جویائے مے و شکستہ جامی چون صبح بہ یاد چیدہ دامی

(میں مے ولا کا خواستگار لیکن میرا جام ٹوٹا ہوا تھا اسی طرح سے کہ صبح جو نسیم سحر سے محروم ہو۔)

۲۳۔ پیچیدہ بہ خود چو موجِ دریا آوارہ چو گردِ بادِ صحرا

(میں دریا کی موجوں کی طرح پیچ و تاب کھاتا اور صحرا کے بگولوں کی طرح آوارہ پھرتا تھا۔)

۲۴۔ واماندہ ز درد نارسیدن در آبلۂ شکستہ دامن

(پیروں کے چھالوں کے درد سے منزل تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔)

۲۵۔ عشق تو دلم ربود ناگاہ   از کار گرہ کشود ناگاہ

(آپ کی محبت نے دل کو تھاما اور جو میرے کام میں گرہ پڑ گئی تھی اس کو کھول دیا۔)

۲۶۔ آگاہ زہستی و عدم ساخت   بت خانۂ عقل را حرم ساخت

(مجھے ہستی اور نیستی کے رازوں سے آگاہ کیا اور عقل کے بت خانہ کو کعبہ بنا دیا۔)

۲۷۔ چوں برق بجز منم گزر کرد   از لذتِ سوختن خبر کرد

(وہ برق کی طرح مجھ میں گزری اور عشق میں جلنے کی لذت سے آشنا کر گئی۔)

۲۸۔ برباد متاعِ ہستم داد   جامِ زمئے حقیقت ام داد

(جس نے میرے ہستیٔ مجاز کو برباد کر کے مجھے حقیقت سے بھرا ہوا ساغر عطا کیا۔)

۲۹۔ سرمست شدم زپا فتادم   چوں عکس زخود جدا فتادم

(میں اس قدر مست ہوا کہ اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکا اور اپنی ذات سے جدا ہو کر رہ گیا۔)

۳۰۔ پیراہن ماومن دریدم   چوں اشک زچشم خود چکیدم

(میں نے خودی کا لباس پھاڑ ڈالا اور آنسو کی طرح اپنی ذات سے ٹپک گیا۔)

۳۱۔ خاکم بہ فرازِ عرش بردی   زاں رازکہ بادلم سپردی

(آپ نے مجھے رازوں سے آگاہ کر کے میری منزلت کو عرش تک پہنچا دیا۔)

۳۲۔ واصل بہ کنار کشتی ام شد   طوفانِ جمال زشتیم شد

(میری کشتی کنارے سے لگ گئی اور طوفانی موجوں سے میرے بد صورتیاں حسین ہو گئیں۔)

۳۳۔ جز عشق حکایتی ندارم   پروائے ملامتی ندارم

(عشق کے قصہ کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا۔ لوگوں کی طعن کی بھی پروا نہیں کرتا۔)

۳۴۔ از جلوۂ عام بے نیازم   سوزم گریم تپم گدازم

(میں حسن کے جلوۂ عام سے بے نیاز ہوں کیوں کہ میں نے تیرا صحیح عشق حاصل کر لیا ہے جس میں خود جلتا ہوں، روتا ہوں، تڑپتا ہوں اور گھلتا ہوں۔)

علامہ اقبالؒ اور فلسفہ شہادت امام حسینؑ

(علامہ کی فارسی مثنوی در معنیٔ حریت اسلامیہ وسر حادثۂ کربلا کی روشنی میں)

شاعر مشرق، ڈاکٹر محمدؐ اقبالؒ حضرت امام حسین علیہ السلام سے والہانہ عشق و محبت رکھتے تھے اور آپ کی حیاتِ طیبہ کو انسانی زندگی کی معراج اور آپ کی عظیم قربانی کو نوع انسانی کے لیے ایک درسِ آزادی اور مسلمانوں کے لیے ایک کامل اُسوۂ حسنہ اور مشکلات زندگی کا مکمل حل تسلیم کرتے تھے۔ علامہ اقبالؒ فخر شاہی اور فقر خانقاہی کو مسلمانوں کے لیے مضر اور اسلام کے لیے نقصان دہ سمجھتے تھے چنانچہ ارمغان حجاز میں مسلمانوں کو "مسلک شبیریؑ" کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؑ
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

ایک اور مقام پر مثنوی میں فرماتے ہیں۔

فقرِ عریان گرمیٔ بدر و حنین
فقرِ عریان بانگ تکبیر حسینؑ

یعنی حقیقی فقر اسلامی معرکہ بدر وحنین اور تکبیر امام حسین علیہ السلام ہے۔ علامہ اقبالؒ اُس تصوف سے نفرت رکھتے تھے جو مسلمانوں کو شجاعت سے دور، عمل سے بیگانہ اور کوشش و جدوجہد سے علیحدہ کر کے ترک دنیا کی طرف مائل کرے۔ وہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ عزلت نشینی کی زندگی چھوڑ کر نقش قدم امام حسینؑ پر چلیں جو صرف فداکاری، ایثار،

اور قربانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ خود علامہ اسی مسلک کے پیرو تھے چنانچہ پیام مشرق میں ارشاد فرماتے ہیں۔

تیر و سناں و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلکِ شبیرمؑ آرزوست

یعنی تیر و نیزہ و خنجر اور تلوار میری خواہشات ہیں۔ اے نام نہاد (مسلمان) میرے ساتھ مت چل کیونکہ میری آرزو امام حسینؑ کی طرح حق پر قربانی کرنا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ ''نقشِ قدم امام حسینؑ پر چلنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ قربانی، فدا کاری، ایثار اور عشقِ حقیقی کا راستہ ہے۔'' اور اسی لیے علامہ نے فرمایا۔

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است
بہرِ حق در خاک و خون غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گر دیدہ است

علامہ فرماتے ہیں پیغام حق امام حسینؑ کی شہادت سے زندہ ہے جس نے باطل کو ہمیشہ کے لیے مایوس اور نابود کر دیا ہے۔ اور اسی حق کو بچانے کے لیے امام حسینؑ اور ان کے جانباز اپنے خون میں نہائے اور اس طرح اسلام کی مجدد بنیاد ڈالی اور اُسے ہمیشہ کے لیے باقی رکھا۔ اسی مضمون کو ۷ سو سال قبل حضرت معین الدین چشتی سنجری نے یوں ادا کیا۔

شاہ است حسینؑ پادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

علامہ اقبالؒ رموز بیخودی میں حضرت سید الشہداؑ میں ایک طویل (۳۹) اشعار پر مشتمل نظم میں جو مثنوی کی شکل میں ہے۔ حادثہ کربلا پر معنی خیز اشعار لکھ کر امام حسینؑ کی

عظمت کو نمایاں کرتے ہیں۔ مثنوی کے آغاز میں عشق اور عقل کا تقابل ہے۔ فارسی اشعار کی تکرار سے گریز کرتے ہوئے ہم صرف اشعار کا نمبر لکھ کر سلیس اور عام فہم ترجمہ کرتے ہیں۔

(1) جس نے حاضر و ناظر خدا سے رشتہ جوڑا اُس نے اپنی گردن کو خدا نما آقاؤں سے آزاد کر لیا۔ (2) مومن کا وجود عشق سے اور عشق مومن سے ہے ہر ناممکن اس کے لیے ممکن ہے۔ (3) عقل اگرچہ خون ریزی کرتی ہے لیکن عشق اس سے زیادہ پاک چالاک اور نڈر ہے۔ (4) عقل اسباب اور وسائل میں الجھتی ہے جب کہ عشق عمل کے میدان میں دوڑتا ہے۔ (5) عقل کا سرمایہ شک اور خوف ہے جب کہ عشق عزم اور یقین کا نام ہے۔ (6) عقل کی تعمیر میں ویرانی اور عشق میں آبادی ہے۔ (7) عقل ہوا کی طرح ہر جا ہ اور سستی ہے عشق مہنگا اور کمیاب ہے۔ (8) عقل کا سامان چون کیسا کی بحث ہے عشق کے پاس یہ آرائش نہیں۔ (9) عقل کہتی ہے خود نمائی کر عشق کہتا ہے خود کا امتحان کر۔ (10) عقل اکتسابی ہے اور غیر سے جڑتی ہے عشق وہبی اور اللہ سے صرف رابطہ رکھتا ہے۔ (11) عقل کہتی ہے خوش رہو آباد رہو عشق کہتا ہے اللہ کا بندہ رہ اور آزاد رہ۔ (12) عشق کا سکون آزادی ہے اس کی سواری کا ساربان آزادی ہے۔

پھر اقبال نے گریز کر کے کہا۔

(13) تو نے سنا کہ جنگ (کربلا) میں عشق نے عقلِ ہوس اور حیلہ ور کے ساتھ کیا کیا۔ پھر اقبال فرماتے ہیں۔

آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؓ
سروِ آزادے زبستانِ رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

یعنی امام حسینؓ حقیقی عاشقوں کے امام اور حضرت فاطمہؓ کے بیٹے ہیں۔ آپ

رسول کریم خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باغ کے سرو ہیں۔ دوسرے شعر میں اقبالؒ اشارہ کر رہے ہیں حضرت علیؑ کے اُس جملے کا کہ "بسم اللہ کی ب" کا جو نقطہ جو خلاصۂ قرآن ہے میں ہی ہوں" یعنی اللہ رے حسینؑ کی عظمت جن کا باپ بائے بسم اللہ اور جو خود ذبح عظیم کی تفسیر ہیں۔ بال جبریل میں فرماتے ہیں ۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

علامہ فرماتے ہیں کی کعبہ کی داستاں سادہ اور دلچسپ ہوتے ہوئے بھی عجیب اور غریب معلوم ہوتی ہے اس کی بنا جو حضرت ابراہیمؑ نے رکھی، اس کے قیام میں حضرت اسماعیلؑ نے شدت تشنگی سے ایڑیاں رگڑیں، حضور اکرمؐ نے اسے بتوں سے پاک کیا اور حضرت امام حسینؑ نے اِس کی حرمت کو اپنی جان و مال کی قربانی دے کر بام عروج پر پہنچایا اور قیامت تک کے لیے محکم بنا دیا۔ حسینؑ الٰہی پیامبر تھے اور دوسرے پیامبران عشق کی طرح آپ عشق کا اظہار کر رہے تھے ۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ۔

سرّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

رموز بیخودی میں واقعہ کربلا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت
حُریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوہ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم

بر زمینِ کربلا بارید و رفت

لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطعِ استبداد کرد

موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

یعنی خلافت نے قرآن مجید سے اپنا تعلق ختم کرلیا اور خلافتِ اسلامی اور قرآنی اصولوں کو چھوڑ کر ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور آزادی کو زہر دے دیا گیا تب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسا، علیؑ کا بیٹا حسینؑ اس ظالمانہ روّیہ کو برداشت نہ کرسکا اور رحمت اللعالمین خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسا ابر رحمت بن کر بڑھا اور کربلا کی زمین پر خون کی ایسی بارش کی کہ کربلا کے دشت کو شہیدوں کے گلستان میں تبدیل کردیا اور قیامت تک ظلم وستم کا خاتمہ کر کے آزادی کے گلشن میں زندگی ڈالی۔ میدانِ کربلا میں امام حسینؑ اللہ کے نام کے ساتھ ساتھ اُمتِ اسلام کی نجات کا عنوان بھی رقم کررہے تھے۔

نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت

سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

پھر علامہ فرماتے ہیں۔

دشمنان چوں ریگِ صحرا لاتعد

دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

یعنی امام حسینؑ کے دشمن ریگستان کے ذرّوں کی طرح لاتعداد تھے جب کہ آپ کے جانباز دوست صرف یزداں کے ہم عدد یعنی بہتّر (۷۲) تھے۔ (یزداں = ی = ۱۰ ز = ۷ د = ۴ ا = ۱ ن = ۵۰ = ۷۲) علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں امام حسینؑ اپنی اُمت میں ایسی اہمیت رکھتے تھے جس طرح قرآنِ مجید میں حرف قل ھو اللہ احد۔

درمیانِ اُمت آں کیواں جناب

ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب

حق اور باطل کی جنگ ازل سے رہی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں۔

موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

(17) اچھی ملت کے شہزادے کی یہ شان تھی کہ خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھے ان کی سواری قرار پائے۔ (18) اس کے خون سے عشق سرخ رو ہوا، عشق کے مصرعے کی آب و تاب بھی اُسی سے ہوئے۔ (27) اگر ان کا مدعا مقصد ملوکیت ہوتا تو کبھی یوں سفر نہ کرتے۔ (30) ان کا عزم پہاڑ کی طرح محکم پائیدار اور کامیابی کا حامل تھا۔ (31) امام نے تلوار دین بچانے کے لیے اُٹھائی۔ (32) مسلمان سوائے خدا کے کسی کا غلام نہیں وہ فرعونوں کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ (33) امام حسینؓ کے خون نے اس راز کو فاش کیا اور سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دیا۔ (35) انھوں نے لا کی تلوار کو میان سے نکال کر باطل کے سرداروں کا خون بہا دیا۔ (37) اگرچہ ملک شام کی شوکت بغداد کی عظمت غرناطہ کی اہمیت ختم ہوگئی۔ (38) امام کے مضراب ہمارے ساز کے تار مسلسل چھیڑ رہے ہیں ان کی تکبیر کے نعرے سے ہمارے ایماں تازہ ہیں۔

ملتِ اسلام کی غفلت اور ناکامی کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں، شہادت امام حسینؓ سے ہی تمام مشکلات کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

ریگِ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حسینؓ باز دہ کوفہ و شامِ خویش را

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

قرآن مجید جو مسلمانوں کی کامیابی کی کنجی ہے اور اُس کا راز بھی حسینؓ سے سیکھا جاسکتا ہے چنانچہ اقبال فرماتے ہیں۔

رمز قرآں از حسینؓ آموختم
ز آتشِ اُو شعلہ ہا اندوختم

یعنی میں نے قرآن کا راز حسینؓ سے سیکھا ہے اور اسی حسینی شعلے سے اپنے چراغوں کو شعلہ ور کیا ہے۔ امام حسینؓ کی شہادت کی منزلت اور عظمت کو بیان کرتے ہوئے علامہ کہتے ہیں۔

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر
مرگ پور مرتضیٰؓ چیزی دیگر

یعنی ہر قسم کی شہادت مومن کے لیے فضیلت ہے لیکن ابن علیؓ کی شہادت بے مثال ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؓ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

علامہ اپنے عشق کو بے نقاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ہے
حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے
رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں، میں
کیا درِ مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے

اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشک ما بر خاکِ پاک اُو رساں

یعنی اے بادِ صبا اس عاشقِ دور افتادہ کے آنسوؤں کو حضرت کے مزار تک پہنچا دے۔ ارمغان حجاز میں فرماتے ہیں۔

قلندر میلِ تقریری ندارد
بجز ایں نکتہ اکسیری ندارد
ازآں کشتِ خرابی حاصلی نیست
کہ آب از خونِ شبیریؑ ندارد

یعنی یہ قلندر جو صرف تقریر کرنا پسند نہیں کرتا صرف ایک نکتہ جو اکسیر حیات اور ثمر زندگی ہے بتانا چاہتا ہے کہ اسلامی زمین جو بنجر اور ویران ہو چکی ہے اُس سے کوئی بھی چیز اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُسے خونِ شبیرؑ سے سیراب نہ کیا جائے۔

منقبتِ حضرت فاطمہؑ: اقبالؔ کی قلبی واردات

علامہ اقبالؔ نے 1917ء میں رموزِ بے خودی میں فاطمہ زہراؑ "تمام مسلمان عورتوں کے لیے اُسوۂ کاملہ" ہیں کے عنوان کے تحت ایک (19) اشعار کی منقبت لکھی جو ایک شاہکار تخلیق تصور کی جاتی ہے۔ علامہ بڑی دیدہ ریزی اور مشکل پسندی سے اہلبیت کرامؑ کی مدح کرتے تھے اور ان موضوعات پر قلم اٹھاتے وقت دوسرے اساتذہ سخن کے مشوروں اور رہنمائیوں سے بہرہ مند بھی ہوتے تھے۔ اس چھوٹی سی (19) اشعار کی نظم پر علامہ نے چھ ہفتوں سے زیادہ فکر و غور کیا۔ علامہ کے پانچ خطوط مولانا گرامیؔ کے نام اس مضمون پر ہیں جو ہمارے بیان کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

مولانا عبدالقادر گرامیؔ جالندھری سے علامہ اقبالؔ کے تعلقات 1902ء سے برقرار تھے وہ 1917ء تک حیدرآباد دکن کے شاہی دربار سے منسلک رہے اور ملک الشعرا قرار پائے۔ آخری عمر میں ہوشیار پور آ گئے جہاں 27 مئی 1927ء کو اُن کا انتقال ہو گیا۔ محمد عبداللہ قریشی نے "مکاتب اقبال بنام گرامیؔ" کے عنوان سے اُن کے (90) خطوط شائع کیے ہیں۔

علامہ اقبالؔ 18 جون 1917ء کو مولانا گرامیؔ کے خط میں لکھتے ہیں کہ "آج کل فاطمہ زہراؑ" کا مضمون زیرِ نظر ہے۔ دو شعر لکھے تھے جو ذیل میں عرض کرتا ہوں۔ بہ نظر اصلاح اور رائے سے آگاہ کیجیے۔

بہر محتاجی دلش آنگونہ سوخت

با یہودی چادرِ خود را فروخت

(ایک محتاج کی مدد کے لیے دل ایسا متاثر ہوا کہ اپنی چادر یہودی کو بیچ دی۔)

محتشش پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا

دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کھٹکتا ہے۔

چونکہ مولانا گرامیؔ کے خطوط جو انھوں نے اقبال کو لکھے ہمارے دسترس سے خارج ہیں اور ہمارے درمیان موجود نہیں اس لیے ہم صرف قیاس کر سکتے ہیں کہ دوسرے شعر کا پہلا لفظ محتشش کو گرامیؔ نے ''آن ادب'' کر دیا ہوگا کیوں کہ نظم میں اب شعر یوں ہے۔

آن ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا

(یعنی وہ ادب، صبر اور رضا کی آغوش کی پلی تھی جو چکّی پیستے وقت بھی قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتی تھی۔) علامہ یکم جولائی 1917ء کے خط میں مولانا گرامی کو لکھتے ہیں ''البتہ مریم کو فاطمہ زہراؑ کے متعلق ایک نسبت حاصل تھی یہ کہ وہ مسیح کی ماں تھی لیکن فاطمہ تین نسبتوں سے محترم ہیں۔''

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز
نورِ چشمِ رحمت للعالمینؐ
آن امامِ اولین و آخرین
آنکہ جان در پیکرِ گیتی دمید
روزگارِ تازہ آئین آفرید
بانوئے آن تاجدارِ ہل اتیٰ
مرتضیٰؑ مشکل کشا شیرِ خداؑ

پادشاہ و کلبہ ئی ایوانِ او
یک حسام و یک زرہ سامانِ او
مادر آں کارواں سالارِ عشق
رونق ہنگامۂ بازارِ عشق

(یہ مصرع کھٹکتا ہے)

(ترجمہ: "اگر مریم کی نسبت مادرِ عیسیٰ" ہونے کی وجہ سے محترم ہے تو حضرت فاطمہؓ تین نسبتوں سے محترم ہیں۔ فاطمہؓ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورِ چشمی ہیں جو اولین اور آخرین امام ہیں۔ جن کی بدولت دنیا بنی اور نئے قانون اور شریعت خلق کیے گئے۔ فاطمہؓ اُن کی ہمسر ہے جن کے سر پر ھل اتی کا تاج ہے جو مرتضیٰ مشکل کشا اور شیر خدا ہے جو ایسا بادشاہ تھا کہ اس کا چھوٹا سا گھر اس کا ایوان تھا اور ایک تلوار اور زرہ اس کا سامان تھا۔ فاطمہ عشق کے کارواں کے سالار کی ماں ہے جو بازار عشق کے ہنگامے کی رونق تھا۔)

علامہ اقبال کے خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کی گرامی نے بتایا کہ دونوں مصرعوں میں آخری شعر کے "مادر" آنا چاہیے چنانچہ اقبال نے آخری شعر یوں کر دیا۔

مادرِ آن مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

(یعنی فاطمہؓ ماں ہے دو برگزیدہ ہستیوں کی جن میں ایک حق کے عشق کے مرکز رہے دوسرے کو حق کے عشق کی سالاری ملی۔)

علامہ اقبال اپنے تیسرے خط بنام مولانا گرامی 3 رجولائی 1917ء میں لکھتے ہیں:
"میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ میں فکر میں ہوں کہ حضرت سیدہ کے متعلق ایک ایسا شعر لکھا جائے جو معنی کے اعتبار سے ایک سو شعر کے برابر ہو۔ آج صبح آنکھ کھلتے ہی وہ شعر ذہن میں آیا ابھی اسے خراد کی ضرورت ہے۔ عرض کرتا ہوں۔

گریۂ شب ہائے آن بالا نشین

ہم چو شبنم ریخت بر عرش برین

اس شعر کو بہ نظر غور ملاحظہ فرمائے: "[بالا نشین، ریختن] کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے مگر کسی قدر کھٹکتا ہے۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا گرامی کے مشورے سے اقبال نے اس موضوع کو دو شعروں میں بیان کیا اور پہلے مصرع میں بھی تبدیلی کی۔

گریہ ھائی او زبالین بے نیاز

گوہر افشاندی بدامان نماز

اشک او بر چید جبریلؑ از زمین

ہمچو شبنم ریخت بر عرش برین

ترجمہ: اُس کے بے نیاز گریہ میں جو آنسو گوہر کی طرح نماز کی حالت میں اُس کے دامن اور زمین پر گرتے رہے اُسے جبریل نے چنا اور شبنم کے مانند عرش بریں پر بکھیر دیے۔

علامہ اقبال پھر 6/ جولائی کو مولانا گرامی کے خط میں لکھتے ہیں: "آپ نے جو ترمیم کی وہ بہت بلند ہے۔ بہر حال میں اسے سمجھتا ہوں اور چوں کہ آپ نے پیدا کیا ہے اس کی داد دیتا ہوں۔ چوں کہ فاطمہؓ کے متعلق اشعار نظم کر رہا ہوں کیا آپ کو کوئی عمدہ روایت اُن کی طاعت گذاری یا تربیت اولاد کے متعلق یاد ہے جس کو نظم کیا جائے۔ معنی خیز گداز روایت ہو تو نظم کرنے میں لطف آتا ہے۔"

علامہ اقبال کا آخری خط اِس ذیل میں 16/ جولائی 1917ء کا ہے جس میں مولانا گرامی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: "ہاں فاطمہؓ کے متعلق جو اشعار میں نے لکھے تھے اُس کے آخر کے اشعار اس طرح سے ہیں۔

مادرِ آن مرکزِ پرکارِ عشق

مادرِ آں کاروان سالارِ عشق

آں یکی شمعِ شبستانِ حرم

حافظِ جمعیتِ خیرالامم

تا نشیند آتشِ پیکار وکین

پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگین

در نوای زندگی سوز از حسینؓ

اہلِ حق حریت آموز از حسینؓ

سیرتِ فرزندھا از امہات

جوہرِ صدق و صفا از امہات

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ

مادران را اسوۂ کامل بتولؓ

(ترجمہ: فاطمہؓ مرکز پرکار عشق اور کاروان سالار عشق کی ماں ہے۔ ایک بیٹا حرم کے شبستان کی شمع جمعیت خیرالامم کا محافظ جس نے تخت وتاج کو ٹھوکر پر مارا، اہل حق کے لیے حسینؓ درس آزادی ہے، زندگی کے نغمہ میں سوز وگداز حسینؓ سے ہے، اولاد کی سیرت نگاری اور اُن کی صدق وصفا کے جوہر کی نشونما ماں سے ہے۔ اسلام کی کشت کا ثمر فاطمہؓ ہے اور فاطمہؓ کی زندگی ماؤں کے لیے اسوۂ کامل اور اسوۂ حسنہ ہے۔)

اقبال 16 ، جولائی 1917ء کے خط میں ان اشعار کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں:

"آپ نے لکھا تھا کہ دونوں مصرعوں میں "مادر" کا لفظ ہونا چاہیے۔ معلوم نہیں آپ کے ذہن میں کیا نکتہ تھا جس کے بیان کرنے کا آپ نے وعدہ کیا تھا۔ میں نے اس اشارے سے فایدہ اٹھایا ہے کہ بعد کے شعر میں حسنؓ وحسینؓ دونوں کا ذکر کر دیا ہے۔ اب ان اشعار کے بعد کا مضمون یہ ہے کہ ایسے بیٹوں سے جن کے یہ اوصاف ہیں ماں کی تربیت کا اندازہ کرنا چاہیے تا کہ معلوم ہو کہ اس ماں کی آغوش میں کیا تاثیر تھی جس میں ایسے بچوں کی پرورش ہوئی۔"

نوری و ہم آتشی فرمانبرش

گم رضائش در رضائے شوہرش

یعنی نوری اور ناری مخلوق (فرشتے جن و پری سب آپ کے فرمان بردار تھے جب کہ خود فاطمہ نے شوہر کی فرماں برداری میں اپنی مرضی شوہر کی مرضی میں گم کردی تھی۔)

علامہ اقبال نے اس نظم کو ان آخری دو اشعار پر ختم کیا۔

رشتہ ئی آئین حق زنجیر پاست

پاسِ فرمانِ جناب مصطفیٰؐ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدے

سجدہ ھا بر خاک او پاشیدے

یعنی اسلام کے آئین کی زنجیر میرے پاؤں میں ہے اور شریعتِ محمدیؐ کا خیال بھی ہے ورنہ میں فاطمہؓ کی قبر کے طواف میں زندگی بسر کردیتا اور اُن کی قبر پر تمام عمر سجدے نچھاور کرتا رہتا۔

اگر پندی ز درویشی پذیری

ہزار امت بے میرد تو نہ میری

بتولی باش و پنہاں شو ازیں عصر

کہ در آغوش شبیریؓ بگیری

(اے خاتون) اگر تو اس درویش کی نصیحت سنے (عمل کرے) ہزار امتیں (مائیں) مرجائیں گی مگر تو نہیں مرے گی اس دور کی نمائش سے دور ہو کر حضرت فاطمہؓ کی طرح گوشہ نشین ہوجا تا کہ تیری آغوش میں حسینؓ جیسے فرزند پرورش پاسکے۔

فقر عریاں گرمئ بدر و حنین

فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؓ

فقر (خالص) بدر و حنین کی جنگوں کا جوش و ولولہ اور فقرِ خالص امام حسینؓ کی تکبیر ہے۔

اقبال

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ
صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق
اک فقر ہے شبیریؑ اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیریؑ
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؑ
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
قافلۂ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گرچہ ہیں تابدارابھی گیسوئے دجلہ وفرات
نمازِ عشقِ حسینؑ حجاز ہے گویا
یہی نماز خدا کی نماز ہے گویا
واسطہ دوں گا اگر لختِ دل زہراؑ کا میں
غم میں کیوں کرچھوڑ دیں گے شافعِ محشر مجھے
رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں، میں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثر مجھے

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ہے

حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے

اے ریگ سرخ! تیرا ہر ذرہ کہہ رہا ہے

میں جانتا ہوں قصہ میدان کربلا کا

یک حسینؓ نیست کو گردد شہید

ورنہ در عالم بسیارند یزید

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ

اہلِ حق حریّت آموز از حسینؓ

از نگاہ خواجۂ بدر وحنین

فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر

مرگِ پور مرتضیٰؓ چیز دگر

جنگِ شاہانِ جہان غارت گری ست

جنگِ مومن سنت پیغمبریؐ ست

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست

ترکِ عالم اختیار کوئے دوست

آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت

جنگ را رہبانیٔ اسلام گفت

کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخون خود خرید ایں نکتہ را

قلندر میلِ تقریرے نہ دارد
بجز ایں نکتہ اکسیرے نہ دارد
ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خونِ شبیرؑے نہ دارد

فقرِ عریاں گرمیٔ بدر و حنین
فقرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حسینؑ
نوائے کہ بے سازِ تقدیر نیست
نوائے کہ بے ضربِ شبیرؑ نیست

تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالٰہ گردیدہ است

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

بسی ہم چو شبیرؑ در خوں نشست
نہ یک نالہ از سینۂ او گسست
نہ از گریۂ پیر کنعاں تپید
نہ از درد ایوب آہی کشید

(ترجمہ: کئی شبیرؑ کی طرح خون میں نہا گئے مگر ان کے سینے سے ایک آہ نہ نکلی۔ نہ وہ یعقوبؑ کے رونے سے بے قرار ہوا نہ ایوبؑ کے درد سے آہ کھینچی۔)

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا کہ مسلکِ شبیرمؑ آرزوست
از بہر آشیانہ خس اندوزیم نگر
باز ایں نگر کہ شعلہ در گیرم آرزوست

(ترجمہ: تیر برچھی خنجر اور تلوار میری آرزو ہیں تو میرے ساتھ مت آ کہ شبیرؑ کا راستہ میری آرزو ہے۔ آشیانے کی خاطر تنکے جمع کرنا دیکھ اور یہ بھی دیکھ کہ میں شعلوں کا آرزومند ہوں۔)

ریگ عراق منتظر کشتِ حجاز تشنہ کام
خون حسینؑ باز دہ کوفہ و شام خویش را

(ترجمہ: پھر عراق کی ریگ منتظر ہے اور حجاز کی کھیتی پیاسی ہے۔ کوفہ شام میں پھر خون حسینؑ کی [آبیاری] ضرورت ہے۔)

رباعی حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز در مدح امام علی علیہ السلام

یا علی ذات و صفات قل ہو اللہ احد
نام تو نقش نگین مہر اللہ الصمد
بر زبانت لم یلد ناصر و لم یولد قریب
شیر یزدان لم یکن قر شت لہ کفواً احد

اہدائی جمہوری اسلامی ایران
بنیاد بین المللی غدیر ۔ قم
2017 میلادی ۔ ۱۳۹۶ ہجری شمسی

اظہار سنز
19 ۔ اردو بازار لاہور فون: 37230150
E-mail: izharsons_2004@hotmail.com
موبائل: 0300-4106357